

# دروس مکی

تقریرات

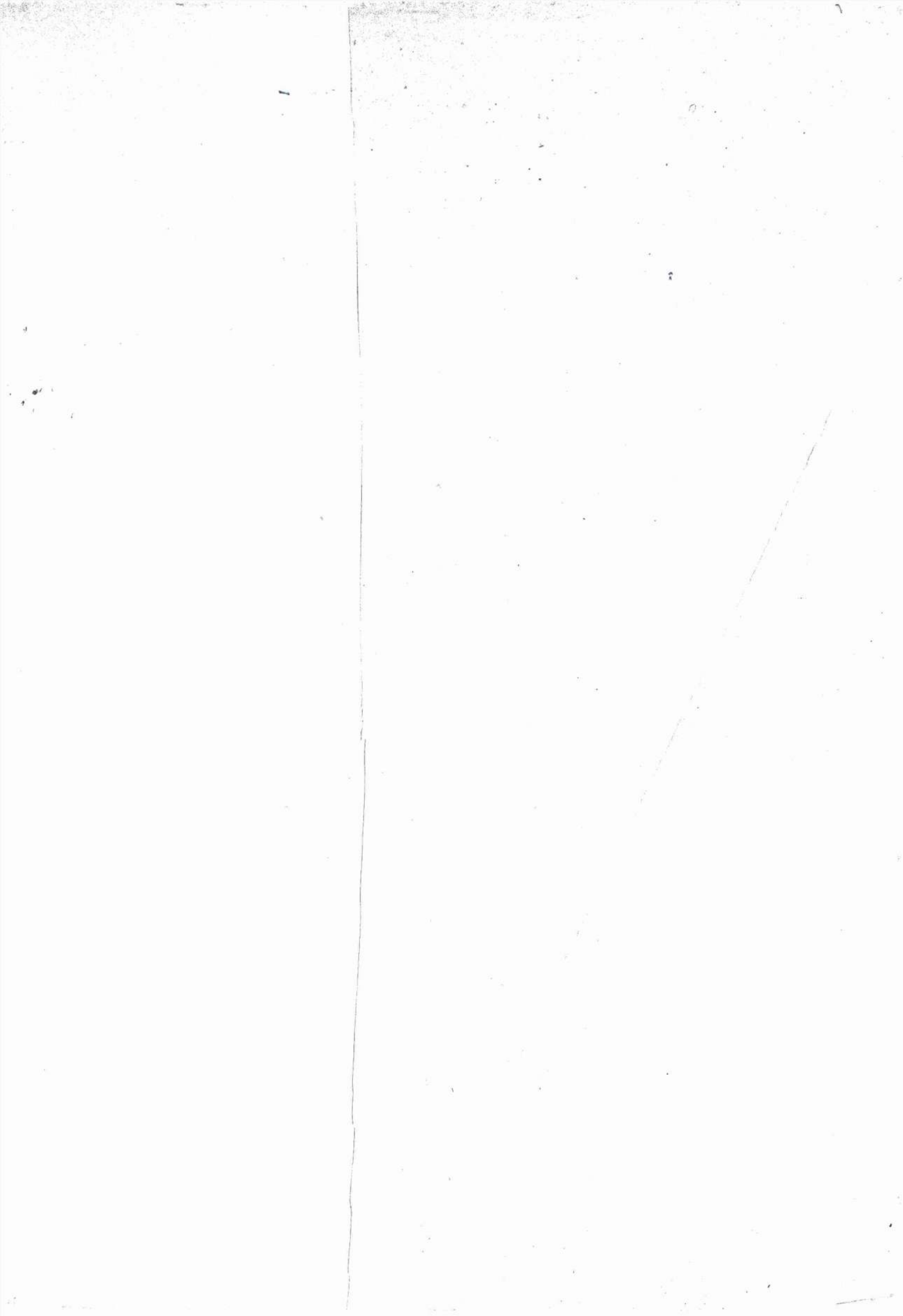
حضرت آیت اللہ حافظ سید ریاض حسین نجفی رحمہ اللہ

جلد اول

(کتاب البیع)

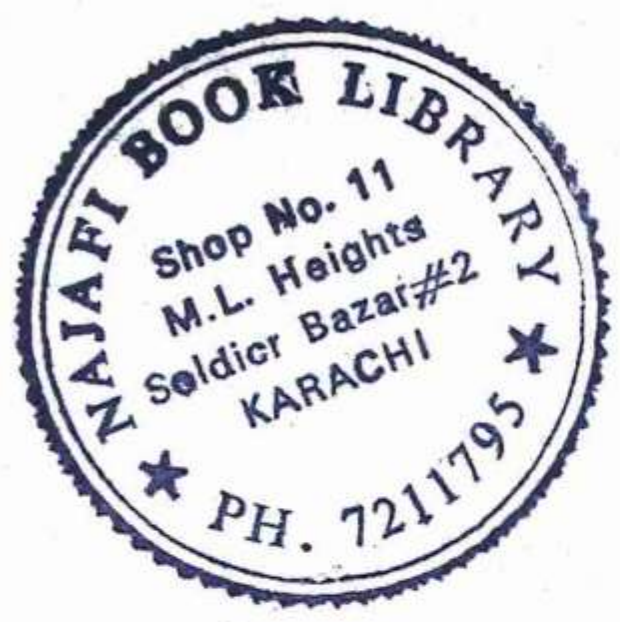
تألیف : سید محمد نجفی







50/2



ACC No. 15007  
19443 Date 6/11/11  
Section متفرقہ سلاوی Status  
D.D. Class  
NAJAFI BOOK LIBRARY

# دروسِ مکاسب

تقریراتِ دروس

حضرت آیت اللہ حافظ سید ریاض حسین نجفی دام ظلہ العالی

جلد اول

تألیف

سید محمد نجفی



کتاب کے جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں۔

نام کتاب	مکاسب (بیچ) شیخ مرتضیٰ انصاریؒ
تقریرات	حضرت آیت اللہ حافظ سید ریاض حسین نجفی دام ظلہ
تألیف	سید محمد نجفی
ناشر	مؤسسہ امام المنتظر (عج) اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف
پروف ریڈینگ	سید نجم عباس نقوی، زکی الحسنین خان
کمپوزنگ	محمد صادق بلتستانی گولوی وسید حسین علی نقوی
لیتوگرافی و چاپ و صحافی	جزایری - قلم
نوبت و تاریخ چاپ اول	جولائی ۲۰۰۴ / 1383
تعداد	۱۰۰۰
شابک	۹۶۴-۷۴۰۸-۶۴-۱



**مؤسسہ و مدرسہ الامام المنتظر (عج)**

ایران - قم - ص پ ۳۶۸۳ - ۳۷۱۸۵  
تلفن : ۷۷۳۶۷۶۰ - ۲۵۱ - ۰۹۳۵ - ۹۱۱۲۱۲۰  
تلفاکس : ۷۷۴۵۶۴۵ - ۲۵۱



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الحمد لله الذي هدانا لهذا  
الذي كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله  
والذي هدانا الله لولا ذلك  
لكننا لفي الخسرانين  
والذي هدانا الله لولا ذلك  
لكننا لفي الخسرانين  
والذي هدانا الله لولا ذلك  
لكننا لفي الخسرانين







كتاب الريح







# فہرست کتاب

۲۳

پہلا درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

بیع کی تعریف

مبادلہ میں کتنی چیزوں کی ضرورت ہے

معوذ کا عین ہونا ضروری ہے

لفظ بیع کا غیر عین میں استعمال مسامحہ ہے

اجارہ کا عین میں استعمال ہونا مسامحہ ہے

عوض غیر عین بھی ہو سکتا ہے

عمل حرام ہے یا نہیں؟

۳۳

دوسرا درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت



حقوق کی اقسام

حق حضانت اور حق ولایت عوض نہیں بن سکتے

کیا حق شفعہ اور حق خیار قابل عوض ہیں؟

حقوق قابل معاوضہ نہیں ہیں

کیا قرض فروخت ہو سکتا ہے؟

تیسرا درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

کیا حق تجیر، صلح اور اجارہ وغیرہ عوض بن سکتے ہیں؟

کیا لفظ بیع حقیقت شرعیہ یا حقیقت منشرعہ رکھتا ہے؟

بیع کی تعاریف اور علماء کے اقوال

صاحب مبسوط اور صاحب تذکرہ کی تعریف

صاحب جامع المقاصد کی تعریف

محقق کرکی کی تعریف اور اس پر ایک اشکال

راہ حل

چوتھا درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

بیع کی تعریف پر اشکالات

۱۔ لفظ ملکیت کی ساتھ ایجاب درست نہیں

۲- تعریف؛ قرض کو شامل نہیں

۳- تعریف؛ معاطات کے ذریعے حاصل ہونے والی ملکیت کو بھی شامل ہے۔

۴- شراء پہ تعریف صادق آتی ہے

۵- کیا عین کا عین کے بدلے میں اجارہ درست ہے؟

۶- تعریف؛ صلح اور ہبہ معوضہ کو شامل ہے

حقیقتِ صلح

۶۳

پانچواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

ہبہ معوضہ کی حقیقت

بیع کی تعریف پر ساتواں اشکال

حقیقتِ قرض

۷۱

چھٹا درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

لفظ بیع کا چند اور معانی میں استعمال

تملیک کے ساتھ ساتھ تملک مشتری بھی ضروری ہے

کیا ایجاب و قبول سے حاصل ہونے والا اثر ہی انتقال ہے؟

ایجاب و قبول سے مرکب عقد ہی بیع ہے

ان معانی میں استعمال پر اشکال



پہلے قول پر اشکال

دوسرے قول پر اشکال

تیسرے قول پر اشکال

ترجمہ

وضاحت

ساتواں درس

۸۵

آیا بیع اور اس جیسے دوسرے عقود کا اطلاق صرف صحیح پر ہوتا ہے؟!

مختار شہیدین

مختار شہیدین پر اشکال

مختار شہیدین کی توجیہ

اطلاق ادلہ سے متمسک ہونے کی وجہ

ترجمہ

وضاحت

آٹھواں درس

۹۵

معاطات کی حقیقت

اقسام معاطات

حکم معاطات

معاطات میں محل نزاع کیا ہے؟

محقق کر کی صاحب جواہر

ان دونوں نظریات پر اشکالات

نواں درس

۱۰۷

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

آیا معاطات فقط اباحت کا فائدہ دیتی ہے یا ملکیت کا؟

فرمان شیخ

شافعی اور ابوحنیفہ کی رائے

ابن ادریس کا کلام

ابن زہرہ کا کلام

بیع منابذہ وغیرہ کی صورت ہے؟

۱۱۹

سوالات درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

کافی میں حلبی کا کلام

شرائع میں محقق کا کلام

تذکرہ میں علامہ کا کلام

قواعد میں علامہ کا کلام

۱۲۷

گیارہواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

جامع المقاصد میں محقق ثانی کا کلام

تعلیقہ ارشاد میں محقق ثانی کا کلام



محقق ثانی کے نظریہ اشکال کا خلاصہ

مشہور کے اباحت والے قول کو ماننا اسلام میں قواعد جدیدہ کی تائیس کرنا ہے

۱۳۹

بارہواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

محقق ثانی کے مشہور پر اشکال کا جواب

کیا قول بالاباحت حقیقت میں بیج ہے؟

اقوال میں بعد اور دوری

۱۴۷

تیرہواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

معاطات میں اقوال

(۱) لزوم

(۲) لزوم بشرط تراخی

(۳) لزوم نہیں بلکہ ملکیت متزلزلہ ہے

(۴) اباحت مطلقہ

(۵) فقط ایسے تصرفات مباح ہیں جو ملکیت پر موقوف نہیں۔

(۶) عدم اباحت مطلقا

مشہور کی رائے

اہلسنت کی رائے

۱۵۹

چودھواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

حصول ملکیت کے لئے ادلہ

سیرت سے استدلال

آیت احل اللہ لبيع سے استدلال

آیت تجارت سے استدلال

حدیث سلطنت سے استدلال اور اس پر اشکال

دونوں آیتوں کی دلالت میں اشکال

۱۶۹

پندرہواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

سیرت کی دلالت پر اشکال

آیا مفید ملک ہے یا نہیں۔

قواند جدیدہ کی تائیس

۱۷۷

سولہواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

عقود قصد کے تابع نہ رہیں گے



ارادہ تصرف ہی ملکیت کا موجب بن جائے گا  
اس مال سے واجبات کیسے ادا کریں گے۔  
ایک کا تصرف دوسرے کے لئے مملک بن جائے گا  
تلف سماوی دوسرے کے لئے مملک بن جائے گا

۱۸۷

ستر ہواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

اگر تصرف نواقل قہریہ کی وجہ سے ہو تو کیا حکم ہے؟

تصرف سے پہلے نماء حادث کس کا ملک ہوگی؟

تملیک تصرف میں منحصر ہو جائے گی

مرحوم کاشف الغطاء کے اشکالات کا جواب

حلی جواب: اباحت مجددہ کا قائل معاطات کو عقد ہی نہیں سمجھتے

نقضی جواب

۲۰۱

آٹھارہواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

ارادہ تصرف کے ملکیت بننے میں کوئی حرج نہیں ہے

خمس و زکوٰۃ والا اشکال استبعاد محض ہے

ایک کا تصرف دوسرے کے لئے ملکیت بن سکتا ہے

تلف سماوی والا اشکال ثابت نہیں

نتیجہ بحث

۲۱۵

انیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

کیا معاطات عقد لازم ہے یا عقد جائز؟

پہلے قول کی ادلہ

اصالة لزوم فی الملک

دعویٰ اور اس کا جواب

کیا استصحاب دلیل بن سکتی ہے؟

خلاصہ بحث

۲۲۷

بیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

لزوم عقد کی ادلہ

حدیث سلطنت

لا تکل مال امرء سے استدلال

آیت لاتا کُل اور آیت تجارت سے استدلال

البیعان بالخیار سے استدلال

ادفوا بالعقود سے استدلال

المؤمنون عند شروطہم سے استدلال



۲۴۳

عدم لزوم پر دعویٰ اجماع

اکیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

اجماع میں تشکیک

اجماع کے حوالے سے اقوال علماء

انشاء لفظی ضروری ہے یا نہیں

دعویٰ سیرت

حدیث انما تحلل الکلام سے استدلال

۲۵۵

بائیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

حدیث کے معنی کے مختلف احتمالات

پہلا احتمال

دوسرا احتمال

تیسرا احتمال

چوتھا احتمال

پہلے احتمال پر اشکال

دوسرے احتمال پر اشکال

تیسرا اور چوتھا معنی ہی متعین ہے

۲۶۷

## تیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

حدیث کا ایک اور معنی

روایت تکئی بن حجاج

روایت اعلیٰ

صحیحہ ابن سنان

۲۷۵

## چوبیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

تنبیہات معاطات

پہلی تنبیہ

کیا معاطات حقیقت میں بیع ہے؟

آیا بیع کی شرط کا معاطات میں پایا جانا ضروری ہے؟

آیا صیغہ ہونا ضروری ہے؟

۲۸۵

## پچیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

دوسرے قول کی دلیل



اباحت والے قول کا کیا حکم ہے؟

ملکیت والے قول کا کیا حکم ہے؟

تیسرے قول کی دلیل

احتمال دیگر

مختار مؤلف

شہیدؒ نے معاطات میں بعض شروط کے معتبر ہونے کی نفی کی ہے

شہیدؒ کے قول پر اشکال

چھبیسواں درس

۲۹۷

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

آیا معاطات ربا میں جاری ہے؟

آیا معاطات میں خیار کا تحقق ہے یا نہیں ہے؟

دوسری تنبیہ

اگر ایک طرف سے اعطاء ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

ستائیسواں درس

۳۰۹

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

تیسری تنبیہ

معاطات فعلی میں بائع مشتری سے کیسے ممتاز ہوگا؟

معاطات میں عوضین کی مختلف حالتیں

۳۱۷

## اٹھائیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

چوتھی تنبیہ

طرفین کے قصد کی صورت میں معاطات کی اقسام

(۱) مال کے بدلے میں مال کی تملیک

(۲) ایک دوسرے کی تملیک

(۳) عوض کے بدلے میں مال کی اباحت

(۴) اباحت کے بدلے میں اباحت

آخری دو قسموں پر اشکال

کیا ما نحن فیہ اعتق عبدک عنی جیسا ہو

۳۳۲

## اٹھائیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

(۲) کیا ما نحن فیہ شراء من ینتق علیہ، بیع واہب اور عتق جیسا ہے

جواب مصنف

قطب الدین اور شہید کا نظریہ

۳۳۹

## تیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات



وضاحت

عوض کے بدلے میں مال کی اباحت پر اشکال

آیا یہ معاوضہ مستقلہ ہے؟

پانچویں تمبیہ

کیا بیع کے علاوہ دوسرے عقود میں معاطات جاری ہو سکتی ہے؟

آیا رهن میں معاطات کے جاری ہونے پر اشکال ہے؟

وقف میں معاطات جاری نہیں ہو سکتی

۳۶۷

اکیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

چھٹی تمبیہ

ملکیت اور اباحت دونوں اقوال کی رو سے ملزمات معاطات

لزوم اور جواز میں اصل کیا ہے؟

تلف عوضین

عنین کے تلف کی صورتیں

۳۷۹

بیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

آیا سقوط دین ملزم معاطات ہے؟

دونوں یا کسی ایک عوض کا منتقل ہونا کیا حکم رکھتا ہے؟

عقد فاسد ہونے کی صورت میں حکم  
کیا فسخ کے بعد عدم لزوم کا حکم ہوگا؟

۳۸۷

تعمیرات و دروس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

اگر ناقل عقد جائز ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

اگر ناقل غیر معاوضہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

بیع فضولی میں کیا صورت ہے؟

اگر ایک یا دونوں عینیں باہم مخلوط ہو جائیں تو کیا، عقد لازم ہو جائے گا؟

تصرف سے حالت بدل جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر طرفین میں سے کوئی مرجائے تو اس کا حکم ہے؟

۳۹۷

چوتھوں اور دروس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

ساتویں تہیہ

آیات تلف کے بعد معاطات بیع ہے یا معاوضہ مستقلہ؟

شہید ثانی کا کلام

ثمرہ بحث

معاطات میں خیار حیوان کب شروع ہوگا؟

ملکیت والے قول کی صورت میں معاطات بیع ہے یا معاوضہ مستقلہ؟



معاوضہ مستقلہ کب ہے؟

پینتیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

آٹھویں تنبیہ

عقد غیر جامع اشراط لزوم، معاطات ہے یا نہیں؟

مشائخ معاصرین کے نزدیک معاطات ہے

محقق اور علامہ کے نزدیک معاطات نہیں ہے

دونوں اقوال کی جمع

جمع پر اشکال

آیا تراخی جدید سے معاطات حاصل ہو جائے گی؟

چھتیسواں درس

ترجمہ

حل عبارات

وضاحت

صور مسئلہ میں تفصیلی گفتگو

(۱) دونوں کی رضایت کے بغیر تصرف

(۲) رضایت ملکیت سے سمجھی جا رہی ہو

(۳) بطلان عقد کے بعد رضایت حاصل ہو

(۴) بطلان عقد کے بعد ایک دوسرے کو مالک سمجھتے ہیں

اس کے معاطات ہونے کی دو شرطیں ہیں

# پہلا درس

بیع کی تعریف

مبادلہ میں کتنی چیزوں کی ضرورت ہے

معوض کا عین ہونا ضروری ہے

لفظ بیع کا غیر عین میں استعمال مسامحہ ہے

اجارہ کا عین میں استعمال ہونا مسامحہ ہے

عوض غیر عین بھی ہو سکتا ہے

عمل حرام ہے یا نہیں؟





# پہلا درس

کتاب البیع

بسم اللہ الرحمن الرحیم - الحمد لله رب العالمین ، والصلاة والسلام على  
محمد وآله الطاهرين، ولعنة الله على أعدائهم إلى يوم الدين -  
و هو في الاصل كما عن المصباح : مبادلة مالٍ بمالٍ -  
و الظاهر اختصاص المعوض بالعين ، فلا يعمّ ابدال المنافع غيرها ؛ و عليه  
استقرّ اصطلاح الفقهاء في البیع -

نعم ، ربما يستعمل في كلمات بعضهم في النقل غيرها ، بل يظهر ذلك من  
كثير من الأخبار ، كالخبر الدالّ على جواز بيع خدمة المدبّر ، و بيع السكنى الدار التي  
لا يُعلم صاحبها ، و كأخبار بيع الأرض الخراجيّة و شرائها ؛ و الظاهر أنها مسامحة في  
التعبير ، كما ان لفظة الاجارة تستعمل عرفاً في نقل بعض الأعيان ، كالثمرة على  
الشجرة -

و أما العوض ، فلا إشكال في جواز كونها منفعة ؛ كما في غير موضع من  
القواعد و عن التذكرة و جامع المقاصد ؛ و لا يبعد عدم الخلاف فيه -

نعم ، نُسب إلى بعض الأعيان ؛ الخلاف فيه ؛ و لعله لما اشتهر في كلامهم :  
من ان البیع لنقل الأعيان ؛ و الظاهر إرادتهم بيان المبيع ، نظير قولهم : ان الاجارة لنقل



المنافع۔

و اما عمل الحرّ، فان قلنا انه قبل معاوضة عليه من الاموال فلا اشكال، و الا  
ففيه اشكال من حيث احتمال اعتبار كون العوضين في البيع ((مالاً)) قبل المعاوضة،  
كما يدلّ عليه ما تقدّم عن المصباح۔

## ترجمہ درس

کتاب بیع

جیسا کہ مصباح المنیر میں مذکور ہے (۱) بیع سے مراد ایک مال کا دوسرے مال سے تبادلہ  
کرنا ہے۔ البتہ عرف اور شرع کا ظاہر یہ ہے کہ معوض (بیع) کو خاص طور پر عین ہونا چاہئے۔ لہذا  
غیر منافع کے مقابلے میں تبدیل منافع کو بیع نہیں کہیں گے۔ نیز اصطلاح فقہاء میں بھی یہی ہے (کہ  
بیع عین کیساتھ مختص ہے)۔

البتہ بعض فقہاء (۲) کے کلام میں لفظ بیع عین کے علاوہ (منفعت وغیرہ) کیلئے استعمال ہوا  
ہے۔ نیز اکثر روایات میں بھی یہی ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ غلام کی خدمت کا بیچنا جائز  
ہے (۳)۔ اس گھر کی رہائش کا بیچنا بھی جائز ہے، جس کا مالک مجہول ہو (۴)۔ اور ارض خراجی (۵)

(۱) مصباح المنیر: ۷۷

(۲) جیسا کہ مبسوط میں شیخ صاحب کا فرمان ہے ۱۷۶:۶

(۳) وسائل ۱۶:۸۸۔ کتاب تدبیر باب ۳ حدیث ۴۔ تہذیب ۸:۲۶۰ باب تدبیر حدیث ۹۲۵

(۴) وسائل ۱۲:۲۵۰ من ابواب عقد البیع حدیث ۵ (۵) وسائل ۱۲:۲۷۵ باب ۲۱ حدیث ۷



کیلئے بھی روایات میں لفظ بیع و شراء استعمال ہوا ہے۔ ان سب مقامات پر عین کے بجائے منفعت پر لفظ بیع استعمال ہوا ہے۔ ظاہراً منافع کے مقابلے میں لفظ بیع کا استعمال مسامحہ تعبیر ہے۔ جیسا کہ عرفاً اجارہ کا بعض اعیان کے مقابلے میں استعمال ہونا۔ یعنی درخت پر موجود پھل کیلئے بیچنے کی تعبیر استعمال کرنا مسامحہ ہے۔

البتہ جہاں تک عوض کا تعلق ہے اسکے منفعت ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے جیسا کہ علامہ کی قواعد (۱) اور تذکرہ (۲) اور محقق کرکی کی جامع مقاصد (۳) میں بھی ہے۔ اور عوض میں تو عدم خلاف کا دعویٰ بھی بعید دیکھائی نہیں دیتا۔

لیکن بعض بزرگان (۴) کی طرف مخالفت کی نسبت دی گئی ہے اور شاید یہ اختلاف اس عنوان سے ہو کہ بیع نقل اعیان کا نام ہے (اور مرحوم بہبہانی نے خیال کیا ہے کہ بیع میں عوض اور معوض دونوں کا عین ہونا ضروری ہے) ظاہراً یہاں علماء کا ارادہ بیع کا بیان کرنا ہو سکتا ہے۔ فقہاء کا فرمان ہے ”اجارہ نقل منافع کیلئے ہے۔“ (حالانکہ واضح ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اجارہ میں عوض اور معوض دونوں منفعت ہوں)۔

البتہ جہاں تک غلام کے مقابلے میں آزاد آدمی کی مزدوری کا تعلق ہے۔ اگر ہم معاوضہ سے پہلے اسکی مزدوری کو اسکا مال شمار کرتے ہیں تو پھر یہ مزدوری عوض کے عنوان سے ٹھیک ہے۔

(۱) قواعد الاحکام ۱: ۳۶ و ۲۲۵

(۲) تذکرۃ الفقہاء ۱: ۵۵۶ و ۲: ۲۹۲

(۳) جامع المقاصد ۷: ۱۰۳

(۴) وحید بہبہانی دیکھیں ہدایۃ الطالب ص ۱۴۹



لیکن اگر آزاد آدمی کی مزدوری مال نہیں ہے تو اس کا عوض بننا موجب اشکال ہے۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ بیع میں معاوضہ سے پہلے عوض اور معوض کا مال ہونا ضروری ہو۔ جیسا کہ مصباح المنیر کی عبارت بھی یہی بتا رہی تھی کہ معاوضہ سے پہلے عوض اور معوض کا مال ہونا ضروری ہے۔

## حل عبارات

قولہ : وهو فی الاصل : اگر یہ کلمہ فقہاء استعمال کریں تو اس سے مراد علم لغت ہے۔ اور اگر اسے علماء لغت استعمال کریں تو اس سے مراد واقع اور نفس الامر ہے۔

قولہ : مبادلة مال بمال : مبادلہ یعنی معاوضہ، مال سے مراد معوض اور بیع ہے جبکہ بمال سے مراد عوض اور ثمن ہے۔

قولہ : والظاهر اختصاص المعوض بالعين : یعنی والظاهر من كلام المصباح يا والظاهر من كلمة البيع -

قولہ : فلا يعم ابدال المنافع بغيرها : یعنی ابدال المنفعت به غير المنفعت -

قولہ : وعليه استقر اصطلاح الفقهاء : ؛ عليه ؛ کی ضمیر اختصاص المعوض بالعين کی طرف لوٹی ہے۔

قولہ : فی نقل غیرها : یعنی غیر اعیان -

قولہ : بل يظهر ذلك من كثير من الاخبار : مشارالیه ؛ ذلك ؛ بیع کا غیر اعیان نقل میں استعمال ہونا ہے۔

قولہ : كل خبر الدال على جواز بيع خدمة المدبر : اس سے مراد خبر ابی مریم



ہے۔ جسے شیخ صدوق نے کتاب فقیہ میں نقل کیا ہے۔ ج ۳ ص ۷۲

قوله : وبيع سكنى الدار التى لا يعلم صاحبها : يعنى الخبر الدال على جواز

بيع سكنى الدار۔ (وسائل ۱۲: ۲۵۰)

قوله : والظاهر انها مسامحة فى التعبير :؛ انها ؛ كى ضمير كلمات بعضهم كى

طرف لوٹتی ہے۔

قوله : لا يبعد عدم الخلاف فيه :؛ فيه ؛ كى ضمير جواز كون العوض منفعة كى طرف لوٹتی

ہے۔

قوله : الى بعض الاعيان : مرحوم وحيد بهبھانى

قوله : ولعله لما اشتهر فى كلامهم :؛ ولعله ؛ كى ضمير خلاف مرحوم وحيد بهبھانى

كى طرف لوٹتی ہے۔

قوله : انه قبل المعاوضة عليه من الاموال :؛ انه ؛ كى ضمير عمل حر كى طرف لوٹتی ہے

قوله : من حيث وجه الاعتبار الخ : اس سے وجہ اشكال بيان كيا جا رہا ہے۔

قوله : يدل عليه :؛ عليه ؛ كى ضمير اعتبار كون العوضين فى البيع كى طرف لوٹتی

ہے

## وضاحت

### بیع كى تعريف:

مصباح المنیر میں مذکور ہے كہ بیع كالغوى معنى مبادلة مال بمال ہے۔ یعنی ایک آدمی مال

دیتا ہے، اسكے بدلے میں مال لے رہا ہے۔ جو مال آپكى ملكیت میں تھا؛ وہ دوسرے كى ملكیت میں چلا



گیا۔ اور جو دوسرے کی ملکیت میں تھا؛ وہ آپ کی ملکیت میں آ گیا ہے۔ لہذا مال کا تبادلہ بیع کہلاتا ہے۔

### مبادلہ میں کتنی چیزوں کی ضرورت ہے؟

اس مبادلہ میں چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۱) بائع

(۲) مشتری

(۳) عوض

(۴) معوض۔

جہاں تک لفظ بائع کا تعلق ہے۔ اس کا مفرد بیع ہے۔ اور یہ الفاظ مضادہ سے ہے۔ یعنی بیع کا معنی بیچنا بھی ہے اور خریدنا بھی۔ جیسے قر کا معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی۔ بچون کا معنی سفید بھی ہے اور سیاہ بھی۔ اسی طرح مشتری (جس کا مصدر شراء ہے) اس کا معنی بھی بیچنا اور خریدنا دونوں ہو سکتے ہیں۔ لہذا اگر دینے والا بائع ہو تو لینے والا مشتری ہوگا۔ بائع جو چیز دے رہا ہے۔ وہ معوض ہے۔ اور مشتری اسکے مقابلہ میں جو دے رہا ہے۔ وہ معوض ہوگا۔

معوض کا عین ہونا ضروری ہے۔

بیع اصل میں نقل اعیان کو کہتے ہیں۔ اسکے مقابلہ میں اجارہ ہے۔ اور اجارہ عام طور پر نقل

منافع کو کہتے ہیں۔

لفظ بیع کا غیر عین میں استعمال مسامحہ ہے۔

لیکن بہبہانی صاحب اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ بعض اوقات بیع کو نقل منافع میں استعمال کیا



جاتا ہے۔ اور اجارہ کو بیع میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کنیز کیساتھ معاملہ طے ہوا ہے کہ میری وفات کے بعد تم آزاد ہو جاؤ گی۔ (یہ کنیز، کنیز مُدَبَّر کہلائے گی)۔

آیا اسکی خدمت کو بیچا جاسکتا ہے؟ محل شاہد یہ ہے کہ خدمت کیساتھ لفظ بیع آیا ہے۔ حالانکہ خدمت منفعت ہے۔ اسکے ساتھ لفظ بیع نہیں ہوتا۔ بلکہ لفظ اجارہ آنا چاہئے تھا۔ اسی طرح وسائل الشیعہ کی ایک اور روایت ہے۔ جس میں کئی سوال تھے۔ ایک سوال تھا۔ آیا سُكْنَى الدَّار کو بیچ سکتا ہوں؟ اس کے ساتھ بھی لفظ بیع استعمال ہوا ہے جبکہ یہاں بھی اجارہ ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ یہ منفعت ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت ہے۔ جس میں پوچھا گیا کہ کیا میں ارض خراجیہ کو بیچ سکتا ہوں؟ حالانکہ اس سے مراد ٹھیکہ دینا ہے۔ یہ اجارہ ہے۔ یہاں بھی لفظ بیع استعمال ہوا ہے۔ فرماتے ہیں: اس طرح تعبیر کرنا مسامح ہے۔ کیونکہ اصل میں بیع نقل اعیان کیلئے ہے۔ نقل منافع کیلئے نہیں ہے۔

**اجارہ کا عین میں استعمال مسامح ہے۔**

اسی طرح اسکی دوسری طرف بھی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لفظ اجارہ بعض اعیان میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ الثمرة على الشجرة درخت پر لگے پھل کو میں اجارہ پر دے سکتا ہوں؟ حالانکہ اسکو بیچا جاتا ہے۔ یہاں بیع کی جگہ لفظ اجارہ آ گیا ہے۔

**عوض غیر عین بھی ہو سکتا ہے:**

المختصر معوض کو ہر صورت میں عین ہونا چاہئے۔ کیونکہ بیع اعیان کے لئے ہے۔ عوض کا جہان تک تعلق ہے یہ منفعت ہوتی ہے۔ جیسے قواعد اور تذکرہ میں علامہ، جامع مقاصد میں محقق کرکی اور بھبھانی صاحب کہتے ہیں کہ عوض کو عین ہونا چاہئے۔



سوال یہ ہے کہ یہاں عوض منفعت بھی ہو سکتی ہے؟ جبکہ بیع میں آپ نے نقل اعیان کہا

ہے۔

فرماتے ہیں: نقل اعیان سے مراد یہ ہے کہ معوض کو ہر صورت میں عین ہونا چاہیے۔

**عمل حرام ہے یا نہیں:**

سوال یہ ہے کہ عمل خُر کا کیا ہوگا؟

فرماتے ہیں:

آیا اس کا کام، عمل کرنے سے پہلے مالیت رکھتا ہے؟ اگر طے ہو جائے کہ مالیت رکھتا ہے تو یہ عوض بھی ہو جائے گا۔ اور معوض بھی۔ اور عین بھی ہوگا۔ اس میں کسی قسم کا اشکال نہیں ہے۔ لیکن اگر کہا جائے کہ اس کا عمل تدریجی مالیت بنے گا۔ یعنی اٹھ بجے شروع کیا ہے، ۱۵ منٹ کام کیا ہے تو یہ ۱۵ منٹ کا عمل ہوگا۔ اسی طرح ۶ گھنٹے کرتا ہے تو وہ ۶ گھنٹے کا عمل ہے۔ لہذا اگر کام سے پہلے مالیت نہیں رکھتا تو پھر مبادلہ مال بمال نہیں ہوگا۔

# دوسرا درّس

حقوق کی اقسام

حق حضانت اور حق ولایت عوض نہیں بن سکتے

حق شفعہ اور حق خیابہ بھی عوض نہیں بن سکتے

حقوق قابل معاوضہ نہیں

کیا قرض فروخت ہو سکتا ہے؟





## دوسرا درس

و اما الحقوق، فان لم تقبل المعاوضة بالمال كحق الحضانة والولاية، فلا اشكال، و كذا لو لم تقبل النقل، كحق الشفعة و حق الخيار؛ لأن البيع تمليك الغير۔  
و لا يُنتقض بيع الدين على من هو عليه؛ لأنه لا مانع من كونه تمليكاً فيسقط؛ و لذا جعل الشهيد في قواعد ((الإبراء)) مردداً بين الاسقاط و التمليك۔  
والحاصل: أنه يعقل أن يكون مالكاً لما في ذمته، فيؤثر تمليكه السقوط، و لا يعقل أن يتسلط على نفسه؛ والسر: أن مثل هذا الحق سلطنة فعلية لا يعقل قيام طرفيها بشخص واحد، بخلاف الملك؛ فانها نسبة بين المالك و المملوك، و لا يحتاج إلى من يملك عليه حتى يستحيل اتحاد المالك و المملوك عليه؛ فافهم۔

## ترجمہ

جہاں تک حقوق کا تعلق ہے تو اگر حق مال کیساتھ قابل معاوضہ نہیں ہے۔ جیسے حق خضانت اور ولایت ہیں تو یہ بلا اشکال عوض نہیں بن سکے گا۔ اور اسی طرح اگر حق قابل نقل انتقال نہ ہو تو بھی عوض نہیں بن سکے گا۔ جیسے حق شفعہ اور حق خیار ہے۔ کیونکہ بیع، دوسرے کی تملیک ہوتی ہے (اور یہ چیزیں قابل تملیک نہیں ہیں)۔



البتہ جس کے ذمہ قرض ہے۔ اگر وہ قرض کو فروخت کرتا ہے تو یہ علیحدہ بات ہے۔ اس سے استدلال مذکور نقض (۱) نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدیون کو قرض کا بیچنا بھی تملیک ہے اور قرض ساقط ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے مرحوم شہید نے اپنی کتاب قواعد (۲) میں ابراء کو اسقاط و تملیک کے درمیان مرؤد قرار دیا ہے۔ (یعنی بمعنی اسقاط بھی لیا جاسکتا ہے اور بمعنی تملیک بھی)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ کہنا معقول ہے کہ وہ مافی الذمہ کا مالک ہے۔ اسکی تملیک کا اثر یہ ہوگا کہ قرض ساقط ہو جائے گا۔ لیکن یہ معقول نہیں ہے کہ انسان اپنے نفس پر مسلط ہو جائے۔ بہر حال حق شفعہ اور حق خیارجیسے حقوق میں سلطنت فعلیہ (ایسا تسلط جو بالفعل محقق ہو) پائی جاتی ہے۔ لہذا یہ معقول نہیں ہے کہ حق کی دونوں اطراف ایک شخص کیساتھ قائم ہوں۔ بخلاف ملک؛ کیونکہ ملک مالک اور مال (مملوک) کے درمیان، نسبت کا نام ہے۔ اور من یملک علیہ کا محتاج نہیں ہے تاکہ کہا جاسکے کہ اتحاد ملک اور مملوک محال ہے۔ فافہم۔

## حل عبارات

قولہ : فلا اشکال : یعنی فلا اشکال فی عدم کونہ عوضاً فی البیع .

قولہ : و کذا لو لم تقبل النقل الخ : یعنی و کذا لا اشکال فی عدم کونہ

عوضاً فی البیع -

قولہ : من کونہ تملیکاً : ؛ کونہ؛ کی ضمیر بیع الدین کی طرف لوٹ رہی ہے۔

(۱) ناقض صاحب جواہر ہیں۔ دیکھیں جواہر الکلام ۲۲: ۲۰۹

(۲) قواعد ۱: ۲۹۱ قاعدہ نمبر ۱۰۲



قوله : فيسقط : یعنی فيسقط الدين -

قوله : و لذا جعل الشهيد الخ : ؛ لذا ؛ یعنی کوئی مانع نہیں ہے کہ بیع الدین تمملیک

ہو۔

قوله : انه يعقل ان يكون مالکاً : ضمیر؛ انه؛ ضمیر شان ہے۔

قوله : فيؤثر تمليكه السقوط : کلمه؛ تمليكه؛ يؤثر کے لئے فاعل ہے۔ اور سقوط اس

کا مفعول ہے۔ اور تمليكه میں ضمیر مجرور مانی ذمتہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله : و لا يعقل ان يتسلط على نفسه : یعنی و لا يعقل ان يتسلط الشخص

على نفسه اس معنی کے ساتھ کہ وہی من له الخيار بھی ہے اور من عليه الخيار بھی۔

قوله : لا يعقل قيام طرفيها : ؛ طرفيها؛ کی ضمیر حق کی طرف لوٹ رہی ہے اور تانیث

کی وجہ سلطنت ہے۔ ؛ طرفيها؛ سے مراد من عليه الحق اور من له الحق ہے۔

## وضاحت

### حقوق کی اقسام:

آیا حقوق بیع کی تعریف میں آتے ہیں یا نہیں؟ یعنی یہ مال ہیں یا نہیں؟

حقوق کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) حق حضانت

(۲) حق ولایت

(۳) حق شفیعہ



## (۴) حق خیار

**حق حضانت اور ولایت عوض نہیں بن سکتے:**

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کو حق حضانت حاصل ہوتا ہے۔ یعنی بچے کو ایک خاص مدت تک ماں کی گود میں رہنا چاہیے۔ اسکے بعد حق حضانت والد کو مل جاتا ہے۔  
 حق ولایت یہ ہے کہ باپ، دادا اور حاکم شرعی یعنی امام علیہ السلام کو اولاد پر ولایت حاصل ہے۔  
 اگر باپ موجود نہ ہو تو حاکم جسکو ولی قرار دے گا۔ اسکو ولایت حاصل ہوگی۔ چھوٹی اولاد اور مجنون پر حق ولایت عام ہے۔ جبکہ حق حضانت فقط گود کی حد تک ہے۔

**کیا حق شفعہ اور خیار قابل عوض ہیں؟**

حق شفعہ یہ ہے کہ دو آدمی ایک زمین میں شریک ہیں۔ ایک اپنے زمین کے حصہ کو بیچ دیتا ہے۔ اگر کوئی اور خریدے تو پہلے شریک کو تکلیف ہو سکتی ہے۔ لہذا وہ (دوسرا) بیچنے والے شریک کا رکو اتنے پیسے دے کر زمین خرید لے گا جتنے پیسے نیا (غیر شریک) خریدار دے رہا ہے۔  
 حق خیار دو قسم کے ہیں۔

(۱) جو شریعت نے معین کیئے ہیں۔ جیسے حق مجلس، حق غبن، حق عیب۔

(۲) بعض ایسے حق ہیں جنہیں شریعت نے مقرر نہیں کیا۔ بلکہ یہ آپس میں کچھ شرائط

کیساتھ طے کرتے ہیں۔ وہ شرائط بھی شریعت کی حدود کے ماتحت ہوتی ہیں۔

**حقوق قابل معاوضہ نہیں:**

سوال یہ ہے کہ جب ہم نے بیع کی تعریف مبادلہ مال بمال کی ہے تو ان حقوق کا کیا بنے



فرماتے ہیں:

حق حضانہ اور حق ولایت کا تقابل تو بمال نہیں ہے۔ یعنی ان دونوں کو بیچا اور خرید نہیں جاسکتا۔ جہاں تک حق شفعہ کا تعلق ہے یہ بھی نقل و انتقال کو قبول نہیں کرتا۔ یعنی شریک، حق شفعہ کو کسی اور کے پاس نہیں بیچ سکتا۔ کیونکہ یہ قابل انتقال نہیں ہے۔ فقط شریک اس حق کو استعمال کر سکتا ہے۔ اسی طرح حق خیار بھی انہیں حاصل ہوگا، جو خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ لہذا یہ بھی قابل نقل و انتقال نہیں ہیں۔ گویا حق حضانہ اور ولایت میں مالیت ہی نہیں ہوتی اور حق شفعہ اور حق خیار میں مالیت تو ہوتی ہے لیکن نقل و انتقال نہیں ہوتا۔

کیا قرض فروخت ہو سکتا ہے:

کوئی شخص ان قلت کرتا ہے کہ حق شفعہ اور حق خیار قابل نقل انتقال ہیں۔ جیسے حق دین ہے۔ آپ نے کسی سے ۱۰۰۰ روپیہ لینا ہے۔ آپ اسکو ساقط کر دیتے ہیں۔ یا ۱۰۰۰ کے بجائے ۸۰۰ لے لیتے ہیں۔ یہ بھی حق ہے۔ اور اسمیں معافی ہو رہی ہے۔ قرض کی صورت میں ایسا ہو سکتا ہے۔ البتہ فقط ہمیں دو چیزوں کا قائل ہونا ہوگا۔

(۱) پہلے آپکی ملکیت میں آئے۔

(۲) اور پھر اسکو ساقط کریں۔

لہذا یہاں کہا جاتا ہے کہ آناً فاناً ملکیت میں آیا ہے اور پھر اسکو ساقط کیا ہے۔ لہذا حق دین (قرض) میں آپ اسقاط کے قائل ہیں۔ اور مانحن فیہ میں قائل نہیں؟ ایسا کیوں ہے؟

فرماتے ہیں:

درحقیقت دین میں اسقاط نہیں ہے۔ بلکہ ابراء ہے۔ یعنی میں بری الزمہ قرار دیتا ہوں۔ گویا قرض والا پیسہ میرے پاس آ گیا ہے اور میں آپکو دے رہا ہوں۔ تاکہ تملیک ہو جائے۔ پھر



اسقاط ہو جائیگا۔ اور آخر میں براتہ الزمہ ہو جائے گی۔ کیونکہ حق دین میں دو آدمیوں کا تعلق ہے۔  
جہاں تک حق شفعہ اور حق خیار فقط آپکو حاصل ہے کسی اور کو نہیں۔ اب اگر حق شفعہ کو ساقط کیا  
جائے تو ساقط کرنے والا بھی میں ہوں اور ساقط بھی مجھ پر ہو رہا ہے۔ تو یہاں ذات کا اتحاد لازم آتا  
ہے۔ بخالف دین کے۔ وہاں دینے والا اور لینے والا دونوں جدا، جدا ہیں۔

# تیسرا درس

کیا حق تجیر، صلح اور اجارہ وغیرہ عوض بن سکتے ہیں؟

کیا لفظ بیع حقیقت شرعیہ ہے یا حقیقت منشرعہ؟

بیع کی تعاریف

صاحب مبسوط اور صاحب تذکرہ کی تعریف

دیگر علماء کی تعریف

صاحب جامع المقاصد کی تعریف

راہ حل





## تيسر ادريس

و أما الحقوق القابلة للانتقال كحق التحجير و نحوه، فهي و إن قبلت النقل و قوبلت بالمال في الصلح، إلا أنّ في جواز وقوعها عوضاً في البيع إشكالاً، من أخذ المال في عوضى المبايعة لغةً و عرفاً، مع ظهور كلمات الفقهاء - عند التعرّض لشروط العوضين و لما يصحّ أن يكون أجره في الإجارة - في حصر الثمن في المال-

ثمّ الظاهر أنّ لفظ البيع ليس له حقيقة شرعية و لا متشرعية، بل هو باقٍ على معناه العرفي، كما سنوضحه إن شاء الله تعالى؛ إلا أن الفقهاء قد اختلفوا في تعريفه، ففي المبسوط و التذكرة و غيرهما: انتقال عينٍ من شخصٍ إلى غيره بعوضٍ مقدّرٍ على وجه التراضي-

و حيث إنّ في هذا التعريف مسامحة و اوضحة، عدل آخرون إلى تعريفه: بالايجاب و القبول الدالّين على الانتقال-

و حيث أنّ البيع من مقولة المعنى دون اللفظ مجرداً، أو بشرط قصد المعنى و إلا لم يعقل أنشاؤه باللفظ، عدل جامع المقاصد إلى تعريفه: بنقل العين بالصيغة المخصوصة-

و يرد عليه: - مع أنّ النقل ليس مرادفاً للبيع، و لذا صرح في التذكرة بأنّ



ایجاب البیع لا يقع بلفظ ((نقلت)) ، و جعله من الکنايات ، و أنّ المعاطاة عنده بیع مع خلوها عن الصیغة :- أنّ النقل بالصیغة أيضاً لا یعقل انشاؤه بالصیغة۔  
و لا یندفع هذا: بان المراد أنّ البیع نفس النقل الذی هو مدلول الصیغة، فجعله مدلول الصیغة اشارة إلى تعیین ذلك الفرد من النقل ، لا أنه مأخوذ فی مفهومه حتی یكون مدلول ((بعث)) نقلت بالصیغة ؛ لأنه ان ارید بالصیغة خصوص ((بعث)) ، لزم الدور؛ لان المقصود معرفة مادة ((بعث))؛ و ان ارید بها ما یشمل ((ملکت)) و جب الاقتصار علی مجردة التملیک و النقل۔

فالأولی تعریفه بأنه: إنشاء تملیک عین بمالٍ - و لا یلزم علیه شیء مما تقدم۔

## ترجمہ

جہاں تک حق تجیر جیسے حقوق کا تعلق ہے جو قابل نقل و انتقال ہیں۔ اگرچہ یہ نقل کو قبول کرتے ہیں۔ اور صلح کی طرح مال کے مقابلے میں آتے ہیں۔ مگر ان کا بیع کے مقابل عوض آنا موجب اشکال ہے۔ اور وجہ اشکال یہ ہے کہ از نظر لغت اور عرف، بیع میں عوضین کا مال ہونا ضروری ہے۔ نیز فقہاء کے کلمات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے (جہاں وہ عوض اور معوض کی شرائط کو بیان کرتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ اجارہ وہاں صحیح ہے جہاں مقابل میں اجرت ہو۔) کہ ثمن اور عوض کا تعلق فقط مال کے ساتھ ہے۔

جاننا چاہئے کہ ظاہر اللفظ بیع کیلئے نہ تو حقیقت شرعیہ ہے اور نہ متشرعیہ۔ لفظ بیع تو اپنے معنی عرفی پر باقی ہے جیسا کہ ہم اسکی وضاحت کریں گے۔ انشاء اللہ۔



بہر حال فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم کا بیع کی تعریف میں اختلاف ہے۔ شیخ طائفہ نے (۱) مبسوط اور علامہ نے تذکرہ (۲) میں اس طرح تعریف کی ہے۔ ”عین کا ایک فرد سے دوسرے کی طرف، معین عوض کے مقابلے میں اس طرح منتقل ہونا؛ جس سے طرفین کا توافق اور رضایت معلوم ہو، بیع کہلاتا ہے۔“

بہر حال چونکہ اس تعریف میں واضح مسامحہ پایا جاتا ہے۔ لہذا دوسرے علماء نے اس تعریف کو چھوڑتے ہوئے اس طرح تعریف کی ہے۔ ”بیع سے مراد ایسا ایجاب و قبول ہے جو انتقال پر دلالت کرے۔“

اور چونکہ بیع مقولہ معانی سے ہے۔ نہ تو لفظ مجرد سے ہے اور نہ بشرط مقصد معنی۔ وگرنہ اگر بیع از مقولہ لفظ ہو تو انشاء بیع، لفظ کے ذریعے معقول نہ ہوگا۔ لہذا محقق کرکی نے جامع المقاصد (۳) میں اس تعریف سے عدول کرتے ہوئے اس طرح تعریف کی ہے۔ بیع، صیغہ مخصوصہ کیساتھ نقل عین ہے۔“

اس تعریف پر کئی اشکال ہوئے ہیں:

(الف) لفظ نقل بیع کے مترادف نہیں ہے، اسی وجہ سے علامہ حلی نے تذکرہ (۴) میں تصریح فرمائی ہے کہ ایجاب بیع لفظ نقلت کیساتھ نہیں ہو سکتا اور علامہ حلی نے نقل کو کنایات سے قرار دیا

(۱) مبسوط فی فقہ الامامیہ ج ۲: ص ۷۶

(۲) تذکرۃ الفقہاء ج ۱: ص ۴۶۲

(۳) جامع المقاصد ج ۴: ص ۵۵

(۴) تذکرۃ الفقہاء ج ۱: ص ۴۶۲



ہے۔

(ب) نیز محقق کرکی کے نزدیک موالاة بیع ہے حالانکہ اسمیں صیغہ نہیں ہوتا۔  
 (ج) نقل بالصیغہ معقول نہیں ہے کہ اسکا انشاء صیغہ کیساتھ ہو (یعنی چیز کو اپنے ہی ذریعہ  
 انشاء کرنا معقول نہیں ہے)

ممکن ہے اس اشکال کو اس طرح رد کیا جائے کہ بیع سے مراد خود نقل ہے جو مدلول صیغہ بنا  
 ہے۔ پس نقل کو مدلول صیغہ قرار دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے وہ فرد نقل کے ذریعے متعین ہو گیا  
 ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ مفہوم بیع میں صیغہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ اس کے نتیجے میں کہیں کہ مدلول (بعت)  
 سے مراد نقلت بالصیغہ ہے۔

مرحوم شیخ فرماتے ہیں:

اگر صیغہ مخصوص سے مراد بعت ہے تو دور لازم آتا ہے کیونکہ مقصود اور مراد مادہ بعت کے معنی  
 کی معرفت اور علم حاصل کرنا ہے۔ اور اسکو بعنوان معرّف لانا درست نہیں ہے۔ اور اگر اس سے مراد  
 صیغہ لفظی ہے جو ملک کو بھی شامل ہے۔ (یعنی اس سے مراد اعم از ملک اور نقلت ہو) تو پھر ہمیں  
 حتماً لفظ تملیک اور نقل پر ہی اکتفاء کرنا ہوگا۔

لہذا بہتر یہ ہے کہ اس طرح تعریف کریں کہ مال کے توسط سے انشاء تملیک بیع کہلاتا ہے۔  
 اس پر گذشتہ اشکالات سے کوئی اشکال وارد نہیں ہے۔

## حل عبارات

قوله : و من اخذ المال فی عوضی المبیعة : اس سے وجہ اشکال بیان کیا جا رہا



-۶-

قولہ : بعوض مقدر : یعنی بعوض معین -

قولہ : و حیث ان فی هذا التعریف مسامحة واضحة : اس تعریف کی وجہ

مسامحہ یہ ہے کہ انتقال یعنی نتیجہ اور اثر بیع کو معرّف اور اس کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

قولہ : و الا لم یعقل انشاءه باللفظ : کلمہ ؛ الا ؛ اگر مقولہ لفظ سے ہو تو لفظ کے ساتھ

اس کا انشاء معقول نہیں ہے کیونکہ لفظ، لفظ کا انشاء اور ایجاد نہیں کر سکتا۔

قولہ : لیس مرادفاً للبیع : کیونکہ نقل بیع سے اعم ہے۔

قولہ : و جعله من الکنایات : جعلہ کی منصوبی ضمیر نقلت کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ : ان المعاطاة عنده بیع : ؛ عنده ؛ کی ضمیر مرحوم علامہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ : و لا یندفع هذا : مشارالیه ؛ هذا ؛ اشکال دوم ہے۔

قولہ : فجعله مدلول الصیغة : جعلہ کی ضمیر منصوبی نقل بہ صیغہ کی طرف لوٹ رہی

-۶-

قولہ : لا انه ماخوذ فی مفہومہ : ؛ انه ؛ کی ضمیر نقل بہ صیغہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اور ؛ مفہومہ ؛ کی ضمیر بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ : لانه ان ارید الخ : ؛ لانه ؛ کی ضمیر ، ضمیر شان ہمے .

قولہ : ان ارید بها ما یشمل ملک الخ : ؛ بها ؛ کی ضمیر صیغہ کی طرف لوٹ رہی

-۶-



## وضاحت

### حق تجیر، صلح اور اجارہ:

بعض ایسے حقوق ہیں جو قابل انتقال ہیں۔ لیکن ان میں مالیت نہیں پائی جاتی۔ لہذا ان میں نقل و انتقال ہدیۃ اور صلحا تو ہو سکتا ہے لیکن مال کے عنوان سے نہیں ہو سکتا۔ ان حقوق میں حق تجیر یا حق حیاطت ہے۔

یعنی ایک زمین برباد پڑی ہوئی ہے۔ اور کوئی آدمی اس پر قبضہ کر لیتا ہے تو شریعت میں مالک سمجھا جائے گا۔ اسکو تجیر اس عنوان سے کہتے ہیں کہ جتنا قبضہ کیا ہے وہاں پتھر رکھ دیگا۔ تاکہ نشانی بن جائے کہ اتنی زمین پر میں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اب یہ مصالحت تو کر سکتا ہے لیکن خرید نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ اسکا اپنا ملک ہی نہیں ہے۔ بلکہ امام کا مال ہے۔

اسی طرح انسان اماکن عامہ میں سے کسی جگہ پر ہے۔ مثلاً مسافر خانے میں ایک آدمی نے پہلے کمرہ لے لیا ہے۔ اب دوسرے آدمی کو حق نہیں ہے کہ اسکو وہاں سے نکالے۔ وغیرہ۔

البتہ خود جگہ دے دے یا مصالحت کرے تو یہ ہو سکتا ہے۔ لہذا ایسے تمام حقوق جہاں نقل و انتقال یا ملکیت نہیں ہے۔ وہاں بیع کی تعریف صادق نہیں آئے گی۔ اور علماء کرام بھی یہی کہتے ہیں کہ جب تک شرط نہیں پائی جائیں گئیں، وہاں بیع متحقق نہیں ہوگی۔

### کیا بیع حقیقت شرعیہ یا متشرعہ ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ بیع کا لغوی اور عرفی معنی تو یہ ہے۔ آیا جب شارع نے لفظ بیع استعمال کیا ہے۔ اسکا کوئی نیا معنی مراد لیا ہے کہ ہم کہیں کہ یہ معنی شرعی ہو گیا۔ یا جب مسلمانوں نے اسکو استعمال کیا ہے تو اسکا کوئی نیا معنی مراد لیا ہے تاکہ کہا جائے کہ یہ حقیقت متشرعہ ہے۔



فرماتے ہیں: بیع نہ حقیقت شرعیہ ہے اور نہ منشرعہ۔ بلکہ لغت اور عرف والا معنی ہی ہے۔ لیکن حدود و قیود کے لحاظ سے علماء میں اختلاف ہے کہ اس کو اس طرح سمجھ لیں کہ تمام قیود اسمیں آجائیں مثلاً۔

### بیع کی تعاریف:

#### مبسوط اور تذکرہ کی تعریف

(۱) مبسوط اور تذکرہ میں کہا ہے انتقال عین من شخص الی غیرہ بعوضٍ مقدر علی وجه تراضی . اس تعریف میں لفظ انتقال آیا ہے۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ انتقال درحقیقت نقل کا نتیجہ ہے۔ یعنی نقل ہوگی تو انتقال ہوگا۔ لہذا یہاں نقل کا لفظ نہیں کہا گیا فقط انتقال کہا گیا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ بیع نقل و انتقال ہے۔ صرف انتقال نہیں۔

#### دیگر علماء کی تعریف

(۲) ﴿الایجابُ القبولُ الدالین علی الانتقال﴾ جب آپ ایجاب و قبول کہتے

ہیں تو یہ لفظ پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ بیع مقولہ لفظ نہیں ہے۔ بلکہ معنی سے ہے۔ بہر حال تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(الف) بیع مقولہ لفظ سے ہو۔

(ب) معنی سے ہو۔

(ج) دونوں سے ہو۔ یعنی مقولہ لفظ بشرط المعنی۔

پہلی اور تیسری صورت غلط ہے۔ معنی والی درست ہے۔ کیونکہ بیع مواطات میں یہی ہے کہ آپ دوکان پر جا کر پیسے دیکر چیز لے لیں اور صیغہ جاری نہ کریں۔ اگر لفظ سے ہوتا۔ یا لفظ بشرط



المعنى هو تاتولفظاً بعت و اشتريت كهنا ضرورى هوتا۔ لہذا الايجاب والقبول الدالین علی الانتقال والى تعريف درست نہیں ہے۔

### جامع المقاصد میں محقق کرکی کی تعریف

(۳) جامع مقاصد میں محقق کرکی نے کہا ہے کہ نقل العين بصيغة المخصوصة اس پر بھی کئی اشکال ہوئے ہیں۔

(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نقل اور عین مترادف ہیں حالانکہ یہ مترادف نہیں ہیں۔

(۲) آپ نے جو نقل العين بصيغة المخصوصة کہا ہے تو ہم جو بیع معاطات کرتے ہیں وہ اس سے خارج ہو جائے گی۔

(۳) آپ نقل العين بصيغة المخصوصة کہہ کر بیع کی تعریف میں صیغہ مخصوصہ لا رہے ہیں۔ لہذا بیع بھی صیغہ مخصوصہ اور صیغہ مخصوصہ بھی صیغہ مخصوصہ ہے۔ یعنی صیغہ مخصوصہ کو صیغہ مخصوصہ کیساتھ لا رہے ہیں۔ یعنی بیع کی تعریف میں بیع آ گیا ہے۔ اور بیع کا سمجھنا موقوف ہے تعریف پر اور تعریف کا سمجھنا موقوف ہے بیع پر۔ اس سے دور لازم آتا ہے۔

راہ حل

اگر آپ کہیں کہ نقل العين بصيغة المخصوصة سے مراد بیع نہیں ہے بلکہ مَلَکْتُ ہے تو پھر آپ مَلَکْتُ لفظ استعمال کریں گے۔ تب بیع ہوگی۔ لہذا آپ سیدھا لفظ تملیک ہی استعمال کر لیں۔ لہذا یہ تعریف بھی درست نہیں ہے۔

شیخ صاحب کہتے ہیں: میرے نزدیک چوتھی تعریف ٹھیک ہے۔ اور وہ اِنْشَاءُ تَمْلِیکِ عین بمال ہے۔ اس آخری تعریف پر پہلے والے اشکال تو وارد نہیں ہوتے۔ البتہ اس پر اسکے علاوہ اور اشکالات وارد ہوتے ہیں۔



# چوتھا درس

بیع کی تعریف پر اشکالات  
لفظ ملکیت کی ساتھ ایجاب درست نہیں  
تعریف: قرض کو شامل نہیں  
معاطات کے ذریعے حاصل ہونے والی ملکیت کو بھی شامل ہے۔  
شراء پر تعریف صادق آتی ہے۔  
کیا عین کا عین کے بدلے میں اجارہ درست ہے؟  
تعریف: صلح اور ہبہ معوضہ کو شامل ہے  
حقیقت صلح





## چوتھا درس

نعم، يبقى عليه أمور۔

منها: أنه موقوف على جواز الإيجاب بلفظ ((ملك)) و إلا لم يكن مرادفاً له۔ و يردده: أنه الحق، كما سيجيء۔

و منهما: أنه لا يشمل بيع الدين على من هو عليه؛ لأن الإنسان لا يملك مالاً على نفسه۔

و فيه: — مع ما عرفت و ستعرف من تعقل تملك ما على نفسه و رجوعه الى سقوطه عنه، نظير تملك ما هو مساوٍ لما في ذمته، سقوطه بالتهاثر۔ أنه لو لم يعقل التمليك لم يعقل البيع؛ اذ ليس للبيع لغةً و عرفاً معنى غير المبادلة و النقل و التمليك و ما يساويها من الالفاظ، و لذا قال فخر الدين: إن معنى ((بعث)) في لغة العرب: ((ملك غيري))، فاذا لم يعقل ملكية ما في ذمة نفسه لم يعقل شيء مما يساويها، فلا يعقل البيع۔

و منها: انه يشمل التمليك بالمعاطاة، مع حكم المشهور بل دعوى الاجماع على انها ليست بيعاً۔

وفيه: ما سيجيء من كون المعاطاة بيعاً، وأن مراد النافين نفي صحته۔

و منها: صدقه على الشراء؛ فإن المشتري بقبوله للبيع يملك ماله بعوض



المبيع-

و فيه: أن التملك فيه ضمنى، و إنما حقيقته التملك بعوضٍ؛ و لذا لا يجوز الشراء بلفظ ((ملك))، تقدم على الإيجاب أو تأخر. و به يظهر اندفاع الإيراد بانتقاضه بمستأجر العين بعين، حيث إن الاستيجار يتضمن تملك العين بمالٍ، أعني المنفعة -

و منها: انتقاض طرده بالصلح على العين بمالٍ و بالهبة المعوضة -  
و فيه: أن حقيقة الصلح ولو تعلق بالعين ليست هو التملك على وجه المقابلة و المعاوضة، بل معناه الأصلي هو التسالم؛ و لذا لا يتعدى بنفسه إلى المال - نعم هو متضمن للتملك إذا تعلق بعين، لا أنه نفسه -

و الذى يدلّك على هذا: أنّ الصّـلح قد يتعلّق بالمال عيناً أو منفعة، فيفيد التملك؛ و قد يتعلّق بالانتفاع، فيفيد فائدة العارية، و هو مجرد التسليط؛ و قد يتعلّق بالحقوق، فيفيد الإسقاط أو الانتقال؛ قد يتعلّق بتقرير امرٍ بين المتصالحين، كما فى قول أحد الشريكين لصاحبه: ((صالحتك على أن يكون الربح لك والخسران عليك)) فيفيد مجرد التقرير -

فلو كانت حقيقة الصلح هى عين كلّ من هذه المفادات الخمسة، لزم كونه مشتركاً لفظياً، و هو واضح البطلان؛ فلم يبق إلا أن يكون مفهومه معنى آخر، و هو: التسالم، فيفيد فى كلّ موضع فائدة من الفوائد المذكورة بحسب ما يقتضيه متعلّقه؛ فالصلح على العين بعوضٍ، تسالمٌ، عليه، و هو يتضمّن التملك، لا أن مفهوم الصلح فى خصوص هذا المقام و حقيقته هو انشاء التملك؛ و من هنا لم يكن طلبه من



الخصم إقراراً له ، بخلاف طلب التملیک۔

## ترجمہ

البتہ اس تعریف پر کچھ اور اشکالات ہوئے ہیں۔ ہم ایک ایک کر کے اسکے جوابات پیش کرتے ہیں۔

پہلا اشکال یہ ہے کہ یہ تعریف تب صحیح ہے۔ جب لفظ ملکٹ کیساتھ ایجاب درست ہو۔ وگرنہ لفظ بیع، تملیک کے مترادف نہ ہوگا۔

اسکا جواب یہ ہے کہ جو آپ نے کہا ہے، یہ حق ہے۔ کیونکہ ایجاب میں لفظ ملکٹ کا استعمال ہی درست ہے۔ جیسا کہ عنقریب وضاحت ہوگی۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ مدیون کو قرض بیچا جاسکتا ہے۔ لیکن آپ کی تعریف اس کو شامل نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے نفس (ذات) کیلئے مال کا مالک نہیں بن سکتا۔

جواب یہ ہے کہ (پہلے بھی آپ جان چکے ہیں اور عنقریب مزید آگاہ ہونگے) مافی الذمہ میں انسان کا مالک ہونا معقول ہے۔ اور اسکی بازگشت سقوط ذمہ کی طرف ہے۔ یہ اسکی مثل ہے کہ مافی الذمہ مقدار مال کا مالک تھا۔ اور اب وہ تھا تر (تساقط) کی وجہ سے بری الذمہ ہو گیا ہے۔

ثانیاً۔ اگر تملیک معقول نہ ہو تو بیع بھی معقول نہیں ہے۔ کیونکہ لغت اور عرف میں بیع کیلئے مبادلہ، نقل، تملیک اور ان جیسے دوسرے الفاظ ہی استعمال ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے مرحوم فخر الدین فرماتے ہیں (۱) کہ لغت عرب میں بعت کا معنی؛ دوسرے کو

(۱)۔ فخر الدین سے مراد محمد بن حسن بن یوسف المطہر الحلی ہیں۔ ان کا لقب فخر الدین، فخر المحققین اور فخر اسلام تھا۔



مالک بنانا ہے۔ پس اگر مافی الذمہ کا مالک ہونا معقول نہ ہو تو اسکے مساوی الفاظ بھی قابل تعقل نہیں ہونگے۔ نتیجہ بیع بھی معقول نہ ہوگی۔

تیسرا اشکال یہ ہے کہ آپ تعریف معاطاة کے ذریعہ حاصل ہونے والی تملیک کو بھی شامل ہے۔ جبکہ مشہور یہ ہے کہ معاطات بیع نہیں ہے بلکہ اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ معاطاة بیع نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ عنقریب وضاحت ہوگی کہ معاطات بیع ہے۔ اور جنہوں نے معاطات کی نفی کی ہے۔ انکی مراد یہ ہے کہ معاطات بیع صحیح نہیں ہے۔ نہ ہی یہ کہ اصلاً بیع ہی نہیں ہے۔ چوتھا اشکال یہ ہے کہ آپ تعریف شراء کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ مشتری بیع کو قبول کرتے ہوئے اپنے مال کا بیع کے عوض میں مالک بن جاتا ہے۔

جواب میں فرماتے ہیں:

شراء میں تملیک ضمنی ہے جبکہ حقیقت میں تملک عوض کے مقابلے میں ہے۔ لہذا مشتری کا لفظ ملک استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ خواہ ایجاب سے پہلے استعمال کرے یا بعد میں۔ اس سے ایک اور اشکال کا جواب بھی مل جائے گا کہ عین کو عین کے بدلے میں اجارہ پر دینا بھی تعریف میں شامل ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ اسیتجار، تملیک عین بمال (منفعت) ہے۔ یعنی جو مالک عین بنا ہے یقینی طور پر منفعت کا بھی مالک ہے۔ لہذا مستاجر نے اپنی عین کو موجر کی ملکیت میں دیا ہے۔ اسکے مقابل وہ منفعت کی شکل میں مال وصول کر رہا ہے۔

پانچواں اشکال: مذکورہ تعریف عین پر کی گئی صلح اور ہبہ معوضہ کو بھی شامل ہے۔ حالانکہ یہ دونوں بیع نہیں ہیں۔

اسکا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حقیقت اور ماہیت صلح کا تعلق عین کیساتھ ہے۔ لیکن یہاں



مقابلے اور معاوضہ کے عنوان سے تملیک نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اصل معنی تسالم ہے۔ لہذا لفظ صلح بنفسہ مال کی طرف متعدی نہیں ہو سکتا (یہ نہیں کہا جاسکتا کہ صالحت زیداً المال)۔ البتہ جب صلح عین کیساتھ تعلق پکڑتی ہے تو یہ متضمن تملیک ہے۔ نہ یہ کہ صلح خود تملیک ہو۔

اس مطلب پر ہماری دلیل یہ ہے کہ صلح کا کبھی مال کیساتھ تعلق ہوتا ہے۔ مال خواہ عین ہو یا منفعت۔ یہاں تو صلح مفید تملیک ہے۔ لیکن کبھی اسکا متعلق فقط انتفاع کیساتھ ہوتا ہے۔ اسوقت یہ عاریہ یعنی تنہا تسلیط کا فائدہ دیتی ہے۔ اور جب صلح کا حقوق کیساتھ تعلق ہو تو اسقاط و انتقال کا فائدہ دیتی ہے۔ بعض اوقات صلح متصالحین کے درمیان تقریر و تثبیت امر کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسا کہ شرکاء میں سے ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ اس بات پر مصالحت کرتا ہوں کہ منافع تمہارا ہوگا۔ اور ضرر کا تعلق بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ (۱) لہذا اس صورت میں صلح کا فائدہ فقط تقریر و تثبیت امر ہے۔

پس عین پر صلح کی حقیقت یہ ہے کہ ان پانچ معانی میں سے کوئی ایک ہو تو اسکا لازمہ یہ ہے کہ صلح مشترک لفظی ہوگی۔ حالانکہ یہ واضح البطلان ہے۔ پس معلوم ہوگا کہ یقیناً صلح کا کوئی اور معنی ہے۔ اور وہ تسالم ہے۔ جو کہ فوائد مذکورہ میں، متعلق کے تقاضا کے مطابق، جدا جدا فائدہ دیتا ہے۔ مثلاً عوض کے مقابل، عین پر صلح کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس میں تسالم پایا جاتا ہے۔ جو تملیک کو متضمن ہے۔ نہ یہ کہ اس مقام پر مفہوم صلح انشاء تملیک ہے۔ نہیں؛ ایسا نہیں ہے۔ لہذا اگر مخالف طرف مقابل میں صلح کی درخواست کرے تو کبھی بھی اسکا یہ مطالبہ طرف مقابل کی حقانیت کا اقرار نہ ہوگا۔ بخلاف طلب تملیک کے کہ جسکا معنی مالکیت مطلوب منہ ہے۔

(۱) وسائل ج ۱۳: ص ۱۱۶۵ الباب ۴ من احکام صلح حدیث ۱



## حل عبارات

قولہ: انه موقوف علی جواز الایجاب الخ: ؛ انه؛ کی ضمیر هذا التعریف کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و الا لم یکن مرادفأله: ؛ لم یکن؛ کی ضمیر تملیک کی طرف اور؛ له؛ کی ضمیر بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و یردہ انه الحق: ؛ انه؛ کی ضمیر جواز الایجاب بلفظ ملک کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: انه لا یشمل بیع الدین الخ: ؛ انه؛ کی ضمیر هذا التعریف کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و رجوعه الی سقوطه عنه: ؛ رجوعه؛ کی ضمیر تملك المال علی نفسه اور؛ سقوط؛ کی ضمیر ما علی نفسه میں ما موصولہ کی طرف اور؛ عنه؛ کی ضمیر مدیون کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و سقوطه بالتہاتر: کلمہ؛ تہاتر؛ باب تفاعل سے مصدر ہے، جس کا معنی سقوط ہے۔

قولہ: انه لو لم یعقل التملیک: ؛ انه؛ کی ضمیر، ضمیر؛ شان؛ ہے۔

قولہ: انتقاض طردہ: طردہ میں ضمیر مجرد تعریف مذکور کی طرف لوٹی ہے اور؛ طرد؛ سے مراد مانع از اغیار ہونا ہے۔



قولہ: لا يتعدى بنفسه الى المال: یعنی: صالحت زیداً علی مال۔  
 قولہ: لا انه نفسه: ؛ انه؛ کی ضمیر صلح کی طرف اور؛ نفسہ؛ کی ضمیر تملیک کی طرف لوٹی

- ہے

قولہ: و الذى يدلک على هذا: مشاراً اليه ؛ هذا؛ عدم کون الصلح تملیکاً

- ہے

قولہ: و هو واضح البطلان: ؛ هو؛ کی ضمیر کونہ مشترکاً لفظیاً کی طرف لوٹ رہی

- ہے

قولہ: و من هنا: مشاراً اليه؛ هنا؛ عدم کون الصلح تملیکاً ہے۔

قولہ: لم یکن طلبه من الخصم اقراراً: ؛ طلبه؛ کی ضمیر صلح کی طرف اور؛ له؛ کی

ضمیر انشاء تملیک کی طرف لوٹ رہی ہے۔

## وضاحت

### بیع کی تعریف پر اشکالات

#### (۱) لفظ ملکیت کیساتھ ایجاب درست نہیں

(۱) آپ کا کہنا کہ بیع انشاء تملیک عین بمال ہے۔ اسمیں تملیک کا لفظ استعمال

ہوا ہے۔ لہذا جیسے بیع بعث سے متحقق ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ملکیت سے بھی متحقق ہو سکتی ہے۔ کیونکہ

اگر ملکیت سے بیع متحقق نہ ہو سکے تو ملکیت بعث کے مترادف نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ بیع کیلئے بعث

استعمال ہوتا ہے، ملکیت استعمال نہیں ہوتا ہے۔



فرماتے ہیں:

بیعِ ملک سے متحقق ہو سکتی ہے۔ ہم اسکا تذکرہ کریں گے۔

**تعریفِ قرض کو بھی شامل ہے۔**

(۲) دوسرا اشکال یہ ہے کہ (بیعِ دینِ علی ما ہو علیہ) یعنی ایک آدمی نے قرض دینا ہے۔ اور ایک نے لینا ہے۔ قرض کو، قرض لینے والا دینے والے کے پاس بیچ دیتا ہے۔ آپ کی تعریف (انشاء تملیک عین بمال) اس قرض کو شامل نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کو اپنے مال کا دوبارہ مالک بنایا جائے، اسکا کوئی تک نہیں ہے۔

لہذا یہ تعریف اس کو شامل نہیں ہو سکے گی۔ حالانکہ پہلے آپ کہہ چکے ہیں کہ بیعِ دینِ علی من ہو علیہ ٹھیک ہے۔ مثلاً آپ نے زید سے ۱۰۰۰۰ روپیہ لینا ہے۔ اور زید نے آپ سے گائے لینی ہے۔ جسکی قیمت ۱۰۰۰۰ بنتی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ گائے مجھے بیچ دیں۔ اور قرض میں بیچ دیتا ہوں۔ اسکو التھاتر یعنی اسقاط کہتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

چونکہ اسمیں پہلے وہ مالک بنائے گا۔ پھر اسقاط ہوگا۔ لہذا اس تعریف کو شامل ہے۔

**معاطات کے ذریعے حاصل ہونے والی ملکیت بھی شامل ہے۔**

(۳) اگر انشاء تملیک عین بمال کو لیا جائے تو یہ معاطات کو بھی شامل ہو جائے گی۔ کیونکہ تملیک عین بمال تو ہے۔

فرماتے ہیں:

بالکل ٹھیک ہے۔ اصل یہ ہے کہ معاطات بیع ہے یا نہیں؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ معاطات بیع ہے۔ البتہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ صیغہ استعمال نہیں ہوتا۔ لیکن بیع ہوتی ہے۔ لہذا



انشاء تملیک بمال صادق آجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ باقی رہا کہ صحیح ہے یا نہیں۔ ہم ذکر کریں گے کہ بیع معاطات صحیح ہے۔

**شراء پر تعریف صادق آتی ہے۔**

(۴) آپ کی تعریف شراء پر بھی صادق آرہی ہے۔

فرماتے ہیں:

اس کا کوئی حرج نہیں ہے۔ شراء بھی تملیک ضمنی ہے۔ اور حقیقت میں جب عوض آجائے گا تو تملک ہو جاتا ہے۔ اور وہ چیز اسکی ملکیت میں آجاتی ہے۔

**کیا عین کا عین کے بدلے میں اجارہ درست ہے؟**

(۵) اگر کوئی آدمی عین کا اجارہ عین کے بدلہ میں دے رہا ہے تو اسمیں بھی تملیک مال

ہے۔

فرماتے ہیں: یہ بھی درست ہے۔ لیکن اسکو اجارہ کہتے ہیں۔ آپ منفعت لے رہے ہیں

اور مال دے رہے ہیں۔ یہ تملیک نہیں کہلاتا۔

**تعریف صلح اور ہبہ کو بھی شامل ہے۔**

(۶) آپ کی بیع کی تعریف اس صلح پر بھی صادق آتی ہے، جب وہ عین پر ہو۔ اسی طرح

ہبہ معوضہ پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے۔

**حقیقت صلح**

فرماتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہبہ معوضہ کا تذکرہ بعد میں کریں گے۔

جہاں تک صلح کا تعلق ہے اسکو بیع نہیں کہتے۔ بلکہ صلح کا اصل معنی ہے، التسالم۔ لہذا صلح کا اجراء ہر جگہ ہو



سکتا ہے۔ مثلاً عین ہے تو آپ صلح کر لیتے ہیں کہ آپ اپنے مال کا مجھے مالک بنا دیں۔ اور میں اپنے مال کا آپ کو مالک بنا دیتا ہوں۔ اسکو تسالم کہتے ہیں۔ لہذا اس میں بھی تملیک آئے گی ہے۔

کبھی آپ منفعت پر صلح کر لیتے ہیں۔ اسکو اجارہ کہیں گے۔ بعض اوقات صلح حقوق پر ہوتی ہے۔ مثلاً اتنے پیسے لے لیں اور پہلی صف میں جگہ دیں۔ یہ بھی صلح ہے۔ بعض اوقات صلح میں لینا دینا نہیں ہوتا۔ بلکہ دو شریکوں کے پاس کچھ مال ہے۔ دونوں کہتے ہیں جو تیرے پاس ہے وہ تیرا اور جو میرے پاس ہے وہ میرا۔ لہذا صلح کو بیع نہیں کہتے۔ صلح کا لفظ بڑا عام ہے۔

مثلاً دو جھگڑا کر رہے ہیں۔ ایک کہتا ہے چلو مصالحت کر لیتے ہیں۔ تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ اقرار کر رہا ہے کہ میں نے تیرا مال دینا ہے۔ اسکو اقرار خصم بھی نہیں کہتے۔ لہذا اگر صلح کی ہے۔ اور اس پر بیع کی تعریف صادق آجائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

# پانچواں درس

ہبہ معوضہ کی حقیقت  
ہبہ معوضہ بیع واقع ہو رہا ہے  
حقیقت قرض





## پانچواں درس

و أمّا الهبة المعوضة، والمراد بها هنا ما اشترط فيها العوض، فليست انشاء تملك بعوض على جهة المقابلة، و الا لم يعقل تملك أحدهما لأحد العوضين من دون تملك الآخر للأخر، مع أن ظاهرهم عدم تملك العوض بمجرد تملك الموهوب الهبة، بل غاية الأمر أن المتهب لو لم يؤد العوض كان للواهب الرجوع في هبته؛ فالظاهر أن التعويض المشروط في الهبة كالتعويض الغير المشروط فيها في كونه تملكاً مستقلاً يقصد به وقوعه عوضاً، لا أن حقيقة المعاوضة و المقابلة مقصودة في كل من العوضين، كما يتضح ذلك بملاحظة التعويض الغير المشروط في ضمن الهبة الاولى-

فقد تحقق مم ذكرنا: أن حقيقة تملك العين بالعرض ليست الا البيع، فلو قال: ((ملكك كذا بكذا))، كان بيعاً، و لا يصح صلحاً و لا هبة معوضة و ان قصدهما؛ اذ التملك على جهة المقابلة الحقيقي ليس صلحاً و لا هبة، فلا يقعان به. نعم لو قلنا بوقوعهما بغير الألفاظ الصريحة، توجه تحققهما مع قصدهما-

فما قيل: من أن البيع هو الاصل في تملك الأعيان بالعرض، فيقدم على الصلح و الهبة المعوضة، محل تأمل، بل منع؛ لما عرفت من أن تملك الأعيان بالعرض هو البيع لا غير-



نعم لو أتى بلفظ ((التمليك بالعوض)) و احتتمل إرادة غير حقيقته، كان مقتضى الأصل اللفظي حملة على المعنى الحقيقي، فيحكم بالبيع؛ لكن الظاهر أن الأصل بهذا المعنى ليس مراد القائل المتقدم، وسيجيء توضيحه في مسألة المعاوضة في غير البيع إن شاء الله۔

بقی القرض داخلًا في ظاهر الحد، و يمكن إخراجہ: بأن مفهومه ليس نفس المعاوضة، بل هو تمليك على وجه ضمان المثل أو القيمة، لا معاوضة للعین بها؛ و لذا لا يجري فيه ربا المعاوضة، و لا الغرر المنفی فيها، و لا ذكر العوض، و لا العلم به؛ فتأمل۔

## ترجمہ

### ہبہ معوضہ:

ہبہ معوضہ سے مراد یہ ہے کہ صیغہ عقد میں عوض کی شرط لگائی گئی ہو۔ (یہ کسی صورت میں بھی بیع نہیں ہے) پس یہاں عوض کے مقابلے میں انشاء تملیک کسی صورت میں صادق نہیں آتا ہے۔ کیونکہ سرے سے یہ بات معقول ہی نہیں ہے کہ احد المتعاقدين، عوضین میں سے کسی ایک عوض کے تو مالک ہو جائیں جبکہ دوسرا عوض مقابل کا تملک ہی نہ بنے۔

نیز علماء کی عبارت کا ظاہر بھی یہی ہے کہ ہبہ معوضہ ایسا نہیں ہے کہ جب موہوب ہبہ کا مالک بن جائے تو واہب بھی فقط اس عوض کے بدلے میں مالک بن جائے گا۔ بلکہ جب تک موہوب واہب کیلئے عوض کو ہبہ نہیں کرتا تو واہب حق رکھتا ہے کہ اپنا ہبہ واپس لے لے۔ لہذا کہا جاسکتا ہے کہ ہبہ میں عوض کی شرط کی گئی ہے۔ گویا غیر مشروط عوض ہے۔ لہذا جو نہی اس عوض کو مالک، طرف مقابل کی ملکیت میں دے تو جو کچھ اسے عوض کے بدلے میں مل چکا ہے وہ بھی اسکی ملکیت



ہو جائے گا اور یہ تملیک مستقل شمار ہوگا۔ نہ یہ کہ دونوں (واہب، موہوب) عوضین کو معاوضہ اور مقابلہ حقیقہ کے قصد سے رد و بدل کر لیں۔ بہر حال اس کا معنی کہ وہ عوض جو پہلے ہبہ میں مشروط نہیں تھا، واضح ہو جاتا ہے۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے متحقق ہوا کہ عوض کے بدلے میں، حقیقت تملیک، عین بیع کے علاوہ کچھ نہیں۔

پس اگر کوئی کہے کہ میں نے فلاں چیز کو فلاں چیز کے بدلے میں تیری ملکیت میں دیا تو یہ بیع ہوگی۔ صلح اور ہبہ معاوضہ نہ ہوگا۔ خواہ ان دونوں کا قصد بھی کیا گیا ہو۔ کیونکہ مقابلہ حقیقہ کے عنوان سے کی گئی تملیک نہ تو صلح ہے اور نہ ہبہ۔ لہذا لفظ تملیک سے صلح اور ہبہ واقع نہیں ہو سکتے۔

ہاں اگر ہم اس کے قائل ہو جائیں کہ یہ دونوں صریح الفاظ کے بغیر بھی واقع ہو سکتے ہیں اور الفاظ کنائی اور مجازی سے بھی یہ محقق ہو سکتے ہیں تو پھر صلح اور ہبہ کا لفظ ملکیت کیساتھ محقق ہونا تب وجہ ہبہ ہوگا جب ان کا قصد کیا جائے۔

پس جو بعض نے کہا ہے (۱) ”بیع میں اصل یہ ہے کہ یہ عوض کے مقابلے میں تملیک الاعمیان ہے لہذا یہ صلح اور ہبہ معاوضہ سے مقدم ہے۔“

یہ محل تامل ہے۔ بلکہ ممنوع ہے۔ کیونکہ آپ پہلے جان چکے ہیں کہ عوض کے مقابلے اعمیان کی تملیک بیع کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔

ہاں البتہ اگر لفظ تملیک کو عوض کے مقابلے میں لائیں اور غیر حقیقی (مجازی) معنی کے ارادہ کا احتمال دیں تب بھی مقتضی اصل لفظی یہ اسے حقیقی معنی پر حمل کریں۔ پس پھر بھی بیع کا حکم ہوگا۔

(۱)۔ شیخ کبیر جعفر کاشف الغطاء فی کتابہ کشف الغطاء



لیکن ظاہراً اصل کا یہ معنی قائل متقدم کی مراد نہیں ہے۔ انشاء اللہ اسکی وضاحت مسئلہ معاطات غیر بیع میں ہوگی۔

باقی رہا قرض کا مسئلہ جو ظاہراً تعریف میں شامل ہے۔ اسکا اخراج بھی اس طرح ممکن ہے کہ قرض کا مفہوم، نفس معاوضہ نہیں ہے بلکہ وہ مثل یا قیمت کی ضمانت کے عنوان سے ملکیت ہے۔ اور مثل و قیمت کے عنوان سے عین کیلئے معاوضہ نہیں ہے۔ لہذا نہ تو اس میں رہا معاوضہ جاری ہوگا، نہ بیع میں جس غرر (۱) کی نفی کی گئی ہے؛ وہ جاری ہوگا۔ اس طرح قرض کی بحث میں عوض کا ذکر یا عوض کا علم جاری نہ ہوگا۔

## حل عبارات

قولہ: و ان قصدہما: لفظ: ان؛ وصلیہ ہے اور؛ قصدہما؛ میں ضمیر فاعلی مجری صیغہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور ضمیر مفعولی؛ صلح اور ہبہ معاوضہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
قولہ: فلا یقعان بہ: ضمیر تشبیہ صلح اور ہبہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور؛ بہ؛ کی ضمیر؛ ملکیت کذا بکذا؛ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لو اتی بلفظ التملیک بالعوض:؛ تملیک بالعوض؛ سے مراد یہ عبارت ہے؛ ملکک کذا بکذا؛

قولہ: کان مقتضی الاصل اللفظی: یعنی اصالة الحقیقة  
قولہ: ان الاصل بهذا المعنی: یعنی اصل لفظی

(۱) نہی رسول عن بیع الغرر. سنن بیہقی ۵: ۳۳۷، رسائل ۱۲: ۳۳۰



قولہ: و سيجیئ توضیحہ: یعنی توضیح اصل

قولہ: بان مفہومہ لیس نفس المعاوضۃ: مفہومہ: کی ضمیر قرض کی طرف لوٹ رہی

ہے۔

قولہ: و لا الغرور المنفی فیہا: فیہا: کی ضمیر معاوضات کی طرف لوٹ رہی ہے۔

## وضاحت

### ہبہ معوضہ کی حقیقت

انشاء تملیک عین بمال تعریف کریں تو ہبہ معوضہ پر اشکال لازم آتا ہے۔

ہبہ کی دو اقسام ہیں۔

(۱) ہبہ معوضہ:

ہبہ معوضہ یہ ہے کہ آپ کہیں میں فلاں چیز ہبہ کرتا ہوں۔ آپ اسکے مقابلہ میں فلاں چیز

ہبہ کر دیں۔ یہ ہبہ معوضہ ہوگا۔

(۲) ہبہ غیر معوضہ:

ہبہ غیر معوضہ یہ ہے کہ آپ کوئی چیز بطور ہدیہ دے دیتے ہیں اسکے مقابلہ میں کچھ نہیں

لیتے۔ مثلاً جیسے حضرت رسول خدا نے حضرت فاطمہؑ کو باغ فدک ہبہ کیا تھا۔

اشکال: ہبہ معوضہ بیع واقع ہو رہا ہے:

ہبہ معوضہ میں بالمقابل بھی ہے۔ یعنی یہ مال اسکے ملک میں دے رہے ہیں اور اسکا مال

اپنے ملک میں لے رہے ہیں لہذا یہ بیع ہے۔



فرماتے ہیں یہ بیع نہیں ہے۔ بلکہ آپ نے تو دے دیا ہے وہ مانے گا تو دیگا۔ یا بالکل نہیں دیگا۔ لہذا بیع کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ بیع میں ایک طرف تملیک ہے۔ اور دوسری طرف تملک یقینی ہے۔ جبکہ ہبہ معوضہ میں دوسری طرف تملک نہیں ہو رہا۔ اگر تملک نہ ہو تو پھر بیع کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔

گویا تملک عین بمال پر جتنے اشکالات تھے انکا جواب دے دیا گیا۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ تملیک بعوض حقیقت میں بیع ہے۔

جہاں لفظ بَعْتُ یا مَمْلُکْتُ استعمال ہو وہ بیع ہو جائے گی۔ اگر کوئی ایسا لفظ استعمال کریں جو بیع سے کنایہ بن رہا ہو تو وہاں پر اشکال ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ بیع واقع ہوئی ہو۔ یا کنایۃً استعمال ہوا ہو اور لہذا جہاں تملیک عین بعوض ہو وہاں بیع ہوگی۔ اور اگر تملیک عین کے علاوہ کوئی اور لفظ استعمال ہو تو ضروری نہیں ہے کہ بیع ہی ہو۔ کوئی اور چیز بھی ہو سکتی ہے۔ جسکی صراحت اور وضاحت ہوگی، وہی چیز مراد ہوگی۔

### حقیقت قرض

مقرض کہتا ہے کہ قرض کی صورت میں آپ اپنے مال کو غیر کے حوالہ کر رہے ہیں۔ اسکو مالک بنا رہے ہیں اور اسکا بدلہ بھی لینا ہے۔ تو گویا انشاء تملیک عین بمال اس پر صادق آ رہا ہے۔ لہذا قرض پر یہ تعریف صادق آ رہی ہے۔

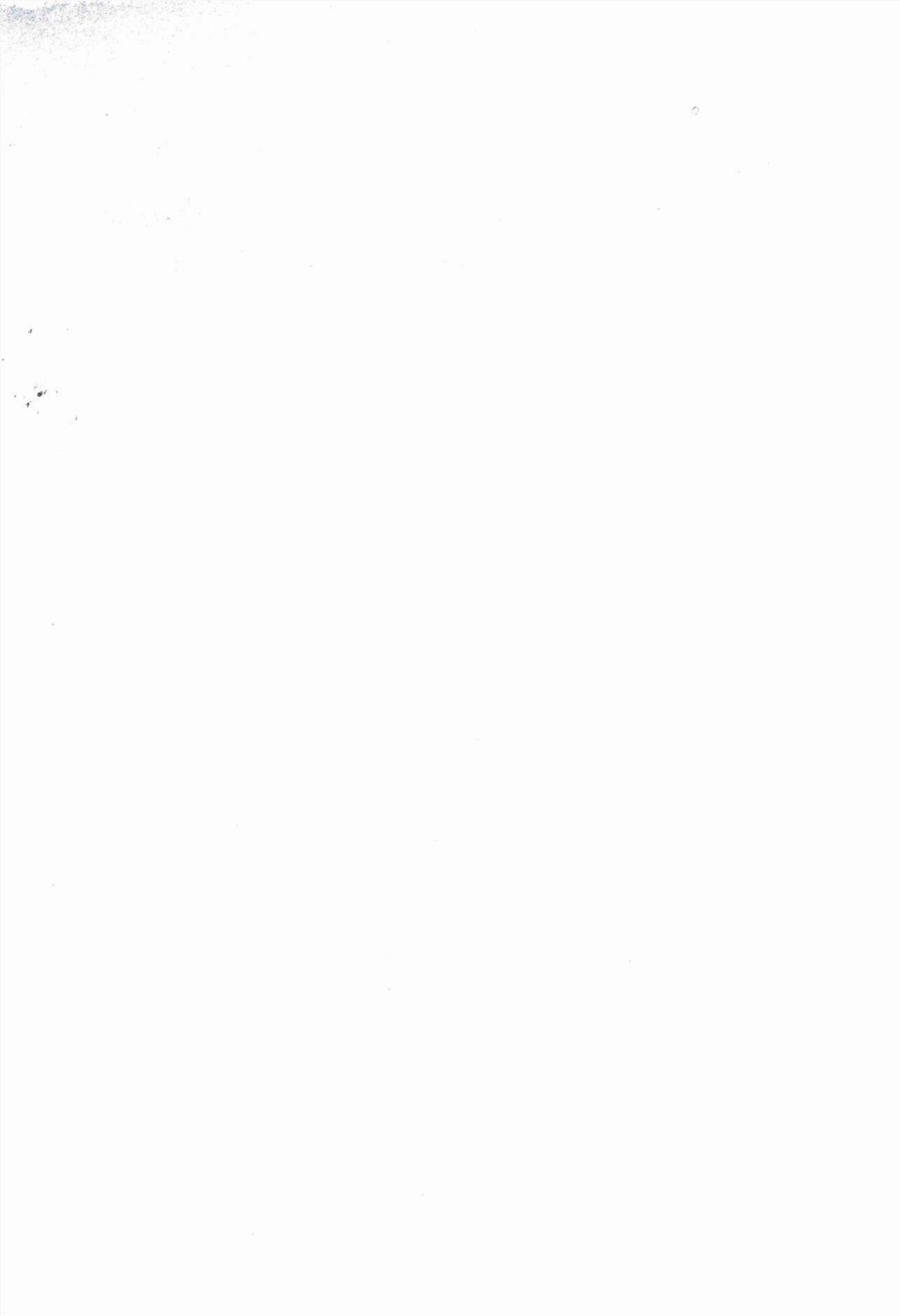
فرماتے ہیں کہ یہ یک طرفہ تملک ہے۔ ابھی اپنا مال اسکے قبضہ میں دیا ہے۔ پھر کبھی اس کا مثل یا منفعت وغیرہ لیں گے۔ لہذا اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ بیع کی تعریف مبادلة مال بمال ہے۔ اور شیخنا نے بیع کی تعریف انشاء تملیک عین بمال کی ہے۔ یہاں کوئی بھی تعریف صادق نہیں آتی۔



# چھٹا درس

لفظ بیع کا چند اور معانی میں استعمال  
تملیک کے ساتھ ساتھ تملک مشتری بھی ضروری ہے  
کیا ایجاب و قبول سے حاصل ہونے والا اثر ہی انتقال ہے  
ایجاب و قبول سے مرکب عقد ہی بیع ہے  
پہلے قول پر اشکال  
دوسرے قول پر اشکال  
تیسرے قول پر اشکال





## چھٹا درس

ثم ان ما ذكرنا، تعريف للبيع المأخوذ في صيغة ((بعت)) وغيره من المشتقات-

ويظهر من بعض من قارب عصرنا استعماله في معان اخر غير ما ذكر: أحدها: التملك المزكور، لكن بشرط تعقبه بتملك المشتري؛ و اليه نظر بعض مشايخنا، حيث أخذ قيد التعقب بالقبول في تعريف البيع المصطلح؛ و لعله لتبادر التملك المقرون بالقبول من اللفظ، بل وصحة السلب عن المجرد؛ و لهذا لا يقال: ((باع فلان ماله)) إلا بعد أن يكون قد اشتراه غيره؛ و يستفاد من قول القائل: ((بعت مالى)) أنه اشتراه غيره، لا أنه أوجب البيع فقط-

الثانى: الأثر الحاصل من الإيجاب و القبول و هو الانتقال؛ كما يظهر من المبسوط وغيره-

الثالث؛ نفس العقد المركب من الإيجاب و القبول؛ و إليه ينظر من عرف البيع بالعقد-

قال: بل الظاهر اتفاقهم على ارادة هذا المعنى فى عناوين ابواب المعاملات حتى الاجارة وشبهها التى ليست هى فى الاصل اسماً لأحد طرفى العقد-

أقول: اما البيع بمعنى الإيجاب المتعقب للقبول، فالظاهر انه ليس مقابلاً



للأول، و إنما هو فرد انصرف إليه اللفظ في مقام قيام القرينة على ارادة الايجاب المثر؛ اذ لا ثمرة في الايجاب المجرد - فقول المخبر: ((بعت)) إنما أراد الايجاب المقيد، فالقيد مستفاد من الخارج، لا أن البيع مستعمل في الايجاب المتعقب للقبول؛ وكذلك لفظ النقل و الإبدال و التملك، و شبهها، مع أنه لم يقل أحد بأن تعقب القبول له دخل في معناها -

نعم تحقق القبول شرط للانتقال في الخارج [في نظر الشارع]، لا في نظر الناقل؛ اذ التأثير لا ينفك عن الأثر، فالبيع و ما يساويه معنى من قبيل الايجاب و الوجوب، لا الكسر و الانكسار، كما تخيله بعض؛ فتأمل - و من يظهر ضعف أخذ القيد المذكور في معنى البيع المصطلح، فضلاً عن أن يجعل احد معانيه -

و أما البيع بمعنى الأثر و هو الانتقال، فلم يوجد في اللغة و لا في العرف، و إنما وقع في تعريف جماعة تبعاً للمبسوط - و قد يوجه: بأن المراد بالبيع المحدود المصدر من المبنى للمفعول، أعني المبيعية؛ و هو تكلف حسن -

و أما البيع بمعنى العقد، فقد صرح الشهيد الثاني (رحمه الله) بأن اطلاقه عليه مجاز؛ لعلاقة السببية -

و الظاهر أن المسبب هو الأثر الحاصل في نظر الشارع؛ لانه المسبب عن العقد، لا النقل الحاصل من فعل الموجب؛ لما عرفت من أنه حاصل بنفس إنشاء الموجب من دون توقف على شيء، كحصول و جوب الضرب في نظر الأمر بمجرد الأمر و إن لم يضر و اجباً في الخارج في نظر غيره - و إلى هذا نظر جميع ما ورد في النصوص و الفتاوى من قولهم: لزم البيع، أو وجب، أو لا يبيع بينهما، أو أقاله في البيع، و



نحو ذلك۔

و الحاصل: أن البيع الذي يجعلون من العقود يراد به النقل بمعنى اسم المصدر، مع اعتبار تحققه في نظر الشارع المتوقف على تحقق الإيجاب و القبول، فإضافة العقد إلى البيع بهذا المعنى ليست بيانية؛ و لذا يقال: ((انعقد البيع))؛ و ((لا ينعقد البيع))۔

## ترجمہ

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اسے جان لینا چاہیے کہ بیع کی تعریف صیغہ بعث اور اس قسم کے دیگر مشتقات سے ماخوذ ہے۔

لیکن ہمارے زمانے کے نزدیک؛ بعض بزرگان نے بیع کو ہمارے معانی کے علاوہ کچھ اور معانی میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً:

(الف) تملیک مذکور، اس شرط کیساتھ کہ اس کے بعد فوراً مشتری کی ملکیت بھی متحقق ہو۔ اور اسی کی طرف ہمارے چند اساتذہ کا میلان بھی ہے۔ کیونکہ انہوں نے بیع کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے ”تعقب بالقبول“ کی قید بھی لگائی ہے۔

شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ لفظ بیع ایسی تملیک کو ذہن میں تبادر کرتا ہے؛ جو قبول کیساتھ مقرون ہو۔ بلکہ حقیقت میں جو تملیک مجرد از قبول ہو تو وہاں بیع؛ صحت سلب کا کہتی ہے۔

لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں نے اپنا مال بیچا ہے۔ مگر اسوقت جب کسی نے مال کو خریدا ہو۔ اسی طرح جب کوئی کہتا ہے کہ میں نے اپنا مال بیچا ہے تو اس سے یہ معنی سمجھا جاتا ہے کہ دوسرے



نے اسے خریدا ہے۔ فقط یہاں بیع کا ایجاب و انشاء نہیں ہے۔

(ب) بیع سے مراد ایسا اثر ہے جو ایجاب و قبول؛ یعنی انتقال سے حاصل ہوا ہو۔ جیسا کہ یہی معنی مبسوط (۱) وغیرہ (کی عبارات) سے ظاہر ہوتا ہے۔

(ج) بیع سے مراد ایسا عقد ہے جو ایجاب و قبول سے مرکب ہو۔ جس نے بھی بیع کی تعریف عقد کیساتھ کی ہے۔ اس نے یہی معنی ذکر کیا ہے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ظاہر اعلیٰ کرام کا ابواب معاملات کے عنوان میں اسی معنی کے ارادہ پر اتفاق ہے۔ حتیٰ کہ اجارہ اور اسکے مشابہہ دیگر عناوین میں بھی یہی معنی مراد لیا ہے حالانکہ اصل میں عقد کی دونوں اطراف میں سے کسی کا بھی یہ نام نہیں ہے۔

ان کے جواب میں مصنف فرماتے ہیں:

جہاں تک بیع سے مراد ”ایسا ایجاب جو معتقب للقبول ہو“ (یعنی اسکے ساتھ ہی قبول بھی ہو) کا تعلق ہے تو ظاہر یہ پہلے معنی کے مقابل نہیں ہے۔ بلکہ یہ پہلے معنی کا ایک فرد ہے کہ لفظ بیع اس سے منصرف ہے جہاں ایجاب مقرر کے ارادے پر قرینہ موجود ہے کیونکہ فقط ایجاب ہو اور قبول نہ ہو اسکا کوئی ثمرہ نہیں ہے۔

لہذا جب مخبر کہتا ہے بعثت تو یہاں اسکی مراد ایجاب مقید ہے۔ (یعنی ایسا ایجاب کہ جسکے ساتھ ہی قبول ہے اور مشتری کی ملکیت کا بھی بتا رہا ہو) لہذا قید قبول مشتری خارج (قرینہ مقامیہ) سے سمجھی جا رہی ہے۔ نہ یہ کہ لفظ بیع ایسے ایجاب میں استعمال ہوا ہے جسکے ساتھ ہی قبول ہے (بلکہ لفظ بیع ایجاب میں استعمال ہوا ہے اور قید قبول مشتری خارج سے آئی ہے) بالکل اسی طرح الفاظ ”نقل“



”ابدال اور تملیک وغیرہ ہیں۔“

ثانیاً: کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ تعقب قبول کی معنی میں کوئی دخالت ہے۔

ہاں۔ اتنا ضرور ہے کہ شارع کی نظر میں خارج میں انتقال کیلئے تحقق قبول شرط ہے (یعنی شارع کی نظر میں بیع مشتری کی طرف منتقل ہونا ضروری ہے نہ ناقل کی نظر میں)۔ کیونکہ تاثیر اثر سے جدا نہیں ہوا کرتی لہذا بیع اور اسکے ہم معنی الفاظ ایجاب و وجوب کے عنوان سے ہیں نہ کہ کسر و انکسار کے عنوان سے ہیں۔

جیسا کہ بعض (۱) علماء کا یہی خیال ہے کہ یہ بعنوان کسر و انکسار ہیں۔ اس سے تعقب قبول کی قید کو اصطلاحی تعریف میں استعمال کرنے کا ضعف واضح ہو گیا چہ جائیکہ ہم اسے بیع کے معانی میں ایک معنی قرار دیں۔

اور جہاں تک بیع ایجاب و قبول (انتقال) سے حاصل ہونے والے اثر کے معنی کا تعلق ہے تو ہم نے تو اسے لغت میں بھی نہیں دیکھا اور عرف میں بھی۔ بہر حال اسے فقط مبسوط (۲) کی اتباع کرنے والی جماعت نے تعاریف میں استعمال کیا ہے۔

البتہ بعض نے (۳) اسکی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ تعریف میں استعمال ہونے والی بیع سے مراد مصدری معنی جو فعل مجہول ”مبیعیت“ کے معنی میں ہے۔ یہ تو جیہہ خلاف ظاہر ہے۔ جہاں

(۱) اس سے مراد اسد اللہ کاظمی التستری ہیں جنہوں نے اپنی کتاب مقابلس الانوار، ابتداء بحث بیع ص ۱۲ اسکا تذکرہ کیا ہے

(۲) مبسوط ج ۲ ص ۷۶

(۳) جواہر الکلام ج ۲۲ ص ۲۰۷



تک بیع بمعنی عقد کا تعلق ہے۔

اسکے متعلق مرحوم شہید ثانی (۱) نے تصریح فرمائی ہے کہ عقد پر بیع کا اطلاق مجاز ہے اور اس کا تعلق سبیت و مسبیت والا ہے۔ (یعنی اسم مسبب کا سبب پر اطلاق کیا ہے) ظاہر اس سبب سے مراد وہ اثر ہے جو شارع کی نظر میں حاصل ہو۔ کیونکہ فقط یہی ہی تو مسبب عقد ہے نہ نقل کہ جو ایجاب کرنے والے کی طرف سے حاصل ہوا ہے۔ (یعنی نقل مذکور سبب عقد نہیں بلکہ شارع کی نظر میں حاصل ہونے والا اثر مسبب عقد ہے)۔

گذشتہ مباحث سے آپ جان چکے ہیں کہ نقل مذکور کسی چیز پر متوقف نہیں ہے بلکہ ایجاب کنندہ کے انشاء سے ہی حاصل ہو جائے گا۔ جیسا کہ اگر کوئی وجوب ضرب کا امر کرے تو مجرد ضرب کیساتھ ہی وجوب ضرب حاصل ہے۔ اگرچہ اس کے علاوہ کسی اور کے خیال میں خارج میں ضرب واجب نہ ہوئی ہو۔ اس باب کے تمام نصوص (۲) اور فتاویٰ بھی اس معنی میں ہیں۔

یعنی فقہاء نے جو فرمایا ہے کہ (الزام البیع) بیع لازم ہے یا (واجب البیع) واجب ہے (لا بیع بینہما) یا ان دونوں کے درمیان بیع نہیں ہے یا اقالہ فی البیع وغیرہ جیسی تمام عبارات میں بھی معنی مذکور ہی مراد و مقصود ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے علماء جس بیع کو عقود سے قرار دیتے ہیں۔ اس میں نقل بہ معنی اسم مصدر ہے۔ لیکن اس شرط کیساتھ کہ شارع کی نظر میں یہ متحقق ہو۔ لہذا قہراً یہ تحقق ایجاب و قبول کے تحقق پر موقوف ہے۔ پس اس معنی کے لحاظ سے عقد کی بیع کی طرف اضافت، اضافت بیانیہ نہیں ہے۔ (اضافہ بیانیہ

(۱) مسالک الافہام ج ۱ ص ۱۶۹

(۲) وسائل ج ۱۲ ص ۳۳۶ باب من ابواب الخیار



بمعنی الذی ہو یا التی ہی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے عقد بیع کا معنی العقد الذی ہو البیع ہوگا جو درست نہیں ہے بلکہ اضافہ سمیت و مسببیت والا ہے (لہذا اسی وجہ سے علماء اعلام انعقد البیع اور ولا ینعقد البیع کہتے ہیں۔

## حل عبارات

قولہ: من المشتقات: جیسے بائع و بیع

قولہ: و ینظر من بعض من قارب عصرنا: مرحوم شیخ اسد اللہ تستری صاحب

مقابیس مراد ہیں۔

قولہ: استعمالہ فی معان اخری: استعمالہ؛ کی ضمیر بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: التملیک المذکور: یعنی التملیک بالعوض

قولہ: و لعلہ:؛ اخذ قید تعقب بالقبول؛ ضمیر منصوبی؛ اخذ قید تعقب

بالقبول؛ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: من اللفظ: یعنی من لفظ البیع

قولہ: و صحۃ السلب عن المجرد: یعنی صحۃ سلب البیع عن التملیک

المجرد عن التملک

قولہ: و لهذا لا یقال الخ: مثلاً الیہ؛ ہذا؛ اشتراط تعقب تملیک بہ تملک ہے

قولہ: قد اشتراہ غیرہ: اشتراہ میں ضمیر منصوبی مال کی طرف اور؛ غیرہ؛ میں ضمیر مجروری

فلان کی طرف لوٹ رہی ہے



قولہ: انہ اشتراہ غیرہ: ؛ انہ؛ کی ضمیر بمعنای؛ شان؛ ہے  
 قولہ: لا انہ اوجب البیع فقط: ؛ انہ؛ اور؛ اوجب؛ کی ضمیر القائل کی طرف لوٹ رہی

ہے۔

قولہ: قال: بل الظاهر: ؛ قال؛ کی ضمیر بعض من قارب عصرنا کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: فالظاهر انہ لیس مقابلاً للاول: ؛ انہ؛ کی ضمیر؛ بیع بمعنای ایجاب متعقب  
 للقبول؛ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور؛ اول؛ سے مراد بیع کی انشاء تملیک عین بمال سے تعریف کرنا

ہے۔

قولہ: انصرف الیہ اللفظ: یعنی لفظ بیع

قولہ: فی الایجاب المجرد: یعنی مجرد از تعقب قبول

قولہ: الایجاب المقید: یعنی مقید بہ تعقب قبول

قولہ: مستفاد من الخارج: ؛ خارج؛ سے مراد قرینہ ہے۔

قولہ: مع انہ لم یقل احد الخ: ؛ انہ؛ کی ضمیر بمعنای؛ شان؛ ہے۔

قولہ: بان تعقب القبول له دخل فی معناها: ؛ معناہا؛ کی ضمیر الفاظ مذکور کی طرف

لوٹ رہی ہے۔

قولہ: کما تخیلہ بعض: ؛ تخیلہ؛ میں ضمیر منصوبی کونہ من قبیل الکسر والاکسار کی طرف

لوٹ رہی ہے۔

قولہ: وقد یوجہ: ضمیر نائب فاعلی بیع بمعنای اثر کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: اطلاقہ علیہ مجاز: ؛ اطلاقہ؛ کی ضمیر بیع اور؛ علیہ؛ کی ضمیر عقد کی طرف لوٹ رہی

ہے۔



قولہ: لانه المسبب عن العقد: لانہ؛ کی ضمیر اثر کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: من انه حاصل بنفس انشاء الموجب: انہ؛ کی ضمیر نقل کی طرف لوٹ رہی  
 ہے۔

قولہ: و ان لم یصر واجباً؛ لم یصر؛ میں موجود ضمیر ضرب کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: فی نظر غیرہ: یعنی غیر آمر

قولہ: و الی هذا نظر الخ: مثلاً الیہ؛ ہذا؛ شارع کی نظر میں حاصل ہونے والے اثر کی  
 طرف ہے۔

## وضاحت

### لفظ بیع کا چند اور معانی میں استعمال:

اب فرماتے ہیں کہ لفظ بیع اور اسکے مشتقات کی بحث تو ہوگئی ہے۔ لیکن بعض علماء کرام نے  
 کچھ اور چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ انکا تذکرہ بھی کریں۔  
**تملیک کیساتھ ساتھ تملک بھی ضروری ہے۔**

(۱) مثلاً شیخ کبیر کاشف الغطاء کا فرمان ہے کہ بیع التملیک ہے۔ یعنی انشاء  
 تملیک عین بمال۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے بعد تعقباً تملک مشتری بھی ہو۔ اس تعریف کو  
 صاحب جواہر شیخ حسن نے بھی پسند فرمایا ہے کہ تعقب قبول کی شرط بھی اسمیں ہونی چاہیے۔ اور بیع  
 تب ہوگی جب تعقب قبول بھی اسمیں ہو۔ صرف بعت سے بیع نہیں ہوتی۔ اور بیع سے عرفاً بھی یہی  
 سمجھا جاتا ہے کہ ایک نے بیچا ہے اور ایک نے خریدا ہے۔



کیا ایجاب و قبول میں حاصل ہونے والا اثر ہی انتقال ہے۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ اصل تملیک ہے الاثر۔ یعنی وہ اثر جو ایجاب و قبول سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی بعث اور اشتریت کا اثر انتقال ہے۔ اور اسکا نام بیع ہے۔ یہ قول صاحب مبسوط شیخ الطائفہ علیہ الرحمۃ کا ہے۔

ایجاب و قبول سے مرکب عقد ہی بیع ہے۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ جب ایجاب و قبول اکٹھے ہو جائیں تو اسکا نام عقد ہے۔ تو بیع اور تملیک حقیقت میں عقد ہے جو کہ ایجاب و قبول (دونوں سے) مرکب ہے۔ کیونکہ بعض الفاظ فقط ایک طرف کو بتاتے ہیں۔ مثلاً بیع سے مراد فقط بیچنا ہے۔ اور بعض الفاظ طرفین کو بتاتے ہیں۔ مثلاً شرکت، مضارعت۔ بہتر یہ کہ کوئی ایسا لفظ ہو جو دونوں طرفوں کو بتائے۔ لہذا لفظ عقد لانا چاہئے تاکہ بیع اور شراء دونوں آجائیں۔ اسکا نام العقد ہونا چاہیے۔

### پہلے قول پر اشکال

جواب میں فرماتے ہیں کہ پہلا قول ہمارے قول کے مخالف نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ انشاء تملیک عین بالمال تو تملیک کے ضمن میں تملک بھی آجاتا ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ قول ہمارے قول کے مقابل ہے۔ بلکہ وہ بھی اسی کا ہی ایک فرد ہے۔ وہاں قرینہ تھا۔ اور یہاں صراحت ہے۔ کیونکہ تملیک میں ایجاب ہوتا ہے۔ اور ایجاب تب بنتا ہے جب وہ ثمن ہو۔ اور مقابلہ میں قبول ہو۔ اور یہی ایجاب مشمر ہے۔ جیسے نقل و انتقال، اور ابدال و تبدیل سے دونوں طرفیں سمجھی جاتی ہیں۔ اس طرح تملیک سے بھی دونوں طرفیں سمجھی جاتی ہیں۔ لہذا تعقب بالقبول کو علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی آج تک کوئی اس (تعقب بالقبول) کا قائل ہوا ہے۔



## دوسرے قول پر اشکال

دوسرا کہا تھا کہ بیع مؤثر ہے۔ اور مؤثر اپنے اثر سے جدا نہیں ہوتا۔ لہذا اس کا اثر خود بخود قبول ہے۔ مثلاً علیحدہ کوئی چیز بنائیں تو اسمیں کسر وانکسار ہوتا ہے۔ جیسے شکنجہ تیار کی جاتی ہے۔ اسمیں مختلف اثرات سے مل کر ایک نیا اثر پیدا ہوتا ہے۔ لفظ بیع بھی کسر وانکسار کی طرح ہے۔ اسمیں بھی ایجاب و قبول دونوں پائے جاتے ہیں۔ لہذا تعقب قبول تعریف کا جزء نہیں ہے۔

یہ کہنا کہ بیع کا اثر انتقال ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ لغت اور عرف میں آج تک کسی نے بیع کا معنی انتقال نہیں کیا۔ البتہ صاحب مبسوط نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ بیع سے مراد بیع محدود ہے۔ اور محدود مصدر ہے۔ اور مصدر کبھی فاعل اور کبھی مفعول کے معنی میں ہوتا ہے۔ اگر فاعل کے معنی میں ہو تو بایغیث ہوگا اور مفعول ہو تو بیع بمعنی مبیعت ہوگا۔ لہذا مصدر بمعنی مفعول لیں تا کہ کچھ سمجھا جاسکے کہ کچھ دیا اور کچھ لیا گیا ہے۔

جواب میں فرماتے ہیں کہ آپ کی بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ تکلف ہے۔ اور اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ ہر شخص جانتا ہے کہ بیع کیا ہوگی۔

## تیسرے قول پر اشکال

تیسرا بیع بمعنی عقد کہا تھا۔ یعنی ایجاب و قبول دونوں سے مرکب ہیں۔

شہید ثانی فرماتے ہیں کہ بیع اور عقد میں علاقہ پایا جاتا ہے۔ اور اس علاقہ کا نام سبیت و مسبیت ہے۔ یعنی عقد سبب ہوگا۔ اور بیع مسبب ہوگی۔ اور بعث اور اشیریت سے عقد ہو جائے گا۔ اور اس عقد کا نتیجہ نکلے گا کہ بیع ہوگی ہے۔ اور نصوص و فتاویٰ بھی اسکی طرف رجحان رکھتی ہیں۔ مثلاً لازم البیع اور واجب البیع کا معنی یہ ہے کہ آپ نے بیع و اشراء کا عقد جاری کیا ہے۔ لہذا اب بیع لازم ہوگی ہے۔



کیا عقد سے مراد نقل ہے؟ نقل بھی اسم مصدر کی طرح کا۔ جیسے غسل غسل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نتیجہ غسل بنتا ہے۔ یعنی حاصل مصدر۔

آیا نقل بھی اس طرح ہوگا۔ جب آپ عقد الیچ کہیں گے تو ہم اس اضافت کو اضافت لامیہ قرار دیں گے۔ عقد جو بیع کیلئے ہوا ہے۔ یعنی عقد سبب اور بیع و مسبب بن جائیں گے۔ اسکو آپ اضافت بیانیہ نہ بنائیں۔ یعنی عقد کو بیع کے مترادف نہ بنائیں۔ وگرنہ عقد، بیع کے مترادف ہو جائے گا۔

لہذا ہماری تعریف انشاء تملیک عین بمال ہر لحاظ سے درست ہے۔ فقط فرق اتنا ہے کہ کاشف الغطاء نے اسکی تصریح کی ہے۔ اور ہم نے اشارہ کیا ہے۔ لہذا تعریف وہی درست ہے، جو ہم نے کی ہے۔ یعنی انشاء تملیک عین بمال۔

# ساتواں درس

آیا بیع اور اس جیسے دوسرے عقود کا اطلاق صرف صحیح پر ہوتا ہے

مختار فقہین

مختار فقہین پر اشکال

مختار فقہین کی توجیہ

اطلاق اولہ سے متمسک ہونے کی وجہ





## سأ توال درس

ثم إنَّ الشهيد الثاني نص في كتاب اليمين من المسالك على أن عقد البيع وغيره من العقود حقيقة في الصحيح، مجاز في الفاسد؛ لوجود خواص الحقيقة والمجاز، كالتبادر و صحّة السلب - قال: و من ثمَّ حمل الاقرار به عليه، حتى لو ادعى إرادة الفاسد لم يسمع اجماعاً و لو كان مشتركاً بين الصحيح و الفاسد لقبل تفسيره بأحدهما كغيره من الالفاظ المشتركة، و انقسامه الى الصحيح و الفاسد أعم من الحقيقة؛ انتهى- و قال الشهيد الأول في قواعد: الماهيات الجعليّة كالصلاة و الصوم و سائر العقود لا تطلق على الفاسد الا الحج؛ لو جوب المضى فيه؛ انتهى- و ظاهره إرادة الاطلاق الحقيقي- و يشكل ما ذكره: بأن و وضعها للصحيح يو جب عدم جواز التمسك بإطلاق نحو: (أحل الله البيع) و إطلاقات أدلة سائر العقود في مقام الشك في اعتبار شئ فيها، مع أن سيرة علماء الاسلام التمسك بها في هذه المقامات- نعم يمكن أن يقال: إن البيع و شبهه في العرف إذا استعمل في الحاصل من المصدر الذي يراد من قول القائل: ((بعث)) عند الانشاء، لا يستعمل حقيقة الا فيما كان صحيحاً مؤثراً و لو في نظرهم، ثم إذا كان مؤثراً في نظر الشارع كان بيعاً عنده، و إلا كان صورة بيع، نظير بيع الهازل عند العرف-

فالبيع الذي يراد منه ما حصل عقيب قول القائل: "بعث" عند العرف و الشرع



حقیقۃً فی الصحیح المفید للأثر، و مجاز فی غیرہ، الا ان الافادۃ و ثبوت الفائدہ مختلف فی نظر العرف و الشرع۔ و أما وجه تمسک العلماء بـ اطلاق أدلة البیع و نحو ہا: فلأن الخطابات لما وردت علی طبق العرف، حمل لفظ ((البیع)) و شبہہ فی الخطابات الشرعیۃ علی ما هو الصحیح المؤثر عند العرف، أو علی المصدر الذی یراد من لفظ ((بعث)) فیستدل باطلاق الحکم بحلہ أو بوجوب الوفاء علی کونہ مؤثراً فی نظر الشارع أيضاً۔ فتأمل، فإن للكلام محلاً آخر۔

## ترجمہ

مرحوم شہید ثانیؒ نے اپنی مسالک (۱) کی کتاب یمین میں صراحت کیساتھ کہا ہے کہ بیع اور دوسرے عقود صحیح میں حقیقت ہیں اور فاسد میں مجاز۔ کیونکہ حقیقت و مجاز کی خصوصیات (مثل تبادلہ و صحت سلب) صحیح اور فاسد میں موجود ہیں۔ اور اس لحاظ سے کہ بیع صحیح میں ہی حقیقت ہے۔ اگر کوئی شخص بیع کا اقرار کرے تو اس کا کلام بیع صحیح پر حمل ہوگا۔ حتیٰ کہ وہ یہ ادعا کرے کہ اس نے بیع سے فاسد کا قصد کیا تھا تب بھی اسکی بات قابل قبول نہ ہوگی اور اس کی بات کے قبول نہ ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔

اور اگر بیع مشترک بین صحیح و فاسد ہو اور اسکی تفسیر صحیح و فاسد میں سے ہر ایک کیساتھ ہو سکتی ہو تو یہ بھی قابل قبول ہے جیسا کہ تمام الفاظ مشترک کا یہی حکم ہے۔ اور بیع کا صحیح اور فاسد میں تقسیم ہونا حقیقت سے اعم ہے۔ (یعنی اگر فقط حقیقت کو شامل ہو تو پھر مذکور تقسیم ممکن ہی نہیں بلکہ اعم ہے حقیقت



اور مجاز دونوں کو شامل ہے)۔ (یہاں تک مرحوم شہید ثانیؒ کا کلام تھا)۔

شہید اولؒ اپنی کتاب قواعد (۱) میں فرماتے ہیں، شارع کی طرف سے ابداع و اختراع ہونے والی چیزوں (جیسے نماز روزہ اور دوسرے عقود ہیں) پر فاسد کا اطلاق نہیں ہوتا۔ فقط حج پر فاسد کا اطلاق ہوتا ہے۔ کیونکہ حج فاسد کو مکمل طور پر ادا کرنا ضروری ہے۔ ظاہر شہید اولؒ کی مراد یہ ہے کہ اطلاق حج پر فاسد کا اطلاق، حقیقی ہے۔

شہید اولؒ و ثانیؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ محل اشکال ہے اگر الفاظ شرعی فقط صحیح کیلئے وضع ہوئے ہیں تو یہ اس بات کا موجب ہوگا کہ (جب بیع میں کسی چیز کی شرطیت کے متعلق شک ہو تو) **أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ (۲)** کے اطلاق سے تمسک کرنا جائز ہے۔

نیز دوسرے عقود (۳) کی ادلہ سے بھی تمسک ہونا جائز قرار پائے گا جب ہمیں کسی چیز کے (ان عقود میں) معتبر ہونے میں شک ہو۔ حالانکہ علماء اسلام کی سیرت بتاتی ہے کہ وہ ان جگہوں پر اطلاق ادلہ سے تمسک کرتے رہے ہیں۔

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیع اور اس طرح کے دوسرے عقود بھی مصدر سے حاصل ہونے والے اثر میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور اس وقت کہنے والا مقام انشاء میں ہوتے ہوئے کلمہ بعث استعمال کر رہا ہوتا ہے۔ اس وقت عرف میں لفظ بیع وغیرہ فقط مؤثر و صحیح کے عنوان سے حقیقت کے طور پر ہی استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ تنہا عرف کی نظر میں یہ معاملہ صحیح شمار ہو رہا ہو۔ اور اگر شارع کی نظر میں

(۱) القواعد والفوائد ج ۱ ص ۱۵۹ فائدہ نمبر ۲

(۲) بقرہ: ۲۷۵

(۳) مانند المسلمون عند شروطهم الوافی جلد ۱ ص ۶۷



بھی یہ معاملہ مؤثر اور صحیح ہو، تو اس کے نزدیک بھی بیع ہی شمار ہوگا۔

اور اگر ایسا نہ ہو تو بیع کی شکل تو ہوگی، حقیقی بیع نہ ہوگی۔ جیسا کہ ہازل (بیوقوف) کی بیع عرف میں بیع کی شکل ہے، حقیقی بیع نہیں ہے۔ لہذا وہ بیع جس سے مراد وہ اثر جو بعت کہنے کیساتھ ہی حاصل ہو جائے وہ عرف اور شرع میں صحیح کی صورت میں حقیقت بھی ہے اور مفید اثر بھی۔ اور فاسد میں مجاز ہے۔ مگر فائدہ دینا اور ثبوت فائدہ عرف اور شرع کی نظر میں مختلف ہیں۔

جہاں تک علماء کا مورد شک میں اطلاق ادلہ بیع وغیرہ سے تمسک کرنے کا تعلق ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جب خطابات فہم عرف کے مطابق ہوں تو ضروری ہے کہ لفظ بیع اور اسکے مشابہہ دوسرے الفاظ کو عرف کے نزدیک صحیح اور امر مؤثر پر حمل کیا جائے گا۔

یا اس مصدر پر حمل کیا جائے گا جسکا لفظ بعت سے ارادہ کیا گیا ہے۔ لہذا اطلاق حکم حلیت اور وجوب وفا سے نظر شارع میں مؤثر ہونے کا استدلال کیا جاسکتا ہے۔ (احل اللہ البیع میں حلیت بیع کا حکم ہے اور او فوا بالعقود میں وجوب وفا کا حکم ہے یہ دونوں مطلق ہیں۔ ان دونوں کے اطلاق سے شارع کے نزدیک بیع کے مؤثر ہونے کا استدلال کرتے ہیں)۔

## حل عبارات

قولہ: و من ثم حمل الاقرار به عليه: کلمہ؛ ثم؛ کا مشاڑ الیہ صحیح میں عقود کا حقیقت ہونا ہے۔ اور؛ بہ؛ کی ضمیر بیع کی طرف جبکہ؛ علیہ؛ کی ضمیر صحیح کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: کغیرہ من الالفاظ المشتركة:؛ کغیرہ؛ کی ضمیر بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و انقسامه الخ: یہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے اور سوال یہ ہے کہ اگر بیع صحیح



میں ہی حقیقت رکھتی ہے تو فقہاء یہ کیوں کہتے ہیں کہ بیع کی دو قسمیں ہیں: صحیح اور فاسد۔  
 قولہ: بان وضعها للصحيح:؛ وضعها؛ کی ضمیر الفاظ عقود کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: کان بیعاً عندہ: یعنی عند الشارع  
 قولہ: فالبيع الذي يراد منه: کلمہ؛ البيع؛ مبتداء ہے اور اسکی خبر؛ حقيقة في  
 الصحيح المفيد للاثر؛ ہے اور؛ منه؛ کی ضمیر؛ بیع؛ کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: عند العرف و الشرع: کلمہ؛ عند؛ ظرف ہے اور؛ حقيقة؛ کے متعلق ہے۔

## وضاحت

آیا بیع اور اس جیسے دوسرے عقود کا اطلاق صرف صحیح پر ہوتا ہے۔

شہید ثانی "مسائلک کی کتاب الیمین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عقد بیع، اجارہ اور ان جیسے  
 جتنے عقود کا جب بھی اطلاق مراد ہوگا تو حقیقتاً صحیح میں ہوگا۔ اور اگر فساد پر انکا اطلاق ہوتا ہے تو وہ مجاز  
 ہوگا۔ اور ہم اسی کو بیع کہیں گے جو صحیح اور مؤثر ہوگی۔ اگر فاسد ہے اس کو بیع کہنا مجاز ہوگا۔

مختار شہیدین

پہلی دلیل

اسکی دلیل یہ ہے کہ جب لفظ بیع بولا جائے تو اس سے بیع صحیح کا تبادلہ ہوتا ہے۔ اور تبادلہ  
 حقیقت کی علامت ہے۔ بیع فاسد کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ بیع نہیں ہے۔ یعنی صحت سلب اس بات کی  
 علامت ہوگی کہ بیع فاسد میں صحت سلب کا ہونا بتا رہا ہے کہ فاسد پر اسکا اطلاق مجاز ہے۔

دوسری دلیل



اگر ایک آدمی اقرار کرتا ہے کہ میں نے فلان بیع کی ہے۔ اسکو بیع کو صحیح پر حمل کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ کہتا رہے کہ میری مراد بیع فاسد تھی۔ اس کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اقرار کو بیع صحیح پر حمل کرنا یہ دلیل ہوگی کہ لفظ بیع جب بھی استعمال ہوگا تو وہ صحیح میں حقیقت ہوگا۔

### مختار شہید پر اشکال

کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم بیع کی دو قسمیں کر دیں۔

(۱) بیع صحیح (۲) بیع فاسد۔

اور ہم یہ کہیں کہ لفظ بیع دونوں کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ یعنی صحیح کیلئے بھی اور فاسد کیلئے بھی۔ فرماتے ہیں کہ بیع اگر دونوں کیلئے وضع ہوتا (یعنی صحیح اور فاسد) تو اقرار کرنے والا اقرار کر رہا ہے کہ میں نے بیع کی ہے اور آپ اسکو صحیح پر حمل کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ کہے کہ میری مراد بیع فاسد تھی۔ تب بھی انکار نہیں کر سکتے۔ لہذا یہ دلیل ہے کہ لفظ بیع فقط صحیح کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ فاسد کیلئے نہیں۔

کوئی شخص ان قلت کرتا ہے کہ استعمال تو دونوں میں ہوتا ہے۔ ہم کہیں گے کہ استعمال عام ہے۔ یہ حقیقت بھی ہو سکتا ہے اور مجاز بھی۔ لہذا صحیح کو حقیقت پر اور فاسد کو مجاز پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

شہید اول اپنی کتاب قواعد میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ماہیات اعتباریہ جعلیہ جیسے مثلاً نماز، روزہ وغیرہ کو شریعت نے وضع کیا ہے۔ یا جتنے عقود ہیں۔ مثلاً بیع، اجارہ، نکاح وغیرہ۔ یہ بھی اور ماہیات اعتباریہ جعلیہ بھی، انکا اطلاق فاسد پر نہیں ہوتا۔ جب بھی بولے جائیں انکا اطلاق صحیح پر ہوتا ہے۔ **إلا الحج.**

ہاں اگر حج فاسد ہو تب بھی اسکو حج کہتے ہیں۔ حج میں کسی قسم کی غلطی ہو جائے تب بھی



شریعت کہتی ہے کہ اسکو جاری رکھیں اور مکمل کریں۔ غلطیوں کے کفارے ہیں۔ حج کا اطلاق صحیح و فاسد دونوں پر ہوتا ہے۔ جبکہ دیگر عقود میں فقط صحیح پر ہوگا۔

### مختار شہید کی توجیہ

شیخ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ ظاہر شہید اول صاحب کی مراد یہ ہے کہ علی نحو الحقیقت۔ اگر آپ اطلاق کر رہے ہیں تو اطلاق سے مراد صحیح ہوگا۔ کیونکہ جہاں تک علی نحو المجاز کا تعلق ہے۔ وہ فاسد پر بھی ہو سکتا ہے۔ گویا دونوں (شہیدان) کا مسلک یہ ہے کہ صحیح میں حقیقت ہوگا اور فاسد میں مجاز ہوگا۔

### اطلاق اولہ سے متمسک ہونے کی وجہ

دونوں بزرگوں کے فرمان پر اشکال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی بیع آپکے سامنے ہو اور آپ کو شک ہو جائے کہ یہ صحیح ہے۔ یا صحیح نہیں تو اسوقت آپ عموماً کی طرف رجوع کریں گے۔ احل اللہ البیع کہے گا کہ صحیح ہے۔ اگر یہ ناجائز ہوتی تو علیحدہ حکم آنا چاہیے تھا۔ لیکن شریعت کی طرف علیحدہ حکم نہیں آیا ہے۔ لہذا بیع صحیح ہے۔ کیونکہ احل اللہ البیع یعنی احل اللہ کل بیع الا ما خرج بدلیل۔ موجود ہے۔

لہذا جب بھی کسی جگہ کوئی شک ہوگا تو آپ احل اللہ البیع سے متمسک کر سکتے ہیں۔ اسی طرح باقی عقود ہیں۔ مزید یہ کہ اوفوا بالعقود بھی کہے گا کہ عقد صحیح ہوا ہے۔ لہذا جب بھی شک ہو تو عموماً احل اللہ البیع اور اوفوا بالعقود سے متمسک کیا جاسکتا ہے۔

اے بزرگوار شہیدان جب آپ کہتے ہیں کہ یہ صحیح میں حقیقت ہے۔ اور جب بھی بولا جائے گا تو اس سے مراد صحیح ہوگی۔ اب اگر ہمیں شک ہو کہ فلان چیز اسکی جز ہے یا نہیں جب تک وہ جز محرز نہیں ہوگی اسوقت تک صحیح نہیں ہوگا۔ اور ایسی صورت میں آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ احل اللہ



البيع اور اوفوا بالعقود کی طرف رجوع کریں۔ حالانکہ تمام علماء ہمیشہ ان تمام مقامات میں عموماً اور اوفوا کیساتھ تمسک کرتے ہیں۔ گویا آپ اگر اسکو صحیح سمجھتے ہیں تو صحیح ثابت کرنا ہوگا۔ جب بھی شک ہوگا کہ یہ اسکی جز ہے یا نہیں۔ جب تک یہ جز محرز نہیں ہوگی۔ اسوقت صحیح نہیں ہو سکتا۔ فرماتے ہیں عرف میں جیسے بیع کہتے ہیں وہی بیع ہوگی۔ جب اسکا استعمال ہوگا تو کم از کم کہیں گے کہ یہ عرفاً بیع ہے۔ اب شک ہے کہ شارع کے نزدیک یہ بیع ہے یا نہیں ہے تو شارع کی اپنی حدود و قیود ہوتی ہیں۔ اگر بیع شارع کے نزدیک مؤثر ہو جائے تو بیع ہوگی۔ اور اگر مؤثر نہ ہو مثلاً مذاق میں بیع کی ہے۔ شارع اسکو بیع مؤثر نہیں سمجھتا تو بیع نہیں ہوگی۔ بہر حال چونکہ ہم جو تمسک کر رہے ہیں عرف کو مد نظر رکھ کر رہے ہیں۔ عرف تو بیع کہتا ہے۔ لہذا احل اللہ البيع سے تمسک کر سکتے ہیں۔

گویا صحیح و فاسد کے چکر میں نہ پڑیں۔ ہم اسکو بیع کہتے ہیں جو بیع صحیح ہے۔ لیکن عند العرف صحیح ہو، تب بھی اسکو بیع کہیں گے۔ بعد میں دیکھیں گے کہ شارع اسکو بیع سمجھتا ہے یا نہیں۔ البتہ مطمع نظر میں اختلاف ہے۔ عرف کسی اور عنوان سے بیع سمجھے گا۔ اور صحیح سمجھے گا۔ اور ہم احل اللہ البيع سے تمسک کر سکتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اطلاق بیع سے جو ہم تمسک کرتے ہیں اسکی وجہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں اسکی وجہ دو چیزیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) عرف

(۲) جب کہا جا رہا ہے بیع، تو مراد یہ ہے کہ عقد ہو جا چکا ہے۔ ایجاب و قبول ہو چکا ہے۔ تو

اوفوا بالعقود کہے گا کہ اس عقد کو پورا کریں۔

# آٹھواں درس

معاطات کی حقیقت

اقسام معاطات

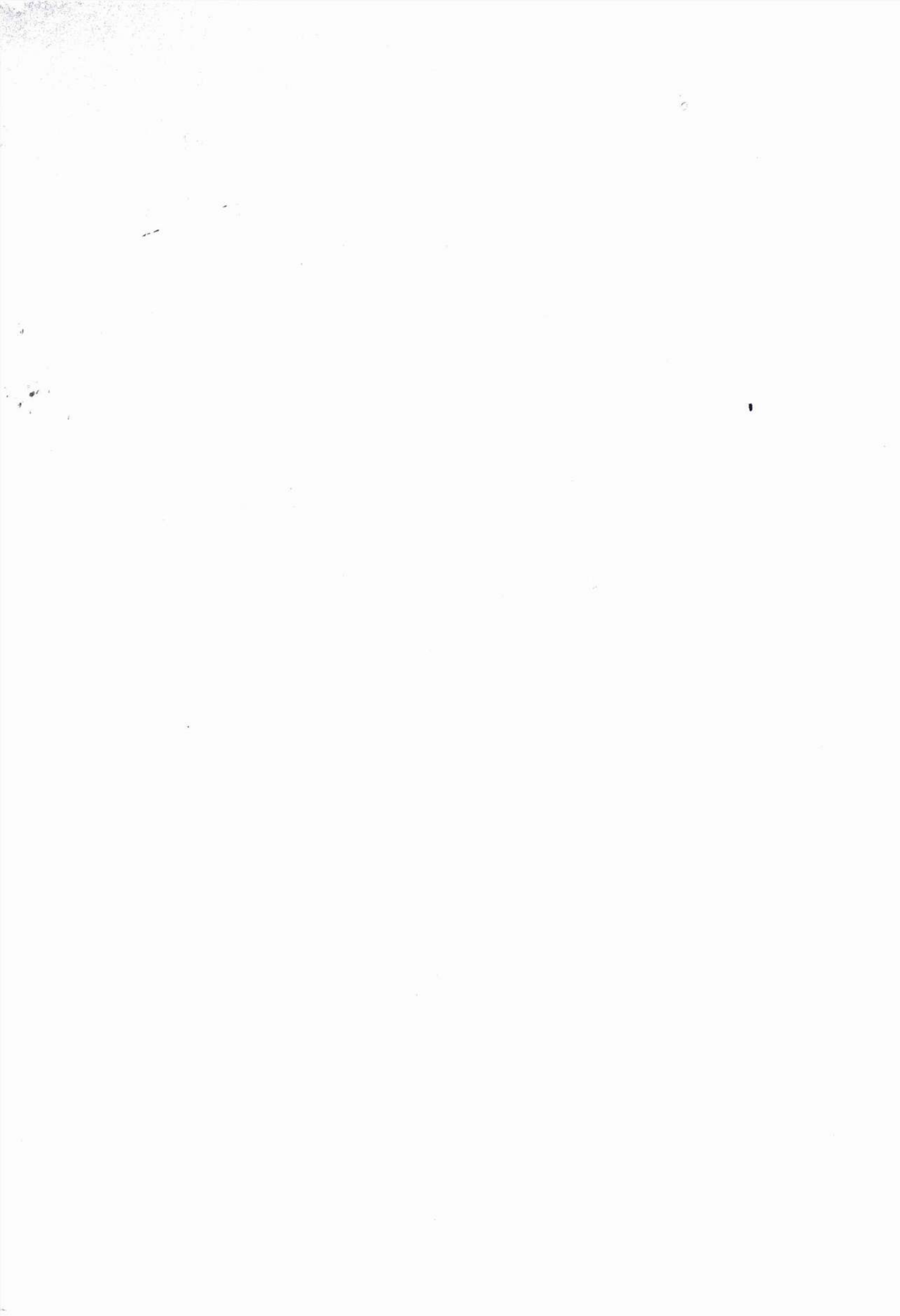
حکم معاطات

معاطات میں محل نزاع کیا ہے؟

محقق کر کی اور صاحب جواہر

ان نظریات پر اشکالات





# آهوااا درس

## بيع معاطات

الكلام فى المعاطاة -

اعلم أن المعاطاة على ما فسرہ جماعة: أن يعطى كل من اثنين عوضاً عما يأخذه من الآخر؛ وهو يتصور على وجهين: أحدهما: أن يبيع كل منهما للآخر التصرف فيما يعطيه، من دون نظرٍ إلى تملكه - الثانى: أن يتعاطيا على وجه التملك - وربما يذكر وجهان آخران: أحدهما: أن يقع النقل من غير قصد البيع ولا تصريح بالإباحة المزبورة، بل يعطى شيئاً ليتناول شيئاً فدفعه الآخر إليه؛ الثانى: أن يقصد الملك المطلق، دون خصوص البيع -

و يردّ الاوّل: بما متناع خلو الدافع عن قصد عنوانٍ من عناوين البيع أو الإباحة أو العارية أو الوديعة أو القرض، أو غير ذلك من العنوانات الخاصة؛ والثانى: بما تقدم فى تعريف البيع: من أن التملك با لعوض على وجه المبادلة هو مفهوم البيع، لا غير - نعم يظهر من غير واحدٍ منهم فى بعض العقود - كبيع لبن الشاة مدّة، وغير ذلك - كون التملك المطلق أعم من البيع - ثم ان المعروف بين علمائنا فى



حكمها: أنها مفيدة لباحة التصرف، ويحصل الملك بتلف إحدى العينين. و عن المفيد و بعض العامة: القول بكونها لازمة كالبيع. و عن العلامة (رحمه الله) في النهاية: احتمال كونها بيعاً فاسداً في عدم افادتها لباحة التصرف.

و لا بد أولاً من ملاحظة أن النزاع في المعاطاة المقصود بها لباحة، أو في المقصود بها التملك؟ الظاهر من الخاصة و العامة، هو المعنى الثاني. و حيث إن الحكم بالباحة بدون الملك قبل التلف و حصوله بعده لا يجمع ظاهراً قصد التملك من المتعاطين، نزل المحقق الكركي لباحة في كلامهم على الملك الجائز المتزلزل، و أنه يلزم بذهاب إحدى العينين؛ و حقق ذلك في شرحه على القواعد و تعليقه على الارشاد بما لا مزيد عليه.

لكن بعض المعاصرين لما استبعد هذا الوجه، التجأ إلى جعل محل النزاع هي المعاطاة المقصود بها مجرد لباحة، و رجح بقاء لباحة في كلامهم على ظاهرها المقابل للملك، و نزل مورد حكم قدماء الأصحاب بالباحة على هذا الوجه، و طعن على من جعل محل النزاع في المعاطاة بقصد التملك، قائلاً: إن القول بالباحة الخالية عن الملك مع قصد الملك مما لا ينسب إلى أصغر الطلبة، فضلاً عن أعظم الأصحاب و كبرائهم.

و الانصاف: أن ما ارتكبه المحقق الثاني في توجيه لباحة بالملك المتزلزل، بعيد في الغاية عن مساق كلمات الأصحاب، مثل: الشيخ في المبسوط و الخلاف و الحلبي في السرائر، و ابن زهرة في الغنية، و الحلبي في الكافي، و العلامة في التذكرة و غيرها، بل كلمات بعضهم صريحة في عدم الملك كما ستعرف، إلا أن



جعل محل النزاع ما إذا قصد الإباحة دون التملك أبعد منه، بل لا يكاد يوجد في كلام أحد منهم ما يقبل الحمل على هذا المعنى و لننقل - أولاً كلمات جماعة ممن ظفروا على كلما تهم، ليظهر منه بعد تنزيل الإباحة على الملك المتزلزل كما صنعه المحقق الكركي، و أبعدية جعل محل الكلام في كلمات قد ما ثنا الأعلام ما لو قصد المتعاطيان مجرد إباحة التصرفات دون التملك -

## ترجمہ

فقہاء کی ایک جماعت (۱) کی وضاحت کے مطابق معاطات سے مراد یہ ہے کہ طرفین میں سے ہر ایک اسکا عوض دیں، جو اس نے دوسرے سے لیا ہے۔ اسکا تصور دو طرح سے ہو سکتا ہے (الف) ان میں سے ہر کوئی ایک دوسرے کو دی گئی چیز میں، تصرف کو مباح قرار دے۔ اور تملیک مد نظر نہ ہو۔

(ب) تملیک کے قصد سے ایک دوسرے کو دیں اور لیں۔

معاطات کی دو اور صورتیں بھی بیان ہوئی ہیں (۲):

(الف) قصد بیع کے بغیر ہی نقل و انتقال واقع ہوا ہو۔ اسمیں اباحت مذکورہ کی تصریح بھی نہ

کی گئی ہو۔ بلکہ ایک نے چیز اسلیئے دی ہے کہ اسنے بھی چیز ملے گی۔ اور دوسرے نے اسے (مقابل میں) چیز دے دی ہے۔

(۱) شرح لمعہ ج ۱ ص ۲۳۴، ریاض المسائل ج ۱ ص ۵۱۰، تذکرۃ الفقہاء ج ۱ ص ۴۶۲، نہایۃ الاحکام ج ۲ ص ۴۴۹

(۲) جواہر الکلام کتاب التجارۃ ج ۲ ص ۲۲۶



(ب) ملک مطلق کا قصد کیا گیا ہے خصوص بیع کا نہیں۔

پہلی صورت پر یہ اشکال ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک اپنے مال کو دوسرے کی طرف منتقل کر رہا ہو اور اسکا ان عنوانات میں سے کسی کا بھی قصد نہ ہو یعنی نہ بیع ہونہ ابا حہ، نہ عاریہ ہونہ و دلیعہ و قرض وغیرہ۔ (یعنی کسی خاص عنوان کے قصد کے بغیر مال کا دوسرے کی طرف منتقل ہونا ناممکن ہے)۔ اور دوسری صورت پر وہی اشکال ہے جو بیع کی تعریف میں گذر چکا ہے کہ عوض کے تبادلے میں ملکیت کا حاصل ہونا، بیع ہی ہے کوئی اور چیز نہیں۔

البتہ بعض علماء کرام نے ذکر کیا ہے بعض عقود (مثلاً ایک مدت کیلئے بکری کے دودھ کی بیع وغیرہ) میں تملیک مطلق ہے، اور بیع سے اعم ہے۔

معاطات کے حکم کے حوالے سے ہمارے علماء میں معروف ہے کہ معاطات مفید ابا حہ تصرف ہے۔ البتہ جب ان دونوں میں ایک عین تلف ہو جائے تو اسوقت دوسرے کو ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔

شیخ مفید (۱) اور بعض اہلسنت کے نزدیک معاطات بیع کی طرح عقود لازمہ میں سے ہے۔ نہایت میں علامہ کی طرف سے یہ احتمال پیش کیا گیا ہے کہ معاطات بیع فاسد ہے اور ابا حہ تصرف کا فائدہ بھی نہیں دیتی۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ یہ دیکھیں کہ معاطات کے کس معنی میں نزاع ہے؟ آیا نزاع اس معنی میں ہے جہاں معاطات سے مراد ابا حہ ہے یا وہاں ہے جہاں اس سے مراد تملیک ہے؟ ظاہراً شیعہ سنی کے نزدیک محل نزاع دوسرا معنی ہے۔



اور اس لحاظ سے کہ ہم ایک طرف تلف ہونے سے پہلے اباحت بدون ملک کا حکم لگائیں اور تلف کے بعد کہیں کہ ملکیت آگئی ہے تو بحسب ظاہر یہ طرفین کے قصد کیساتھ قابل جمع نہیں ہے۔ مرحوم محقق کرکی نے علماء کے کلمات میں استعمال ہونے والے لفظ اباحت کو ملک جائز اور ملک متزلزل پر حمل کیا ہے اور کہا ہے کہ دونوں میں سے ایک عین کے ختم ہونے کے بعد ملک لازم بن جائے گا۔ اور اس بات کو قواعد کی شرح (۱) اور ارشاد پر اپنے تعلقے میں بیان کیا ہے کہ اس سے زیادہ اس پر بحث نہیں کی جاسکتی۔

لیکن بعض معاصرین (۲) (صاحب جواہر) نے اس بات کو دور از حقیقت شمار کیا ہے۔ اور دعویٰ کیا ہے کہ محل نزاع فقط وہ معاطات ہے جس میں طرفین نے فقط اباحت کا قصد کیا ہو اور اسمیں مالکیت نہ ہو۔ اور بزرگان کے کلمات میں لفظ اباحت کو اسی معنی ظاہری کی طرف ترجیح دی ہے جو ملکیت کے مقابلے میں ہو۔

قدما اصحاب کے اباحت کے حکم کو اسی معنی (قصد طرفین تملیک ہو) میں شمار کیا ہے۔ اور جن لوگوں نے معاطات میں محل نزاع تملیک کو قرار دیا ہے ان پر یہ کہتے ہوئے طعن کیا ہے کہ یہ کہنا کہ ”اباحت ملک سے خالی ہے جبکہ ملک کا قصد بھی ہے“ اسکی مبتدی طلاب کی طرف نسبت دینا درست نہیں ہے چہ جائیکہ ہم اسکی نسبت بزرگ اور معاذم فضلاء کی طرف دیں۔ انصاف یہ ہے کہ محقق کرکی کی توجیہ (کہ کلمہ اباحت کو ملک متزلزل پر حمل کرنا) کلمات اصحاب سے بہت بعید دیکھائی دیتی ہے۔

(۱) جامع المقاصد ج ۳ ص ۵۸

(۲) صاحب جواہر۔ جواہر الکلام جلد ۲۲ ص ۲۲۲، ۲۲۵



جیسے شیخ ”مبسوط“ (۱) اور خلاف میں (۲)، علامہ حلی ”سرائر میں“ (۳)، ابن زہرہ ”غنیۃ“ میں (۴)، حلی ”کافی“ میں، (۵) اور علامہ ”تذکرہ میں“ (۶)۔ بلکہ (جیسا کہ آپ جان چکے ہیں) بعض علماء کے صراحتاً عدم ملک کا کہا ہے۔

البتہ اگر ہم محل نزاع اس معاطات کو قرار دیں جس میں بدون ملکیت، اباحت کا قصد ہے تو یہ اس سے بھی بعید تر ہے۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی عالم کے کلام میں ایسا جملہ دیکھنے کو نہیں ملا جسے اس معنی پر حمل کیا جاسکے۔

بہر حال ہم سب سے پہلے ان علماء کرام کے اس کلام کو پیش کرتے ہیں جسے ہم حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ تاکہ ظاہر ہو سکے کہ محقق کرکی نے اباحت کا جو ملک متزلزل والا معنی کیا ہے وہ بعید ہے۔ اور معاطات میں علماء قداماء کے کلام کو بدون تملیک اباحت تصرف پر حمل کرنا بعید تر ہے۔ اللہ سے توفیق چاہتے ہوئے ہم اپنے کلام کا آغاز کرتے ہیں۔

## حل عبارات

قولہ: و هو يتصور على وجهين:؛ ہو؛ کی ضمیر اعطاء کی طرف لوٹ رہی ہے۔

(۱) المبسوط فی فقہ الامامیہ ج ۲ ص ۸۷

(۲) خلاف ج ۳ ص ۴۱ مسئلہ نمبر ۵۹

(۳) سرائر کتاب البیوع ص ۲۱۴

(۴) غنیۃ ص ۵۸۶

(۵) شیخ ابی الصلاح تقی الدین بن نجم، الکافی فی الفقہ ص ۳۵۲، ۳۵۳

(۶) تذکرۃ الفقہاء ج ۱ ص ۴۶۲



قولہ: بین علمائنا فی حکمہا: یعنی حکم معاطات  
 قولہ: هل المقصود بها:؛ بہا؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: و حصولہ بعدہ لا یجامع:؛ حصولہ؛ کی ضمیر ملک اور؛ بعدہ؛ کی ضمیر تلف کی  
 طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و انه یلزم بذہاب احدی العینین:؛ انه؛ کی ضمیر ملک کی طرف لوٹ رہی ہے  
 اور کلمہ؛ ذہاب؛ سے مراد تلف ہے۔

قولہ: و حقق ذلك فی شرحہ علی القواعد:؛ حقق؛ میں ضمیر فاعلی اور؛ شرحہ؛  
 میں ضمیر مجروری محقق ثانی کی طرف لوٹ رہی ہے اور مشاڑ الیہ؛ ذلک؛ تنزیل اباہ بر ملک جائز ہے۔  
 قولہ: لکن بعض المعاصرین: مرحوم صاحب جواہر مراد ہیں۔

قولہ: لما استبعد هذا الوجه: یعنی جس وجہ کو مرحوم محقق ثانی نے بیان فرمایا تھا۔

قولہ: و رجح بقاء الاباحۃ فی کلامہم: یعنی کلام فقہاء۔

قولہ: علی هذا الوجه: یعنی جس وجہ کو مرحوم صاحب جواہر نے بیان فرمایا تھا۔

قولہ: ابعده منه:؛ منه؛ کی ضمیر ما ارتکبه المحقق الثانی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: علی هذا المعنی: یعنی وہ معنی جسے صاحب جواہر نے بیان فرمایا۔

## وضاحت

### معاطات کی حقیقت:

عام طور پر جو بیع ہے وہ بعت و اشتریت سے ہے۔ اور اسکی حدود و قیود ہیں۔ لیکن سوال یہ  
 ہے کہ روزمرہ کی جو بیع ہم کرتے ہیں اسمیں صیغہ نہیں ہوتا بلکہ تعاطی (دنیا، لینا) ہوتا ہے۔ اسکا حکم کیا



ہے؟ اسکو ہم کیا کہتے ہیں؟ آیا اسکو بیع کہا جاسکتا ہے؟

فرماتے ہیں اس کو بیع معاطاة کہتے ہیں۔ یعنی ایک آدمی ایک چیز دیتا ہے۔ دوسرا مقابلہ میں پیسہ یا کوئی اور چیز دیتا ہے۔ باقاعدہ صیغہ وغیرہ نہیں ہوتا۔

### اقسام معاطات

علماء کرام کے نزدیک اسکی دو صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔

(۱) ہم اسکے قائل ہو جائیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مال میں تصرف کو مباح قرار دے رہا ہے۔ ایک آدمی چیز دیتے ہوئے کہتا ہے کہ تم اسمیں تصرف کر سکتے ہو، اور دوسرا پیسے دیتا ہے اور آپکے لیے تصرف کو مباح قرار دے رہا ہے۔ لہذا دو طرفہ اباحت ہے۔ تملیک نہیں ہے۔

(۲) دونوں لے دے رہے ہیں۔ تملیک کا تصور بھی کر رہے ہیں۔ لیکن اباحت کا تصور نہیں کرتے۔ دو چیزیں اور بھی ذکر کی گئی ہیں۔

(۱) بعض کہتے ہیں یہاں نقل تو ہو گیا ہے۔ لیکن بیع کا قصد نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی اباحت کا قصد کیا ہے۔ بلکہ کوئی نئی چیز ہے جس کا قصد کیا گیا ہے۔

(۲) انہوں نے ملک کا قصد تو کیا ہے۔ لیکن ملک مطلق کا قصد ہے۔ بیع کا قصد نہیں ہے۔ فرماتے ہیں جہاں تک یہ مؤخر الذکر دو چیزیں ہیں۔ یہ کسی صورت میں ٹھیک نہیں ہیں۔ جب معاملہ کرنے والے معاملہ کرتے ہیں تو کوئی نہ کوئی عنوان تو ہوتا ہے۔ یہ کہنا کہ نہ اباحت ہے اور نہ ملک ہے، نہ اجارہ ہے نہ کوئی اور عنوان۔ یہ درست نہیں ہے۔

لینا جو ہے یہ کلی ہے اور کلی کا تحقق اسوقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اسکا کوئی فرد نہ ہو۔ یہ

درست نہیں ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ انہوں نے ملک مطلق کا خیال کیا ہے۔ یہ بیع نہیں ہے۔ درحقیقت تبادلہ



مالِ بمالِ جو ہو رہا ہے۔ اسکو کہتے ہی بیع ہیں۔ کس طرح آپ کہہ سکتے ملک مطلق ہے۔ تو ایک کلی ہے۔ اسکا تحقق کسی نہ کسی عنوان کے ماتحت تو ہوگا۔ لہذا یہ کہنا کہ ملک مطلق ہے۔ یہ بھی ٹھیک نہیں اور یہ کہنا کہ کسی نے کچھ قصد نہیں کیا۔ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ البتہ یہ کہتے ہیں ملک مطلق کا تصور لبین شاة کی مثال میں موجود ہے کہ اس نے ایک مدت تک لبین شاة بیچ دیا ہے۔

فرماتے ہیں ہم اسکو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ باقی پہلی دو چیزیں رہ گئیں۔

(۱) مقصودہ اباحت ہے (۲) مقصود تملیک ہے۔

### حکم معاطات:

اب بیع معاطاة میں اصل بحث یہ ہے کہ مقصود اباحت ہے۔ یا مقصود تملیک ہے۔ اسمیں

تین قول ہیں۔

(۱) اصل میں یہ بیع مفید اباحت ہے۔ لیکن ان دو مالوں میں سے، جنکا تبادلہ ہوا ہے، جب

ان میں سے ایک تلف ہو جائے گا۔ یا آپ استعمال کر لیں گے۔ یا کسی کو دے دیں گے۔ اسوقت بیع لازم ہو جائے گی۔ یعنی پہلے اباحت ہے۔ اور تصرف کے بعد لازم ہے۔

(۲) شیخ مفید علیہ رحمہ اور بعض اہل سنت کا قول یہ ہے کہ یہ بیع اباحت کا فائدہ نہیں دیتی۔

بلکہ ملک لازم کا فائدہ دیتی ہے۔ جس طرح بیع معاطاة کے علاوہ دوسری بیع ملک لازم کا فائدہ دیتی ہے۔ معاطات بھی اسی طرح ہے۔

(۳) علامہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ بیع ہے۔ اور بیع فاسد ہے۔ کیونکہ شرائط نہیں پائی

جاتیں۔ لیکن کم از کم یہ پتا چلتا ہے کہ تصرف مباح ہے۔

### محل نزاع:

ان تین اقوال سے بحث کرنے سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ محل نزاع کہاں ہے؟



آیا علماء کرام کے نزدیک اصل یہ ہے کہ معاظۃ مفید اباحت ہے۔ پھر مندرجہ بلا تین اقوال ہیں۔ یا یہ ہے کہ نہیں! بلکہ وہ معاظت محل نزاع ہے جو مفید ملک ہوتی ہے۔ مفید ملک بنا کر پھر یہ تین اقوال میں بحث کرتے ہیں۔ گویا معاظت میں اصل اباحت ہے۔ یا معاظت میں اصل تملیک ہے۔ اگر علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ملک ہے۔ یعنی مفید ملک ہے۔ اسمیں بحث ہے اسکے بعد تین اقوال ہیں۔

### محقق کرکی اور صاحب جواہر:

بعض ملک متزلزل کہتے ہیں۔ صاحب جواہر کہتے ہیں کہ ملک نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کے ذہن میں یہ چیز نہیں آتی کہ پہلے تو اباحت ہو اور تلف کے بعد ملک ہو جائے۔ اگر ملک ہے تو پہلے سے ہی ملک ہوگی۔ ایسا نہیں ہے پہلے اباحت ہو اور بعد میں ملک۔ جسکو محقق کرکی ملک متزلزل کہہ رہے ہیں۔ یہ ذہن میں نہیں آتی۔ لہذا یہ اباحت تصرف ہے۔ فرماتے ہیں کہ پہلے ہمیں علماء کرام کے اقوال کو ذکر کرنا چاہئے۔ اسکے بعد دیکھنا چاہئے کہ علماء کرام کیا کہتے ہیں۔

### ان نظریات پر اشکال:

البتہ خلاصہ یہ ہے کہ شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ محقق کرکی کا ملک متزلزل کہنا کسی صورت میں درست نہیں ہے۔ یہ بات تو ابتدائی طلباء بھی نہیں کہتے چہ جائیکہ اتنا بڑا شخص ملک متزلزل کا کہہ رہا ہے کہ قصد اباحت کا کیا گیا ہے اور تلف کے بعد ملک متزلزل بن جائے، یہ درست نہیں ہے۔ اور اس سے زیادہ بعید صاحب جوہر کا قول ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ بیع معاظت فقط میج التصرف ہے۔ یہ دونوں قول ٹھیک نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم چاہتے ہیں کہ علماء کرام کے اقوال ذکر کریں۔



# نواں درس

آیا معاطات فقط اباحت کا فائدہ دیتی ہے یا ملکیت کا؟

فرمان شیخ

شافعی اور ابوحنیفہ کی رائے

ابن ادریس کا کلام

ابن زہرہ کا کلام

بیچ منابذہ وغیرہ کی کیا صورت حال ہے۔







## نوال درس

فنقول و بالله التوفيق: قال في الخلاف: إذا دفع قطعة إلى البقلى أو الشارب فقال: أعطنى بها بقلأ أو ماءً، فأعطاه، فانه لا يكون بيعاً. وكذلك سائر المحقرات. و انما يكون إباحة له، فيتصرف كل منهما فيما أخذه تصرفاً مباحاً من دون أن يكون ملكه؛ و فائدة ذلك: أن البقلى إذا أراد أن يستر جمع البقل أو أراد صاحب القطعة أن يستر جمع قطعته، كان لهما ذلك؛ لأن الملك لم يحصل لهما؛ و به قال الشافى. و قال ابو حنيفة: يكون بيعاً صحيحاً و ان لم يحصل الايجاب و القبول؛ و قال: ذلك فى المحقرات، دون غيرها. دليلنا: ان العقد حكم شرعى، و لا دلالة فى الشرع على وجوده هنا، فيجب أن لا يثبت؛ و أما الاباحة بذلك، فهو مجمع عليه لا يختلف العلماء فيها. انتهى. و لا يخفى صراحة هذا الكلام فى عدم حصول الملك، و فى أن محل الخلاف بينه و بين ابى حنيفة ما لو قصد البيع، لا الاباحة المجردة، كما يظهر ايضاً من بعض كتب الحنفية؛ حيث إنه بعد تفسير البيع بمبادلة مالٍ بمالٍ، قال: و ينعقد بالايجاب و القبول، و بالتعاطى. و أيضاً، فتمسكه بأن العقد حكم شرعى، يدل على عدم انتفاء قصد البيعى، و الا لكان الأولى، بل المتعين: التعليل به؛ إذ مع انتفاء حقيقة البيع لغةً و عرفاً لا معنى للتمسك بتوقيفية الأسباب الشرعية، كما لا يخفى.

و قال فى السرائر بعد ذكر اعتبار الايجاب و القبول و اعتبار تقدم الاول على



الثانى ما لفظه: فاذا دفع قطعة إلى البقلى أو إلى الشارب، فقال: ((أعطني))، فانه لا يكون بيعاً ولا عقداً؛ لأن الإيجاب و القبول ما حصل - وكذلك سائر المحقرات، و سائر الاشياء محقراً كان أو غير محقر، من الثياب و الحيوان أو غير ذلك - و انما يكون اباحة له - فيتصرف كل منهما فيما أخذه تصرفاً مباحاً من غير أن يكون ملكه أو دخل فى ملكه، ولكل منهما أن يرجع فيها بذله؛ لأن الملك لم يحصل لهما، و ليس ذلك من العقود الفاسدة؛ لأنه لو كان عقداً فاسداً لم يصح التصرف فيما صار إلى كل واحد منهما، و انما ذلك على جهة الاباحة - انتهى - فان تعليقه عدم الملك بعدم حصول الإيجاب و القبول، يدل على أن ليس المفروض ما لو لم يقصد التمليك، مع أن ذكره فى حيز شروط العقد يدل على ما ذكرناه، و لا ينا فى ذلك قوله: ((و ليس هذا من العقود الفاسده --- إلى آخر قوله)) كما لا يخفى -

و قال فى الغنية - بعد ذكر الإيجاب و القبول فى عداد شروط صحة انعقاد البيع كا التراضى و معلومية العوضين، و بعد بيان الاحتراز بكل من الشروط عن المعاملة الفاقدة له - ما هذا لفضه: و اعتبرنا حصول الإيجاب و القبول؛ تحرزاً عن القول بان عقاده بالاستدعاء من المشتري و الإيجاب من البائع، بأن يقول: ((بعينه بألف))، فيقول: ((بعتك بألف))، فانه لا ينعقد بذلك، بل لابد أن يقول المشتري بعد ذلك: ((اشتريت)) أو ((قبلت)) حتى ينعقد؛ و احترازاً أيضاً عن القول بان عقاده بالمعاطاة، نحو أن يدفع إلى البقلى قطعة و يقول: ((أعطينى بقللاً)) فيعطيه، فإن ذلك ليس ببيع، و إنما هو اباحة للتصرف؛ يدل على ما قلناه:

الاجماع المشار اليه؛ و أيضاً فما اعتبرناه مجمع على صحة العقد به، و ليس



على صحته بما عداه دليل، و لما ذكرنا نهى عن بيع ((المنا بذه)) و ((الملامسة)) و  
 عن بيع ((الحصاة)) على التأويل الآخر، و معنى ذلك: أن يجعل اللّمس بشيء و النبذله  
 و إلقاء الحصاة، بيعاً موبجاً؛ انتهى۔ فإن دلالة هذا الكلام على أن المفروض قصد  
 المتعاطين التمليك، من وجوه متعددة: منها: ظهور أدلة الثلاثة فى ذلك؛ و منها: احتراز  
 عن المعاطاة و المعاملة بالاستدعاء بنحو واحد۔

## ترجمہ

مرحوم شیخ طوسیؒ اپنی کتاب خلاف (۱) میں فرماتے ہیں۔ اگر کوئی اپنا کچھ مال سبزی یا پانی  
 فروش کو دیکر کہے۔ اس کے بدلے میں مجھے سبزی یا پانی دو۔ اور وہ دے دے تو یہ بیع نہیں ہے۔  
 دوسری کم ارزش چیزیں بھی اسی کی مانند ہیں۔ بہر حال صرف اسکے لیئے مباح ہے۔ لہذا ان میں سے  
 ہر ایک کا اس چیز میں تصرف مباح ہوگا۔ اسکا فائدہ یہ ہے کہ اگر سبزی فروش اپنی سبزی واپس لینے کا  
 ارادہ کرے اور صاحب مال اپنے مال کی واپسی کا خواہش مند ہو تو دونوں یہ حق رکھتے ہیں ہیں۔  
 کیونکہ دونوں کیلئے ملکیت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے شافعی (۲) اور ابوحنیفہ (۳) نے کہا ہے  
 کہ اگر چہ ایجاب و قبول نہیں ہوا لیکن یہ بیع صحیح ہے۔ البتہ ابوحنیفہ کا فقط کم ارزش و قیمت چیزوں میں  
 یہ نظریہ ہے۔ دوسری چیزوں میں نہیں۔

بہر حال اس پر ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد حکم شرعی ہے اور معاطات کی شریعت میں کسی عقد  
 پر دلالت نہیں ہے۔ لہذا حتماً یہ عقد ثابت نہیں ہے۔ اور جہاں تک اسکے مباح ہونے کا تعلق ہے یہ تو

(۳) فتح الفرید ج ۸ ص ۱۰۱

(۲) المجموع ج ۹ ص ۱۶۳

(۱) خلاف ج ۲ ص ۱۸ مسئلہ نمبر ۵۹



مجمع علیہ ہے اور اس سلسلے میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (اختتام گفتگو شیخ طوسی)۔ مخفی نہیں ہے کہ یہ کلام صراحت کیساتھ عدم حصول علم کا کہہ رہا ہے۔ اور ابوحنیفہ اور ان کے درمیان اختلاف صرف اس میں ہے تملیک (بیع) کا قصد ہونہ فقط وہ اباحت جو ملکیت سے خالی ہے وہی مراد ہوگی۔ جیسا کہ ابوحنیفہ کی بعض کتب سے بھی یہی ظاہر ہے۔ مثلاً جب وہ بیع کو مبادلۃ مال بہال کہہ کر وضاحت کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بیع، ایجاب و قبول اور تعاطی کیساتھ منعقد ہو جاتی ہے۔

نیز شیخ طوسی نے بھی اسی وجہ سے اس کیساتھ تمسک کیا ہے کہ عقد حکم شرعی ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قصد بیع منثی نہیں تھا۔ وگرنہ بہتر، بلکہ ضروری تھا کہ وہ عدم تحقق بیع کی علت کو فقدان قصد بیع قرار دیتے۔ کیونکہ اگر لغت اور عرف میں حقیقت بیع منثی ہو تو پھر اس سے تمسک کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے کہ بیع اسباب شرعیہ پر موقوف ہے۔

مرحوم ابن ادریس نے اپنی کتاب سرائر (۱) میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ ”ایجاب قبول معتبر ہیں اور ایجاب کو قبول سے پہلے ہونا چاہیے“ ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ اگر کسی نے سبزی یا پانی فروش کو کچھ مال دیکر یہ درخواست کی ہے مجھے یہ دے دو۔ تو یہ نہ بیع ہے اور نہ عقد۔ کیونکہ اس میں ایجاب و قبول ہی نہیں ہیں۔ اسی کی مانند باقی حقیری چیزیں بھی ہیں۔ بلکہ تمام چیزیں اس کی مانند ہیں خواہ وہ حقیر ہوں یا نہ ہوں۔ جیسے کپڑے اور جانور وغیرہ۔ بہر حال یہ بیع نہیں بلکہ فقط اباحت التصرف ہے۔ لہذا دونوں نے جو کچھ لیا ہے ان میں فقط ان کا تصرف کرنا مباح ہے یہ نہ تو ان کا ملک بنا ہے اور نہ انکی ملکیت میں داخل ہے۔ اور چونکہ انہیں ملکیت حاصل نہیں ہوئی لہذا ان میں سے ہر کوئی اپنی اپنی چیز واپس لے سکتا ہے۔ البتہ یہ (معاطات) عقود فاسدہ میں سے نہیں ہے کیونکہ اگر

(۱) سرائر کتاب البیوع باب حقیقت بیان بیع و اقسامہ ص ۲۱۴



عقد فاسد ہوتا تو دونوں کیلئے تصرف بھی صحیح نہ ہوتا لہذا تصرف کا صحیح ہونا اباحت کی وجہ سے ہے (اختتام کلام ابن ادریس) ابن ادریس نے عدم ملکیت کی علت ایجاب و قبول کے نہ ہونے کو قرار دیا ہے۔ یہ تعلیل مفروض کلام میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ متعاطیین تملیک کا قصد نہ رکھتے ہوں۔ نیز یہ کہ ابن ادریس نے ایجاب و قبول کے معتبر ہونے کو شرط عقد سے قرار دیا ہے۔ اس سے ہمارا مدعی بھی ثابت ہوتا ہے کہ معاطات میں تملیک کا قصد بھی ہونا چاہیے۔ تنہا ایجاب و قبول کافی نہیں ہیں۔ اور ہمارا مدعی ابن ادریس کے اس فرمان کے منافی بھی نہیں ہے کہ معاطات عقود فاسدہ سے نہیں ہے۔

ابن زہرہ (۱) نے اس تذکرے کے بعد کہ ”ایجاب و قبول صحت انعقاد بیع کی شرط میں سے ہے، جیسے تراضی اور عوض و معوض کا معلوم ہونا شرط ہے“ نیز اس بحث کے بعد کہ ”اگر معاملہ ان شرط میں سے کسی شرط سے بھی فائدہ ہو تو اسے معاملے سے پرہیز کرنا چاہیے“ ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم ایجاب و قبول کے حصول کو معتبر سمجھتے ہیں تاکہ ان لوگوں کے اس قول سے دوری ہو جائے جو بیع کو خریدار کے استدعا اور بائع کے ایجاب سے منعقد (درست) قرار دیتے ہیں۔ یعنی مشتری کہتا ہے بعنہ بالف (مجھے ہزار روپے میں فروخت کرو) اور بائع کہتا ہے بعنک بالف (میں نے تجھ ہزار روپے میں فروخت کی)۔ اس طرح کہنے سے بیع صحیح نہ ہوگی۔ بلکہ بائع کے ایجاب کے بعد خریدار کا اشتريت یا قبلت کہنا ضروری ہے۔ تب بیع منعقد ہوگی۔

نیز بعض لوگوں کے نزدیک معاطات کیساتھ بیع بھی منعقد ہو جاتی یعنی وہ کچھ مقدار پیسے سبزی فروش کو دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے سبزی دے دو اور وہ اسے دے دیتا ہے۔ لیکن ہم چونکہ

(۱) سید ابن زہرہ الحسینی والحملی۔ غنیۃ النزوع ص ۵۸۶



ایجاب و قبول کو معتبر سمجھتے ہیں لہذا ہم نے اس سے بھی احراز کیا ہے۔ کیونکہ یہ بیع نہیں ہے بلکہ یہ فقط اباحتِ تصرف ہے۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے اس پر چند سطر قبل پیش کیا گیا اجماع دلالت کرتا ہے۔

نیز جس ایجاب و قبول کو ہم معتبر سمجھتے ہیں اس پر بھی اجماع موجود ہے کہ عقد ایجاب و قبول کیساتھ ہی صحیح ہے۔ نیز اس کے علاوہ عقد کی صحت پر اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس پر حضرت<sup>(۱)</sup> کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ حضرت نے بیع منابذہ (چیز کو پھینک دینا) بیع ملامسہ (چیز پر ہاتھ رکھ دینا) اور بیع حصاة (پتھر پھینک کر چیز کا انتخاب کرنا) سے منع فرمایا ہے (کیونکہ ان میں ایجاب و قبول نہیں ہے)۔ بہر حال اس روایت کے ظاہری معنی سے ہٹ کر دوسرے معانی لینا اور ان سے استدلال کرنا ممنوع ہے۔ اور وہ معانی یہ ہیں کہ کسی چیز کو چھونا، یا پھینکنا یا پتھر رکھنے کو ایجاب بیع کا صیغہ قرار دینا مراد ہو۔ (اختتام کلام ابن زہرہ)۔ واضح ہے کہ ابن زہرہ کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ معاطات کرنے والوں نے متعدد طریقوں سے تملیک کا قصد کیا ہے۔ ان طریقوں میں سے ان تینوں ادلہ کا ظہور بھی ہے جو ہمارے مدعا پر دلالت کر رہا ہے۔ اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ابن زہرہ نے مشتری کی استدعا کی صورت میں انجام پانے والے معاملے اور معاطات سے احتراز و پرہیز کیا ہے۔ اور ان دونوں کو ایک ہی انداز میں بیع سے خارج قرار دیا ہے۔ لہذا ان کے نزدیک وہی معاطات درست ہے جہاں قصد تملیک ہو۔

## حل عبارات

قوله: اذا دفع قطعة؛ قطعة؛ سے مراد رقم ہے۔

(۱) وسائل ج ۱۲ ص ۲۶۶ باب ۱۲ حدیث ۱۳



قوله: الى البقلى: یعنی سبزی فروش

قوله: او الشارب: یعنی سقا

قوله: فانه لا يكون بيعاً: فانه؛ کی ضمیر دفع قطعہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: و فائدة ذلك: مثلاً الیہ؛ ذلک؛ کونہ اباحتہ ہے۔

قوله: كان لهما ذلك: لہما؛ کی ضمیر بقلی اور صاحب قطعہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور

مثلاً الیہ؛ ذلک؛ استرجاع ہے۔

قوله: و به قال الشافعی: بہ؛ کی ضمیر عدم البیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: و قال فی ذلك فی المحقرات: مثلاً الیہ؛ ذلک؛ کونہ بیعاً ہے۔

قوله: و اما الاباحة بذلك: یعنی واما حصول الاباحتہ بذلک، مثلاً الیہ؛ ذلک؛ دفع و

اعطاء ہے۔

قوله: محل الخلاف بينه وبين: بینہ؛ کی ضمیر شیخ الطائفہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: فتمسكه بان العقد الخ: تمسکہ؛ کی ضمیر شیخ الطائفہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: التعليل به: بہ؛ کی ضمیر انتفاء قصد بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: فانه لا يكون بيعاً و لا عقداً: فانه؛ کی ضمیر اعطاء کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: و ليس ذلك من العقود الفاسدة: مثلاً الیہ؛ ذلک؛ معاطات ہے۔

قوله: لانه لو كان عقداً فاسداً: لانه؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: فان تعليله الخ: کلام ابن ادریس سے مرحوم مصنف کا استظهار ہے۔

قوله: مع ان ذكره فی حيز شروط العقد: ذکرہ؛ کی ضمیر اعتبار ایجاب و قبول کی

طرف لوٹ رہی ہے۔



قولہ: علی ما ذکرناہ: یعنی قصد متعاطیین تملیک ہے۔

قولہ: و لا ینافی ذلک: مشاڑ الیہ: ذلک: ما ذکرناہ ہے۔

قولہ: عن المعاملة الفاقدة له: لہ: کی ضمیر ایجاب و قبول کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بان یقول بعنیہ الخ: یقول: کی ضمیر مشتری کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فیقول بعک الخ: یقول: کی ضمیر بائع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فانہ لا ینعقد بذلک: فانہ: کی ضمیر بیع کی طرف اور مشاڑ الیہ: ذلک: استدعاء

مشتری و ایجاب بائع ہے۔

قولہ: بل لا بد ان یقول مشتری بعد ذلک: یعنی بعد از ایجاب بائع

قولہ: عن القول بانعقاده بالمعاطاة: انعقاده: کی ضمیر بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فان ذلک لیس ببيع الخ: مشاڑ الیہ: ذلک: معاطات ہے۔

قولہ: و ایضاً فما اعتبرناہ: یعنی ایجاب و قبول لفظی۔

## وضاحت

آیا معاطات فقط اباحت کا فائدہ دیتی ہے یا ملکیت کا۔

فرمان شیخ:

شیخ طائفہ اپنی کتاب خلاف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر آپ سبزی فروش یا پانی بیچنے

والے کو کرنسی دیتے ہیں۔ اسکے بدلہ میں سبزی یا پانی لے لیتے ہیں۔ اسکو بیع نہیں کہتے۔ بلکہ یہ چھوٹی

چھوٹی چیزیں ہیں۔ ان میں صیغہ کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ تصرف ہے۔ وہ آپکے پیسے میں

تصرف کریگا۔ اور آپ اسکی چیز میں تصرف کریں گے۔ اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی چیز



لے سکتا ہے۔ اور آپ چاہیں تو اپنی کرنسی واپس لے سکتے ہیں۔ ملک حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ چھوٹی موٹی چیزیں ہیں۔ ان میں بیع لازم نہیں ہوتی۔

### شافعی اور ابوحنیفہ کی رائے

شیخ صاحب مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ: فقط میں ہی نہیں کہہ رہا بلکہ شافعی بھی یہی کہتا ہے۔ اور ابوحنیفہ کے نزدیک بھی یہ بیع صحیح ہے۔ اگرچہ اسمیں ایجاب و قبول نہیں ہے۔ البتہ ابوحنیفہ کا یہ قول محقرات میں ہے۔ شیخ صاحب کی دلیل حکم شرعی ہے۔ اور شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اسکی نفی کر رہی ہو۔

فرماتے ہیں کہ شیخ صاحب کا یہ کہنا کہ جب کوئی چیز دے دیتا ہے اور لیتا ہے تو وہ آپکے تصرف میں آجاتی ہے۔ اب اگر چاہے تو لے سکتا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ اصل بیع تو ملکیت کے لئے ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ محقرات ہیں۔ لہذا ان میں ملکیت بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ اسی طرح شیخ صاحب کا دلیل شرعی کیساتھ تمسک کرنا اور کہنا کہ حکم شرعی یہی ہے۔ گویا اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اصل میں بیع ملکیت کے تصور سے ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ یہاں صیغہ نہیں پڑھا گیا۔ معاطاۃ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ لہذا اسی طرح لینا دینا صحیح ہے۔

### ابن ادریس کا کلام

ابن ادریس حلی سرائر میں فرماتے ہیں کہ ایجاب و قبول ہونا چاہئے۔ اور ایجاب، قبول سے پہلے ہو۔ ان تمام چیزوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر یہ چیزیں نہیں ہونگی تو بیع تو اپنی جگہ پر ہو جائے گی۔ لیکن ایسی صورت میں ضروری ہے کہ آپ شرائط کو مد نظر رکھیں، تب بیع صحیح ہوگی۔ اور ملکیت بہر حال اپنی جگہ متحقق ہو جاتی ہے۔



## ابن زہرہ کا کلام

صاحب غنیۃ النزوع بھی یہی کہتے ہیں کہ شرائط ہونی چاہیں، تراضی، عوضین، ثمن مٹمن وغیرہ ہونا چاہیے۔ اس کے بعد اگر ایجاب ہو گیا ہے تو ایجاب کے بعد قبول ہو جائیگا۔ یہ نہیں ہے کہ ایک آدمی کہے بِعْنِی دوسرا کہے بِعْتُکَ اَلْفِ۔ بلکہ جب وہ اشتریت کہے گا تب بیع ہوگی۔ البتہ اگر اس طرح کوئی پورا کام نہیں کرتا، یعنی بعت، اشتریت نہیں کہتا۔ بلکہ معاطات کے عنوان سے وہ سبزی فروش سے کہتا ہے یا پانی بیچنے والے سے کہتا ہے تو ایسی صورت میں یہ بیع نہیں ہے۔ بلکہ اباحت تصرف ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسکی دلیل کیا ہے؟ فرماتے ہیں۔ اسکی دلیل اجماع ہے۔

## بیع منابذہ وغیرہ کی کیا صورت حال ہے؟

اسی طرح غنیۃ میں ابن زہرہ صاحب بھی کہتے ہیں۔ کہ بیع منابذہ، بیع ملامسہ اور بیع حصاة وہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ بیع منابذہ، ملامسمہ اور حصاة کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ایک صورت تو یہ ہے کہ طے نہیں کرتے کہ کیا لینا ہے بلکہ کنکری پھینک دیتے ہیں۔ جہاں تک چلی جاتی ہے وہ لے لیتے ہیں یا ہاتھ لگا دیتے ہیں۔ یہ علامت ہو جاتی ہے کہ آپ یہ چیز لینا چاہتے ہیں۔ یا چیز پھینک دیتے ہیں اور مقابل میں وہ بھی پھینک دیتا ہے۔ یعنی منابذہ کرتے ہیں۔

(۲) ایک مرتبہ یہ ہے کہ طے کرتے ہیں کہ میں یہ چیز لونگا، اور آپ کو فلان چیز دونگا۔ لیکن اسکا تعین کنکری پھینک کر کرتے ہیں۔ مختلف ڈھیریوں میں سے اسکا تعین کرتے ہیں۔

ابن زہرہ صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح کی بیوع ٹھیک نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی معاطات ہی بنتی ہیں۔ اسکو حقیقی بیع نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال کسی نے بھی ملک متزلزل کا نہیں کہا اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ مقصود بالذات اباحت ہوتی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ مقصود بذات ملکیت ہوتی ہے۔ کبھی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور کبھی اباحت۔



# دسواں درس

کافی میں حلبی کا کلام  
شرائع میں محقق کا کلام  
تذکرہ میں علامہ کا کلام  
قواعد میں علامہ کا کلام







## دسوال درس

و قال فى الكافى بعد ذكر أنه يشترط فى صحة البيع أمور ثمانية، ما لفظه: و  
اشترط الإيجاب و القبول؛ لخروجه من دونهما عن حكم البيع. الى أن قال: فان اختلف  
شرط من هذا، لم ينعقد البيع، ولم يستحق التسليم وان جاز التصرف مع اخلال  
بعضها؛ للتراضى، دون عقد البيع، و يصح معه الرجوع؛ انتهى. و هو فى الظهور قريب  
من عبارة الغنية. و قال المحقق (رحمه الله) فى الشرائع: و لا يكفى التقابض من غير  
لفظ و ان حصل من الأمارات ما دل على ارادة البيع؛ انتهى. و ذكر كلمة الوصل ليس  
لتعميم المعاطاة لما لم يقصد به البيع، بل للتنبية على انه لا عبرة بقصد البيع من الفعل. و  
قال فى التذكرة فى حكم الصيغة: الأشهر عندنا أنه لا بد منها، فلا يكفى التعاطى فى  
الجليل و الحقيق، مثل: ((أعطنى بهذا الدينار ثوباً))، فيعطيه ما يرضى، أو يقول: ((خذ  
هذا الثوب بدينار)) فيأخذه؛ و به قال الشافى مطلقاً، لأصالة بقاء الملك، و قصور  
الافعال عن الدلالة على المقاصد؛ و عن بعض الحنفية و ابن شريح: فى الجليل؛ و قال  
أحمد؛ ينعقد مطلقاً؛ و نحوه قال مالك، فإنه قال: ينعقد بما يعتقد به الناس بيعاً. انتهى.

و دلالة على قصد المتعاطين للملك لا يخفى من وجوه، أدونها: جعل مالك  
موافقاً لأحمد فى الانعقاد من جهة أنه قال؛ ينعقد بما يعتقد به الناس بيعاً. و قال الشهيد  
فى قواعده. بعد قوله: قد يقوم السبب الفعلى مقام السبب القولى، و ذكر أمثلة لذلك.  
ما لفظه: و أما المعاطاة فى المبايعات فهى فهتفيد الاباحة لا الملك و إن كان فى



الحقير عندنا؛ انتهى۔ و دلالتها على قصد المتعاطين للملك مما لا يخفى۔ هذا كله مع أن الواقع في أيدي الناس هي المعاطاة بقصد التمليك، و يبعد فرض الفقهاء من العامة و الخاصة الكلام في غير ما هو الشائع بين الناس، مع أنهم صرحوا بإرادة المعاملة المتعارفة بين الناس۔

## ترجمہ

اس تذکرہ کے بعد کہ بیع کی صحت کیلئے آٹھ شرائط کا ہونا ضروری ہے، جناب تقی الدین نجم حلبی ان الفاظ کیساتھ ارشاد فرماتے ہیں (۱) کہ ایجاب و قبول اہم ترین شرط ہے۔ جو بیع ان دونوں کے بغیر ہوگی اس پر بیع کا حکم نہیں آئے گا، پھر آگے چل کر فرمایا۔ اگر ان میں سے کوئی شرط بھی منقہ ہوئی تو بیع منعقد نہ ہوگی اور متعاقبین میں سے کوئی بھی عوضین کو نہیں لے سکتا۔ اگرچہ بعض شرائط کے نہ ہونے کے باوجود تراخی کی وجہ سے تصرف جائز ہے۔ لیکن عقد بیع منعقد نہیں ہوا۔ لہذا دونوں کا ایک دوسرے سے اپنی چیز واپس لینا صحیح ہے۔ (اختتام کلام حلبی)۔ ظہور کے حوالے سے یہ عبارت غنیۃ کے قریب تر ہے۔

جناب محقق اپنی کتاب شرائع میں ارشاد فرماتے ہیں (۲) کہ لفظ کے استعمال کے بغیر تقابض کافی نہیں ہے۔ خواہ علامت و امارات سے معلوم ہی کیوں نہ ہو رہا ہو کہ بیع کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اختتام کلام محقق۔ کلمہ؛ ان؛ وصلیہ (وان حصل.....) کا تذکرہ اس عنوان سے نہیں ہے کہ محقق معاطات کی تعمیم کر رہے ہیں تاکہ اس فرض کو شامل ہو جائے جب متعاطین بیع کا قصد نہ رکھتے ہوں۔



بلکہ ان کا مقصد اس نکتہ کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ فقط قصد بیع کافی نہیں ہے۔ بلکہ لفظ ہونا ضروری ہے۔ صرف فعل اور عمل کافی نہیں۔

مرحوم علامہ نے حکم صیغہ کی بحث کرتے ہوئے تذکرہ میں ارشاد فرمایا (۱) کہ امامیہ کے نزدیک اشہر (زیادہ مشہور) یہ ہے کہ صیغہ استعمال کرنا لازمی ہے۔ لہذا چھوٹے بڑے کسی معاملے میں معاطات کافی نہیں ہے۔ یعنی کوئی کہے کہ مجھے اس دینار کے مقابل کپڑا دے دو اور وہ جس (ریٹ پر) راضی ہوا ہے اس پر اسے دے دے۔ یا کہے اس کثیر دینار کے بدلے میں لے لو اور وہ لے لے۔ (یہ درست نہیں ہے) اسی وجہ سے شافعی نے مطلقاً یہی کہا ہے کہ معاطات کیساتھ بیع منعقد نہ ہوگی۔ ہمارے قدماء کی دلیل یہ ہے کہ اولاً: جب اس قسم کے فعلی معاملہ میں شک ہو جائے تو اصل بقاء ملک ہے۔ ثانیاً: مقاصد پر دلالت کرنے کیلئے صراحت کیساتھ الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ افعال اس سے قاصر ہیں۔ بعض حنفیہ اور ابن شریح (۲) بھی بڑی چیزوں میں معاطات کے بیع نہ ہونے کے قائل ہیں۔ احمد مطلقاً بیع کے منعقد ہونے کا قائل ہے اور مالک بھی اسی کی طرح ہے اور کہتا ہے کہ جیسے لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں اس سے بیع منعقد ہو جاتی ہے۔ (اختتام کلام تذکرہ مرحوم علامہ) اس کلام کی اس بات پر دلالت کئی جہات سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے کہ متعاطیین تملیک کا قصد رکھتے ہیں۔ کمترین وجہ یہ ہے کہ علامہ نے مالک کو احمد کا موافق قرار دیا ہے کہ لوگ جسے خرید و فروخت کہتے ہیں وہاں بیع منعقد ہے۔

شہید اول اپنی کتاب قواعد (۳) میں جب یہ بحث اور اسکی مثالیں دے چکے کہ ”کبھی سبب

(۲) المجموع للنوی ج ۹ ص ۱۶۲

(۱) تذکرۃ الفقہاء ج ۱ ص ۳۶۲

(۳) قواعد الاحکام فی مسائل الحلال والحرام ج ۱ ص ۸۷۸ قاعدہ نمبر ۴۷



فعلی، سبب قولی کی جگہ لے لیتا ہے“ تو ان الفاظ سے ارشاد فرمایا۔ جہاں تک مبیعات میں معاطات کا تعلق ہے تو یہ اباحت کا فائدہ دیتی ہے، ملک کا نہیں۔ ہمارے نزدیک خواہ وہ حقیر چیز میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں بھی قصد متعاطیین کی ملکیت پر دلالت مخفی نہیں ہے۔

جو کچھ کہا گیا ہے اسے ذہن نشین رکھیں۔ مزید یہ کہ لوگوں کی نظر میں معاطات قصد تملیک کیساتھ ہی واقع ہوتی ہے نہ قصد اباحت التصرف کیساتھ۔ نیز شیعہ سنی علماء سے بعید ہے کہ اپنی گفتگو ایسے موارد میں فرض کریں جو لوگوں میں رائج نہ ہوں۔ مزید یہ کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ ان کی مراد بھی وہی ہے جو لوگوں میں معاملات کے حوالہ سے متعارف ہے۔

## حل عبارات

قولہ: بعد ذکرہ انہ یشرط فی صحۃ البیع الخ: ؛ انہ؛ کی ضمیر، ضمیر؛ شان؛ ہے۔  
 قولہ: لخروجہ من دونہما: ؛ خروجہ؛ کی ضمیر بیع اور؛ دونہما؛ کی ضمیر ایجاب وقبول کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: مع اخلال بعضہا: یعنی بعض الشروط؛ بعض الشروط؛ سے مراد ایجاب وقبول ہیں۔

قولہ: و یصح معہ الرجوع: ؛ معہ؛ کی ضمیر جواز التصرف کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و بہ قال الشافعی مطلقا: ؛ بہ؛ کی ضمیر عدم کفایت معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے اور مطلقا یعنی معاملات حقیر اور معاملات جلیل۔

قولہ: ینعقد مطلقا: حقیر اور جلیل

قولہ: و نحوہ قال مالک: ؛ نحوہ؛ کی ضمیر احمد کی طرف لوٹ رہی ہے۔



## وضاحت

### کافی میں کلام حلبي

حلبي اپنی کتاب کافی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ بیع کی صحت میں میں آٹھ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ جب تک یہ آٹھ چیزیں نہیں ہونگی اسوقت تک بیع نہیں ہوگی۔ ان میں ایک ایجاب و قبول کو بھی ذکر کیا ہے۔ آخر میں فرمایا ہے کہ اگر ان شروط میں کوئی شرط بھی فاسد ہو جائے تو نہ بیع ہوگی۔ اور نہ تسلیم و تسلیم ہوگا۔ البتہ اگر تراخی ہو جائے تو تصرف تو جائز ہے۔ لیکن اسوقت بھی بیع محقق نہیں ہوگی۔ فرماتے ہیں کہ آپ دیکھیں جس طرح غنیۃ میں ابن زہرا کا کلام تھا بعینہ انکا کلام بھی ہے۔ اور جب کہہ رہے ہیں کہ بیع محقق نہیں ہوگی تو گویا یہ واضح کر رہے ہیں کہ ملکیت کی بحث ہو رہی ہے۔ اباحت کی بحث نہیں ہو رہی۔

### شرائع میں محقق کا کلام

محقق اول صاحب شرائع اپنی کتاب شرائع میں ارشاد فرماتے ہیں کہ لفظ کے بغیر یعنی ایجاب و قبول کے بغیر فقط تقابض کافی نہیں ہے۔ اگرچہ امارات و قرائن موجود ہوں کہ آپ بیع کر رہے ہیں۔ انہوں نے اگرچہ کہہ کر یہ واضح کیا ہے کہ ملکیت کیلئے بیع کر رہے ہیں۔ لیکن ملکیت حاصل تب ہوگی، جب الفاظ لائیں گے۔ گویا حلبي صاحب کی طرح صاحب شرائع بھی قائل ہیں کہ معاطات میں جو بحث ہو رہی وہ ملکیت کے عنوان سے ہے۔ اباحت کے عنوان سے نہیں۔

### تذکرہ میں علامہ کا کلام

علامہ صاحب اپنی کتاب تذکرہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے (یعنی اہل تشیع) نزدیک مشہور یہ ہے کہ صیغہ کی ضرورت ہے۔ کوئی بڑی چیز ہو۔ چھوٹی چیز ہو۔ صیغہ کے بغیر، ویسے دے دینا



ٹھیک نہیں ہے۔ مثلاً آپ کہیں کہ اس دینار کے بدلے میں مجھے کپڑا دے دیں تو یہ کافی نہیں ہے۔ یا کہیں کہ اس کپڑے کو اس دینار کے بدلے میں لے لیں۔ یہ کافی نہیں ہے۔ بلکہ صیغہ ہونا چاہیے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسکو شافعی بھی کہتے ہیں۔ لیکن شافعی صاحب مطلقاً کہہ رہے ہیں کہ کسی صورت میں یہ بیع متحقق نہیں ہو سکے گی۔ خواہ جلیل ہو یا حقیر ہو۔ مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ افعال کوتاہ ہوتے ہیں۔ بیع پر انکی دلالت اس طرح نہیں ہوتی جیسے ایجاب قبول کی بیع پر دلالت ہوتی ہے۔ نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض حنفیہ اور ابن شری بھی یہی بات کہتے ہیں کہ صیغہ کی ضرورت ہے۔ لیکن بڑی بڑی چیزیں ہوں تب۔

گویا شافعی اور علامہ صاحب کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک جلیل و حقیر دونوں میں صیغہ کی ضرورت ہے۔ جبکہ حنفیہ اور ابن شری کے نزدیک بڑی چیزوں میں صیغہ کی ضرورت ہے۔ چھوٹی چیزوں میں نہیں۔ ان تمام حضرات کے اقوال سے کم از کم یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملکیت کی بحث ہو رہی ہے۔ اباحت تصرف کی بحث نہیں ہو رہی۔ اسکے بعد علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ جہاں تک احمد ابن حنبل کا تعلق ہے وہ کہتے ہیں کہ بیع مطلقاً منعقد ہو جائے گی، خواہ صیغہ ہو یا نہ ہو۔ حتیٰ کہ انہوں نے جلیل و حقیر کا بھی تذکرہ نہیں کیا۔ اور مالک یہ کہتا ہے کہ بیع مطلقاً متحقق ہو جائے گی۔ کیونکہ اصل میں بیع سے مراد یہ ہے کہ عرفاً جیسے لوگ بیع کرتے ہیں، وہی بیع ہے۔

### قواعد میں علامہ کا کلام

ان کے اقوال میں اگرچہ اختلاف ہے۔ لیکن سب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری بحث ملکیت میں ہو رہی ہے۔ اباحت تصرف میں نہیں ہو رہی ہے۔ لہذا صاحب جو اہر کا ملک متزلزل کہنا درست نہیں ہے۔ بلکہ ملکیت ہے۔ شہید صاحب قواعد میں فرماتے ہیں کہ کبھی سبب فعلی، سبب قولی کے قائم ہو جاتا ہے۔



# گیارہواں درس

جامع المقاصد میں محقق ثانیؒ کا کلام

قرآن سے استدلال۔

آیا لزوم ہے یا نہیں؟

ملک متزلزل کیوں ہے؟

تعلیقہ ارشاد میں محقق ثانیؒ کا کلام

محقق ثانیؒ پر اشکال







## گیارہواں درس

ثم انك قد عرفت ظهور اكثر العبارات المتقدمة في عدم حصول الملك، بل صراحة بعضها كالخلاف و السائر و التذكرة و القواعد. و مع ذلك كله، فقد قال محقق الثاني في جامع المقاصد: إنهم أرادوا بالاباحة، الملك المتزلزل. فقال: المعروف بين الأصحاب أن المعاطاة بيع و إن لم تكن كالعقد في اللزوم، خلافاً لظاهر عبارة المفيد؛ و لا يقول أحد من الأصحاب بأنها بيع فاسد سوى المصنف في النهاية، و قد رجع عنه في كتبه المتأخرة عنها. و قوله تعالى: (أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ) يتناولها؛ لأنها بيع بالتفاهق حتى من القائلين بفسادها؛ لأنهم يقولون: هي بيع فاسد. و قوله تعالى: (أَلَا أُنْكَرُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنْكُمْ) عام الا ما أخرجه الدليل. و ما يوجد في عبارة جمع من متأخري الأصحاب؛ من أنها تفيد الإباحة و تلزم بذهاب إحدى العينين، ير يدون به عدم اللزوم في أول الأمر، و بالذهاب يتحقق اللزوم؛ لا متناع ارادة الاباحة المجردة عن اصل الملك، إذ المقصود للمتعاطيين إنما هو الملك، فإذا لم يحصل كانت فاسدةً و لم يجز التصرف في العين، و كافة الأصحاب على خلافه.

و أيضاً الاباحة المحضة لا تقتضي الملك اصلاً و رأساً، فكيف يتحقق ملك شخص بذهاب مال آخر في يده؟؛ و إنما الأفعال لما لم تكن دلالتها على المراد في الصراحة كالأقوال و إنما تدل بالقرائن، منعوا من لزوم العقد بها، فيجوز التراد ما دام



ممكناً، و مع تلف إحدى العينين يمتنع التراد و يتحقق اللزوم، لأن احداهما في مقابل الآخر؛ و يكفي تلف بعض إحدى العينين، لا امتناع التراد في الباقي، اذ هو موجب لتبعض الصفقة و الضرر؛ انتهى- و نحوه المحكى عنه في تعليقه على الإرشاد، و زاد فيه: أن مقصود المتعاطيين إباحة مترتبة على ملك الرقبة كسائر البيوع، فإن حصل مقصودهما ثبت ما قلناه، و إلا لوجب أن لا تحصل إباحة بالكلية، بل يتعين الحكم بالفساد، اذ المقصود غير واقع، فلو وقع غيره لوقع بغير قصد، و هو باطل- و عليه يتفرع النماء، و جواز وطى الجارية، و من منع فقد أغرب؛ انتهى- و الذى يقوى فى النفس: إبقاء ظواهر كلما تهم على حالها، و أنهم يحكمون بالاباحة المجردة عن الملك فى المعاطاة مع فرض قصد المتعاطيين التملك، و أن الاباحة لم تحصل بانشائها ابتداءً، بل انماء حصلت - كما اعترف به فى المسالك من استلزام إعطاء كل منهما سلعته مسلطاً عليها الاذن فى التصرف فيه بوجوه التصرفات -

فلا يرد عليهم عدا ما ذكره المحقق المتقدم فى عبارة المتقدمة، و حاصله: أن المقصود الملك، فإذا لم يحصل فلا منشأ لإباحة التصرف؛ اذ الاباحة ان كانت من المالك فالمفروض أنه لم يصدر منه إلا التملك، و ان كانت من الشارع فليس عليها دليل، و لم يشعر كلامهم بالاستناد الى نص فى ذلك، مع أن الغاء الشارع للآثر المقصود و ترتيب غيره بعيد جداً، مع أن التأمل فى كلامهم يعطى ارادة الاباحة المالكية لا الشرعية- و يؤيد ارادة الملك: أن ظاهر اطلاقهم ((اباحة التصرف)) شمولها للتصرفات التى لا تصح الا من المالك، كالوطى و العتق و البيع لنفسه، و التزامهم حصول الملك مقارناً لهذه التصرفات- كما اذا وقعت هذه التصرفات من ذى



الخيار أو من الواهب الذي يجوز له الرجوع، بعيد؛ و سيجي ما ذكره بعض الأساطين  
من أن هذا القول مستلزم لتأسيس قواعد جديدة۔

## ترجمہ

جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ مذکورہ عبارتوں میں سے اکثر کا ظہور عدم حصول ملک ہے۔  
بلکہ بعض میں تو صراحت تھی کہ معاطات مفید ملک نہیں ہے۔ جیسے خلاف (۱) سرائر (۲) تذکرہ (۳)  
اور قواعد میں (۴) ہے۔ ان تمام کے باوجود محقق ثانی اپنی کتاب جامع المقاصد (۵) میں ارشاد  
فرماتے ہیں۔ علماء کرام کی اباحت سے مراد ملک متزلزل ہے۔ پھر فرمایا۔ علماء امامیہ میں معروف یہ  
ہے کہ معاطات باقاعدہ بیع ہے اگرچہ بیع کی طرح عقد لازم نہیں ہے۔ البتہ یہ رائے ظاہر عبارت  
مفید کے خلاف ہے۔ (۶) نہایت میں مصنف (۷) صاحب کے علاوہ کسی شیعہ نے اسے بیع فاسد  
نہیں کہا۔ البتہ انہوں نے بھی اپنی بعد میں لکھی جانے والی کتب میں اس نظر یہ کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اللہ  
کا فرمان ”أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ“ (۸) بیع معاطات کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ یہ بالاتفاق بیع ہے حتیٰ کہ  
اسے فاسد کہنے والے بھی بیع شمار کرتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ معاطات بیع فاسد ہے۔ اور اللہ کا  
”إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ“ (۹) جیسا فرمان عمومیت رکھتا ہے اور ہر قسم کی تجارت  
کو شامل ہے۔ مگر یہ کہ کوئی چیز دلیل کی وجہ سے خارج ہو۔ (جیسے بیع ربوی وغیرہ)۔

(۳) تذکرہ ج ۱ ص ۴۶۲

(۲) سرائر ص ۲۱۴

(۱) خلاف ج ۲ ص ۱۸

(۶) مقننہ ص ۵۹۱

(۵) جامع المقاصد ج ۱ ص ۲۰۹

(۴) قواعد ج ۱ ص ۱۷۸

(۹) نساء آیت ۲۹

(۸) بقرہ آیت ۲۵۷

(۷) نہایت الاحکام ج ۲ ص ۴۴۹



تمام متاخرین اصحاب کی عبارات میں دیکھا جاسکتا ہے کہ معاطات اباحت کا فائدہ دیتی ہے۔ کسی ایک عین کے ختم ہو جانے سے عقد لازم بن جاتی ہے۔ یعنی ان کے نزدیک اول امر میں (ابتداء) عدم لازم ہے لیکن ایک عین کے ختم ہونے سے لزوم متحقق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ملکیت کے بغیر اباحت کا ہونا نادرست ہے۔ کیونکہ بیع معاطات کرنے والوں کا مقصد فقط ملک ہے۔ اگر ملک ہی حاصل نہ ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا اور عین میں تصرف ناجائز ہو جائے گا۔ حالانکہ اکثر علماء اسکے خلاف ہیں (وہ تصرف بھی جائز سمجھتے ہیں اور معاطات کو بیع فاسد بھی شمار نہیں کرتے)۔ نیز اباحت محضہ میں تو اصلاً ملک کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ پھر دوسرے کی عین ختم ہونے کے بعد اسے ملک کیسے حاصل ہو جائے گا؟ کیونکہ اقوال کی طرح افعال کی مراد پر صراحت کیساتھ دلالت ہی نہیں ہوتی۔ لہذا افعال قرآن کی مدد سے مقصود (ملکیت) پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے علماء معاطات میں لزوم عقد کو ممنوع سمجھتے ہیں۔ لہذا جب تک ممکن ہو ایک دوسرے چیز واپس لینا جائز ہے۔ البتہ ان میں سے ایک عین کے تلف کے بعد واپس لینا ممنوع ہے۔ اس صورت میں لزوم عقد متحقق ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل تھیں لہذا ایک عین کا بعض حصہ تلف ہونا ہی کافی ہے کہ باقی کا لوٹانا ممنوع ہو۔ کیونکہ جب کچھ حصہ ضائع ہو چکا ہے اور اب اسے لوٹایا جائے تو صفحہ کی تبغیض (چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے) اور مد مقابل کے لئے ضرر ہے۔ (اختتام کلام محقق کر کی)۔

اسی کی مثل عبارت ارشاد کے حاشیہ پر بھی نقل ہوئی ہے (۱) اس میں اتنا اضافہ ہے کہ متعاطیین کی معاطات سے مراد ایسی اباحت ہے جو عین کے مالک ہونے پر مرتب ہے۔ جیسا کہ باقی بیوع میں بھی یہی ہے۔ پس اگر ان کا مقصود (ملکیت) حاصل ہو جائے تو ہم نے جو کہا ہے وہ

(۱) مفتاح الکرامہ ج ۶ ص ۱۱۵۵ اور تعلق ارشاد مخطوط



ثابت ہو جائے گا۔ اگر اس طرح نہ ہو پھر حتماً کلی طور پر اباحت متحقق نہیں ہوئی۔ لہذا یقیناً فساد کا حکم لگایا جائے گا۔ کیونکہ مقصود (ملکیت) متحقق نہیں ہوا۔ اور اگر اس کا غیر (اباحت) متحقق ہو تو یہ بدون مقصد ہوگی۔ یہ باطل ہے۔ نیز اس کے صحت و فساد پر نماء اور جواز و طی جاریہ بھی متفرع ہے۔ یعنی اگر معاطات صحیح اور مفید ملک ہے تو نماء اور ثمرات عوضین بھی اسی کے ہونگے جس کی وہ چیز ملکیت ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو فقط مباح ہو تو نماء اور ثمرہ کا ان کیساتھ تعلق نہ ہوگا۔ نہ مشتری بائع کی چیز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے نہ بائع مشتری کی دی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہی معاملہ کنیز کا بھی ہے۔ لہذا جس نے اس سے منع کیا ہے گویا اس نے انتہائی عجیب و غریب کام کیا ہے۔ (اختتام کلام محقق ثانی ”در حاشیہ ارشاد) علماء کرام کے ظواہر کلمات کو اپنی حالت پر باقی رکھتے ہوئے جو میرے نزدیک قوی اور متین ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے معاطات میں حقیقت کے بغیر اباحت مجردہ کا حکم لگایا ہے حالانکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ متعاطین نے تملیک کا قصد کیا ہے۔ انشاء کیساتھ ابتداً اباحت حاصل نہیں ہوئی بلکہ یہ اس وقت حاصل ہوگی (جیسا کہ شہید ثانی نے بھی اپنی کتاب مسالک (۱) میں اس کا اعتراف کیا ہے) جب طرفین اپنی متعلقہ چیز کو دوسرے کے سپرد کریں اور اسے اس چیز پر مسلط قرار دے۔ اس کا لازمہ (چیز دینا اور اس پر مسلط قرار دینا) ہر قسم کا تصرف کرنے کا اذن و اجازت ہے۔

لہذا اس وقت جو کچھ علماء نے فرمایا ہے اس پر کوئی اشکال وارد نہ ہوگا۔ مگر محقق کرکی پر۔ کیونکہ انہوں نے اپنی گذشتہ عبارات میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ طرفین کا مقصود ملکیت ہے۔ اگر ملکیت ہی حاصل نہ ہو تو پھر اباحت تصرف کا کوئی منشاء و جہت نہ رہے گی۔ کیونکہ اباحت اگر مالک کی طرف سے ہے تو فرض یہ ہے کہ صرف تملیک کے حوالے سے صادر ہوئی ہے اباحت کے

(۱) مسالک الافہام فی شرح شرائع الاسلام ج ۱ ص ۱۶۹



حوالے سے نہیں۔ اور اگر شارع کی طرف سے ہو تو اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور نہ ہی علماء کے کلام میں اس کی طرف کوئی اشارہ موجود ہے کہ اس اباحت کے سلسلے میں علماء نے کسی نص یا خاص دلیل پر اعتماد کیا ہو۔ نیز یہ جداً بعید اور ناقابل قبول ہے کہ شارع مقصود متعالمین کو اساساً ملغہ قرار دے اور اسکی جگہ پر کسی اور اثر کو مترتب فرمائے۔ مزید یہ کہ علماء کی کلام میں دقت کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انکی مراد اباحت ملکیت ہے، نہ شرعیہ۔

ملکیت کے مقصود ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علماء کے کلام کے اطلاق کا ظاہر اباحت تصرف ہے۔ یہ ان تصرفات کو بھی شامل ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہیں۔ وطی، عتق اور اپنی ذات کیلئے بیع وغیرہ۔ حصول ملک ان تصرفات کے مقارن ہے۔ جیسا کہ یہ تصرفات ذی الخیار اور واہب کی طرف سے واقع ہوں تو ان کی طرف رجوع کرنا بھی جائز ہو۔ علماء کا اس رائے سے ملتزم ہونا بعید ہے۔ عنقریب تذکرہ ہوگا کہ بعض بزرگان نے فرمایا ہے کہ اسے قول کا لازمہ قواعد جدیدہ کی تائیس ہے۔

## حل عبارات

قوله: سوى المصنف في النهاية:؛ مصنف؛ سے مراد مصنف کتاب جامع المقاصد ہیں جنہوں نے مرحوم علامہ کی قواعد کی شرح لکھی ہے۔

قوله: و تلزم بذهاب احد العينين:؛ ذهاب؛ سے مراد تلف ہے۔

قوله: يريدون به عدم اللزوم:؛ به؛ کی ضمیر اباحت کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: فاذا لم يحصل:؛ لم تحصل؛ کی ضمیر مقصود متعالمین کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: كان بيعاً فاسداً:؛ كان؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔



قوله: منعوا من لزوم العقد بها:؛ منعوا؛ میں ضمیر فاعلی اصحاب کی طرف اور؛ بہا؛ کی ضمیر افعال کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: لان احدهما في مقابل الآخر:؛ احداہما؛ میں ضمیر تشنیہ عینین کی طرف لوٹ رہی

ہے۔

قوله: اذ هو موجب لتبعض الصفقة:؛ ہو؛ کی ضمیر تراذ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: و نحوه: ضمیر مجروری جامع المقاصد میں مرحوم محقق کرکئی کے قول کی طرف لوٹ

رہی ہے۔

قوله: المحكى عنه:؛ عنہ؛ کی ضمیر مرحوم محقق کرکئی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: على ملك الرقبة:؛ رقبہ؛ سے مراد عین مال ہے۔

قوله: فلو وقع غيره: یعنی غیر مقصود

قوله: و هو باطل:؛ ہو؛ کی ضمیر وقوع بغیر قصد کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: عليه يتفرع النماء؛ عليه؛ کی ضمیر کل واحد من الصحة والفساد کی طرف لوٹ رہی ہے

قوله: فقد اغرب: یعنی فقط اتی بشیء غریب۔

قوله: كل منهما: یعنی کل من المتعاطیین۔

قوله: سلعته: کلمہ؛ سلعہ؛ بکسر سین و سکون لام یعنی متاع

قوله: مسلطاً عليه: کلمہ؛ مسلطاً؛؛ کل منہما؛ سے حال ہے اور؛ عليه؛ کی ضمیر سلعہ کی طرف

لوٹ رہی ہے۔

قوله: انه لم يصدر منه:؛ انه؛ کی ضمیر ضمیر شان ہے اور؛ منه؛ کی ضمیر مالک کی طرف

لوٹ رہی ہے۔



قولہ: للآثر المقصود: یعنی مقصود متعاطیین اور وہ ملک ہے۔

قولہ: و ترتب غیرہ: اس سے مراد اباحت ہے۔

قولہ: ما ذکرہ بعض الاساطین: یعنی مرحوم کاشف الغطاء

## وضاحت

### جامع المقاصد میں محقق ثانی کا کلام

جہاں تک علماء کرام کا تعلق ہے تو انہوں نے کہا ہے کہ اس معاطات میں ہماری بحث ہو رہی ہے کہ جس میں متعاطیین تملکیت کا قصد کرتے ہیں۔ لیکن محقق ثانی جامع مقاصد میں کہتے ہیں کہ اس معاطات میں بحث ہو رہی ہے جہاں متعاطیین اباحت کا (یعنی ملک متزلزل) قصد کرتے ہیں۔ کیوں؟ وہ کہتے ہیں کہ علماء میں مشہور ہے کہ معاطات بیع ہے۔ لیکن بیع لازم نہیں۔ البتہ شیخ مفید کہتے ہیں کہ یہ بیع لازم ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ بیع فاسد ہے۔ ان کے علاوہ باقی سب لوگ کہتے ہیں کہ یہ بیع ہے، لیکن لازم نہیں۔ جب بیع ہے اور لازم نہیں، تو ہم دیکھیں گے کہ یہ کیا ہے؟

### قرآن سے استدلال

قرآن مجید کی آیت ﴿احل الله البيع﴾ عام ہے۔ جب کسی چیز کے متعلق شک ہوگا کہ اس کو بیع کہتے ہیں یا نہیں۔ ہم کہیں گے کہ اس کو بیع کہتے ہیں۔ لہذا جب بیع کہتے ہیں، تو ﴿احل الله البيع﴾ بتائے گا کہ یہ حلال ہے۔

قرآن مجید کی آیت ﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ﴾ ہے۔ اسی طرح ﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ بھی ہے کہ ایک دوسرے کا مال باطلانہ کھاؤ۔ ﴿إِلَّا أَنْ



تَكُونُ تَبَايَعًا عَنْ تَرَاضٍ ﴿۱﴾۔ یہاں تجارت ہے۔ عن تراض ہے۔ لہذا ہم کہیں گے کہ یہ بیع ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے بیع کہتے ہیں۔

### آیا لزوم ہے یا نہیں؟

سوال یہ ہے کہ جب بیع ہے۔ تو یہ کیسی ہے؟ یا تو آپ کہیں گے کہ ملکیت متحقق ہوگئی ہے۔ یا کہیں گے ملکیت متحقق نہیں ہوئی۔ اسلئے کہ اسمیں صیغہ وغیرہ نہیں ہیں۔ یا آپ یہ کہیں گے کہ اسمیں اباحت ہے۔ تو اباحت کا کوئی تگ نہیں۔ لہذا ہم کہیں گے کہ ملک، ملک متزلزل ہے۔ مفید اباحت اسلئے نہیں ہے کیونکہ جب دونوں اباحت کا قصد کر رہے ہیں (بائع اور مشتری) تو پھر کیا تگ ہے کہ جب ایک کا مال تلف ہو جائے گا تو یہ لازم ہو جائے گا۔ جب انہوں نے ملکیت کا قصد ہی نہیں کیا۔ تو لزوم کا کیا تگ ہے۔ کیا تصور کیا جاسکتا ہے کہ دو آدمی جب تصرف کرتے ہیں۔ تب بیع لازم ہو جائے گی۔ لازم ہونے کا تو کوئی تگ نہیں۔ لہذا اباحت اگر مقصود بالذات ہو تو ذہاب احد العینین یا تلف احد العینین سے لزوم کا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ لیکن اکثر علماء لزوم کے قائل ہیں۔ ہم اس سلسلے میں یہ کہیں گے کہ اصل میں مقصود معاوایة سے ملک متزلزل ہے۔ جب ایک طرف تلف ہو جائے گی۔ یا استعمال میں جائے گی۔ تب ملک متزلزل سے ملک لازم بن جائے گا۔ لہذا لزوم ملک متزلزل کے بعد تو آسکتا ہے۔ لیکن اباحت کے بعد نہیں آسکتا۔

### ملک متزلزل کیوں ہے؟

سوال یہ ہے کہ ہم اسکو ملک متزلزل کیوں کہتے ہیں؟ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ یہاں افعال ہیں۔ آپ نے پیسہ دیا ہے۔ اس نے مال دیا ہے۔ یہ قول نہیں ہے۔ افعال اتنی دلالت نہیں کرتے کہ بیع، بیع لازم ہو جائے۔ لہذا افعال کی وجہ سے بیع لازم نہیں ہوتی۔ یہاں تراد بھی جائز ہے۔ تراد کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے ایک چیز لی ہے۔



اسمیں افعال سے کام لیا ہے۔ اقوال سے کام نہیں لیا۔ صیغہ نہیں پڑھا گیا۔ اگر آپ کو پسند نہیں یا اسکو پسند نہیں ہے، چیز واپس کر سکتے ہیں۔ چونکہ افعال، اقوال والا کام نہیں کر سکتے۔ ہم یہ کہیں گے کہ بیع معاطات کو اتنا گیا گزرا بھی نہ سمجھا جائے کہ اباحت کے قائل ہو جائیں۔ بلکہ کچھ نہ کچھ یہ بیع ہے۔ اسمیں آپ ملکیت کے قائل ہوں۔ اور ملکیت بھی ملک متزلزل ہے۔

### تعلیقہ ارشاد میں محقق ثانی کا کلام:

اسکے علاوہ محقق کرکی نے قواعد پر ایک حاشیہ لکھا ہے۔ اسمیں بھی یہ کہتے ہیں کہ درحقیقت اشیاء کی ملکیت پر مقصود متعاطین، اباحت مترتبہ ہے۔ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ اباحت مترتب ہو جائے اور ملکیت بھی ہو جائے۔ اگر انکا مقصود حاصل ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ وگرنہ اباحت ان کو مل جائے گی۔ اس طرح مقصود حاصل ہو جائے گا۔ چونکہ یہ معاطاة ہے تو ایسی صورت میں ملکیت، ملکیت متزلزلہ ہے۔ ملکیت متزلزلہ کی وجہ سے اس میں اباحت پائی جاتی ہے۔ ملکیت تامہ نہیں پائی جاتی۔

### محقق ثانی پر اشکال:

شیخ صاحب کہتے ہیں کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں: علماء کرام کے اقوال سے ملکیت متزلزلہ نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ ان سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ مقصود ملکیت ہے، نہ کہ ملک متزلزل۔ لیکن چونکہ شرائط مکمل نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں اباحت آگئی ہے۔ اور بعد میں لزوم حاصل ہو جاتا ہے۔ ملک متزلزل کے ساتھ اسکی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر وجہ ہو سکتی ہے تو وہ محقق کرکی کا قول ہے کہ جسمیں وہ کہتے ہیں کہ ملکیت تو ہے نہیں، صرف اباحت کا قصد کریں۔ اگر وہ بھی نہیں ہے تو ملکیت لازم نہیں ہو سکتی۔ چونکہ صیغہ وغیرہ نہیں ہے۔ لہذا ملکیت متزلزل ہے۔ شیخ صاحب کہتے ہیں کہ انکی یہ دلیل ٹھیک نہیں ہے۔ ہم ابھی تک اقوال میں بحث کر رہے۔ سب علماء تملیک کا کہہ رہے ہیں۔ ملک متزلزل کا کسی نے نہیں کہا۔



# بارہواں درس

محقق ثانی کے مشہور پراسکال کا جواب  
کیا قول بالا بابت حقیقت میں بیج ہے؟  
اقوال میں بعد اور دوری







## بارہواں درس

لكن الانصاف: أن القول بالتزامهم لهذه الامور اھون من توجيه كالماتھم؛ فإن هذه الامور لا استبعاد في التزامها اذا اقتضى الاصل عدم الملكية، ولم يساعد عليها دليل معتبر، اقتضى و الدليل صحة التصرفات المذكورة؛ مع أن المحكى عن حواشي الشهيد على القواعد: المنع عما يتوقف على الملك كاخراجه في خمس او زكاة، و كوطى الجارية۔ و مما يشهد على نفي البعد عما ذكرنا من ارادتهم الاباحة المجردة مع قصد المتعاطين التمليك: أنه قد صرح الشيخ في المبسوط و الحلبي في السرائر كظاهر العلامة في القواعد، بعدم حصول الملك باهداء الهدية بدون الايجاب و القبول و لو من الرسول، نعم يفيد ذلك اباحة التصرف، لكن الشيخ استثنى و طى الجارية۔

ثم إن المعروف بين المتأخريين: أن من قال بالاباحة المجردة في المعاطاة، قال: أنها ليست بيعاً حقيقةً، كما هو ظاهر بعض العباير المتقدمة و معقد اجماع الغنية۔ و ما أبعد ما بينه و بين توجه المحقق الثاني من ارادة نفي اللزوم؛ و كلامها خلاف الظاهر۔

و يدفع الثاني: تصريح بعضهم بأن شرط لزوم البيع منحصر في مسقطات الخيار، فكل بيع عنده لازم من غير جهة الخيارات، و تصريح غير واحد بأن الايجاب و



القبول من الشرائط صحة انعقاد البيع بالصيغة

و أما الاول فان قلنا: بأن البيع عند المشرعة حقيقة في الصحيح - و لو بناءً على ما قدمناه في آخر تعريف البيع من أن البيع في العرف اسم للمؤثر منه في النقل، فإن كان في نظر الشارع أو المشرعة من حيث إنهم مشرعة متد ينون بالشرع، صحيحاً مؤثراً في الانتقال، كان بيعاً حقيقياً و إلا كان صورياً، نظير بيع الهازل في نظر العرف - فيصح على ذلك نفي البيعة عنه على وجه الحقيقة في كلام كل من اعتبر في صحته الصيغة، أو فسرة بالعقد، لأنهم في مقام تعريف البيع بصدد بيان ما هو المؤثر في النقل في نظر الشارع -

## ترجمہ

مرحوم شیخ فرماتے ہیں:

انصاف یہ ہے کہ علماء اعلام کی کلمات کی توجیہ کی نسبت قواعد جدیدہ کی تأسس پر ملتزم ہونا آسان ہے۔ لہذا ان امور پر مستلزم ہونا بعید نہیں ہے یعنی اباحت سے مراد ملک متزلزل ہے اور اصل عدم ملکیت کا تقاضا کرتی ہے۔ اور دوسری طرف افادہ ملک پر کوئی دلیل معتبر بھی نہیں ہے جو ہماری مساعدت کرے جبکہ دوسری طرف ادلہ صحیحہ جواز تصرف کا کہہ رہی ہوں۔ اس کیساتھ ساتھ قواعد پر حواشی شہید کے حوالے سے حکایت کی گئی ہے۔ کہ وہ تصرفات جو ملک پر موقوف ہیں وہ صحیح نہیں ہیں جیسے خمس و زکات کا نکالنا۔ لونڈی سے وطی کرنا۔

یہ کلام وضاحت کر رہا ہے کہ معاطات میں ملکیت نہیں آئی ہے۔ وگرنہ اس قسم کے تصرف



سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ہمارے کلام کے بعید نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ نیز مرحوم شیخ طوسی نے کتاب مبسوط میں، علامہ حلی نے سرائر میں اور علامہ نے قواعد میں صراحت کیساتھ فرمایا ہے کہ جس ہدیہ میں ایجاب و قبول نہ ہوا۔ حتی پیغام لانے والے کی طرف سے بھی ایجاب و قبول نہیں ہوا۔ وہ (لونڈی) ملک نہیں بنی لہذا قہراً اس سے وطی بھی ناجائز ہے۔ البتہ یہ مفید ملک (کا فائدہ دیتی) ہے۔ لیکن شیخ طوسی نے وطی جاریہ کا اس سے استثناء کیا ہے۔ کہ وطی نہیں ہو سکتی باقی تصرفات ہو سکتے ہیں۔

متاخرین کے نزدیک یہ معروف ہے کہ جو معاطات میں اباحت مجردہ کا کہتا ہے وہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہ حقیقت میں بیع نہیں ہے۔ جیسا کہ گذشتہ بعض عبارتوں اور غنیۃ کے دعویٰ اجماع سے یہی ظاہر ہے۔

لہذا اس کلام اور محقق کرکی کے اس کلام میں کس قدر فاصلہ پایا جاتا ہے کہ معاطات عقد لازم نہیں ہے بلکہ اسکا نتیجہ ملک متزلزل ہے۔ بہر حال دونوں کلام خلاف ظاہر ہیں۔ محقق کرکی کی بات اس لیے (مدفوع ہے) کہ بعض علماء نے صریحاً فرمایا ہے کہ لزوم بیع کی شرط مسقطات خیار میں منحصر ہے۔ لہذا اختیارات کے علاوہ ہر قسم کی بیع لازم ہے۔ نیز بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ ایجاب اور قبول صحت انعقاد بیع کی شرائط ہیں۔ (یعنی ایجاب و قبول کے بغیر بیع صحیح نہیں ہے۔ جبکہ ہو سکتا ہے لازم ہو)۔

اور جہاں تک پہلے کلام کا تعلق ہے کہ معاطات بیع نہیں ہے یہ بھی خلاف ظاہر ہے کیونکہ اگر ہم اس کے معتقد ہوں کہ متشرعیہ کے نزدیک اگر بیع صحیح ہے تو حقیقت ہے وگرنہ نہیں۔ حتی کہ اس جگہ بھی یہی کہیں۔ جیسا کہ ہم تعریف میں پہلے کہہ چکے ہیں کہ بیع عرف میں نقل و انتقال کے موثر ہونے کا نام ہے۔



لہذا اگر یہی معاطات شارع یا متشرعہ (کہ دین کے متدین اور پابند شریعت ہیں) کے نزدیک صحیح اور نقل و انتقال میں مؤثر شمار ہو تو بیع حقیقی شمار ہوگی وگرنہ عرف میں ہازل کی بیع طرح فقط بیع صوری ہوگی۔ لہذا کہا جاسکتا ہے۔ جو عالم دین بیع میں صیغہ کو معتبر سمجھتا ہے اور لفظ بیع کی عقد کیساتھ تفسیر کرتا ہے۔ اس نے معاطات میں اس بات کی نفی کی ہے کہ یہ بیع حقیقی ہے۔ کیونکہ بیع کی تعریف میں ان کا مقصد اس چیز کو بیان کرنا ہے کہ جواز نظر شارع نقل و انتقال میں مؤثر ہو۔

## حل عبارات

قولہ: و لم يساعد عليها دليل:؛ علیہا؛ کی ضمیر ملکیت کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: نعم يفيد ذلك: مشاڑ الیہ؛ ذلک؛ اہداء ہدیہ بدون ایجاب و قبول ہے۔  
 قولہ: و ما ابعدها بينه:؛ بينه؛ کی ضمیر کلام معروف بین متأخرین کی طرف لوٹ رہی

ہے۔

قولہ: و يدفع الثاني:؛ ثانی؛ سے مراد توجیہ محقق ثانی ہے۔  
 قولہ: فكل بيع عنده لازم:؛ عنده؛ کی ضمیر بعضہم کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: و تصریح غیر واحد الخ: اس کا عطف تصریح بعضہم و تقدیر کلام و يدفع الثاني تصریح غیر واحد ہے۔

قولہ: و اما الاول:؛ اول؛ سے مراد کلام معروف بین متأخرین ہے۔  
 قولہ: فيصح على ذلك: مشاڑ الیہ؛ ذلک؛ کون المعاطاة بیعاً صوریاً ہے۔  
 قولہ: كل من اعتبر في صحته:؛ صحته؛ کی ضمیر بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔



قولہ: او فسرہ بالعقد:؛ فسرہ؛ کی ضمیر منصوبی بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

## وضاحت

محقق مانی کے مشہور پراشکال کا جواب:

علماء کرام کے اقوال کی توجیہ کرنا کہ وہ ملکیت کے متعلق نہیں کہہ رہے، یہ مشکل ہے۔ واضح ہے سب ملکیت کے قائل ہیں۔ مزید یہ کہ انسان غور و فکر کرے تو اور ادلہ بھی ہیں، جن سے ملکیت سمجھی جاسکتی ہے مثلاً

(۱) آپکو شک ہوگا کہ پہلے کا ملک برقرار ہے یا نہیں۔ تو پہلے کے ملک کا استحباب کر سکتے

ہیں۔

(۲) اس (دوسری) ملکیت پر کوئی معتبر دلیل قائم نہیں۔ لہذا پہلی ملکیت کو لیں گے۔

(۳) صحت تصرفات کے متعلق دلیل موجود ہے۔

لہذا ہم بھی یہی کہیں گے کہ جو کچھ علماء کے اقوال سے سمجھا گیا ہے، یہی صحیح ہے۔ لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں، جنہوں نے معاملہ کو آگے بڑھا دیا ہے۔ ہم نے تو فقط یہ کہا تھا کہ ملکیت تو نہیں ہے، لیکن تصرفات مباح ہیں۔

کیا قول بالا بابت حقیقت میں بیع ہے؟

یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اسے تصرفات بھی نہیں کر سکتے جو متوقف علی الملک ہوں۔ مثلاً جار یہ خریدی ہے۔ اسکے ساتھ جماع کرنا درست نہیں ہے۔ غلام خریدا ہے اسکو آزاد کر دینا صحیح نہیں ہے۔ ان تصرفات سے اس لئے منع کیا ہے کیونکہ یہ تصرفات ملکیت پر موقوف ہوتے ہیں، یہاں



ملکیت نہیں ہے بلکہ اباحت ہے۔

وہ علماء کرام جو معاطات میں اباحت کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ معاطات حقیقتاً بیع ہی نہیں۔ محقق ثانی اسکو بیع لازم کے قریب قرار دیتے تھے۔ یعنی ملک متزلزل کے قائل تھے۔

### اقوال میں بعد اور دوری

ان دونوں اقوال میں کس قدر بعد ہے؟۔ ایک کہتے ہیں کہ بیع نہیں۔ دوسرے کہتے ہیں۔ ملکیت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جہاں تک محقق ثانی کا تعلق ہے۔ بیع کو لازم قرار دینا انکے لئے مشکل ہے۔ لیکن جو چیزیں پائی جاتی تھیں انکو مد نظر رکھا جائے تو بیع کو لازم ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ بیع کے لزوم اور عدم لزوم میں جس وقت بحث ہوتی ہے تو اصل میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ بیع کا صیغہ جاری ہے۔ جریان کا مطلب یہ ہے کہ خیار کے علاوہ بیع لازم ہے۔ لہذا بیع کے لزوم میں کوئی کمی تو نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ بیع لازم نہیں ہے۔

دوسری طرف دوسرے علماء کے اقوال ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بیع ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جہاں تک لوگوں کا تعلق ہے، وہ اسکو مؤثر سمجھتے ہیں۔ البتہ جہاں تک شریعت کا تعلق ہے۔ اگر اس نے بھی مؤثر سمجھا تو ٹھیک ہے۔ وگرنہ یہ بیع صوری ہوگی۔



# تیرہواں درس

معاطات میں اقوال

(۱) لزوم (۲) لزوم بشرط تراخی

(۳) لزوم نہیں لیکن ملکیت متزلزلہ ہے

(۴) اباحت مطلق

(۵) فقط ایسے تصرفات مباح ہیں جو ملکیت پر موقوف نہیں ہیں۔

(۶) عدم اباحت مطلقا

مشہور کی رائے

صاحب تحریر الاحکام کی رائے

اہلسنت کی رائے







## تير هواں درس

إذا عرفت ما ذكرنا، فالأقوال في المعاطاة على ما يساعده ظواهر كلما تهم

سته:

اللزوم مطلقاً؛ كما هو ظاهر عن المفيد. ويكفي في وجود القائل به قول العلامة (رحمه الله) في التذكرة: الأشهر عندنا أنه لا بد من الصيغة.

و اللزوم بشرط كون الدال على التراضى أو المعاملة لطفياً؛ حكى عن بعض معاصري الشهيد الثانى و بعض متأخرى المحدثين، لكن فى عد هذا من الأقوال فى المعاطاة، تأمل.

و الملك الغير اللازم؛ ذهب إليه المحقق الثانى، و نسبه الى كل من قال بالاباحة. و فى النسبة ما عرفت.

و عدم الملك مع اباحة جميع التصرفات حتى المتوقف على الملك كما هو ظاهر عبائر كثيرة بل ذكر فى المسالك: ان كل من قال بالاباحة يسوّغ جميع التصرفات

اباحة ما لا يتوقف على الملك؛ و هو الظاهر الكلام المتقدم عن حواشى الشهيد على القواعد، و هو المناسب لما حكيناه عن الشيخ فى إهداء الجارية من دون ايجاب و قبول.



و القول بعدم إباحة التصرف مطلقاً؛ نسب إلى ظاهر النهاية، لكن ثبت رجوعه عنه في غيرها.

والمشهور بين علما لنا: عدم ثبوت الملك بالمعاطاة و أن قصد المتعاطيان بها التمليك، بل لم نجد قائلًا به الى زمان المحقق الثاني الذي قال به انتهى، و لم يقتصر على ذلك حتى نسبه الى الاصحاب.

نعم ربما يوهمه ظاهر عبارة التحرير، حيث قال فيه: الأقوى أن المعاطاة غير لازمة، بل لكل منهما فسخ المعاوضة ما دامت العين باقية، فان تلفت لزمتم؛ و لذا نسب ذلك اليه في المسالك.

لكن قوله بعد ذلك: ((و لا يحرم على كل منهما الانتفاع بما قبضه، بخلاف البيع الفاسد)) ظاهر في أن مراده مجرد الانتفاع، اذ لا معنى لهذه العبارة بعد الحكم بالملك.

وأمر قوله ((و الأقوى---أولى آخره)) فهو إشارة إلى خلاف المفيد و العامة القائلين باللزوم؛ و الطلاق ((المعاوضة)) عليها باعتبار ما قصده المتعاطيان، و اطلاق ((الفسخ)) على ((الرد)) بهذا الاعتبار أيضاً، و كذا ((اللزوم)).

و يؤيد ما ذكرنا، بل يدل عليه: أن الظاهر من عبارة التحرير في باب الهبة توقفها على الإيجاب و القبول؛ ثم قال: وهل يستغنى عن الإيجاب و القبول في هدية الأتعمة؟

الأقرب عدمه، نعم يباح التصرف بشاهد الحال؛ انتهى - و صرح بذلك أيضاً في الهدية - فإذا لم يقل في الهبة بصحة المعاطاة فكيف يقول بها في البيع!؟ -



## ترجمہ

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے جب آپ اسے جان چکے ہیں تو علماء کرام کے کلمات کے ظواہر سے معلوم ہوتا ہے کہ معاطات میں چھ اقوال ہیں:

(۱) معاطات مطلقاً بیع لازم ہے۔ جیسا کہ شیخ مفید (۱) کے کلمات سے یہی ظاہر ہے۔ اس قول کے قائل کیلئے علامہ کا تذکرہ (۲) میں یہی کہنا ہی کافی ہے۔ ہمارے نزدیک مشہور تر یہی ہے کہ اسکے لیے صیغہ کا ہونا ضروری ہے۔ (یعنی اشہر کے مقابلے میں غیر اشہر موجود ہے جو صیغہ کو ضروری نہیں سمجھتا اور معاطات کو بیع لازم شمار کرتا ہے۔)

(۲) معاطات اس وقت عقد لازم ہے جب اسمیں تراضی ہو یا معاملہ لفظاً ہو۔ اس قول کی شہید ثانی کے بعض معاصرین (۳) اور محدثین متاخرین (۴) سے حکایت ہوتی ہے۔ البتہ اس قول کو معاطات میں شمار کرنا تاہل ہے۔

(۳) معاطات ملک غیر لازم ہے۔ اسکے قائل محقق ثانی (۵) ہیں اور انہوں کی اس قول کی نسبت ہر اس شخص کی طرف دی ہے جو اباحت کا قائل ہے۔

(۲) تذکرۃ الفقہاء ج ۱ ص ۴۶۲

(۱) مقننہ ص ۵۹۱

(۳) یہ سید حسین بن سید جعفر الکرکی ہیں انہوں نے اپنی کتاب مجتہ البیضاء میں یہی کہا ہے جیسا کہ مفتاح الکرامۃ نے بھی یہی کہا ہے ج ۴ ص ۱۵۶

(۴) ان سے مراد شیخ یوسف بحرانی ہیں۔ حدائق الناظرۃ ج ۱۸ ص ۳۵۵

(۵) جامع المقاصد ج ۴ ص ۵۸



(۴) ملکیت نہ آنے کے باوجود تمام تصرفات مباح ہیں حتیٰ کہ وہ تصرفات بھی مباح ہیں جو ملکیت پر موقوف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اکثر عبارتوں سے یہی ظاہر تھا۔ بلکہ مسالک (۱) میں ذکر کیا گیا تھا کہ جو اباحت التصرف کا کہتا ہے وہ تمام تصرفات کو جائز قرار دیتا ہے۔

(۵) فقط ان تصرفات میں اباحت ہے جو ملکیت پر موقوف نہیں ہیں۔ یہ قول گذشتہ بیان شدہ کلام شہیدؒ سے ظاہر ہوتا ہے جسے انہوں نے قواعد کے حواشی پر ذکر کیا۔ نیز یہ قول اسکے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہے جیسے شیخؒ کے حوالے سے پہلے نقل کر چکے ہیں کہ ایجاب و قبول کے بغیر لونڈی کو ہدیہ کے طور پر دینا، وطی کو حلال نہیں کرے گا۔

(۶) کسی قسم کا تصرف مباح نہیں ہے۔ اسکی نسبت النہایۃ (۲) کی طرف دی گئی ہے۔ لیکن دوسری کتب میں انہوں نے اس قول سے رجوع کیا ہے۔ یعنی اس قول کو چھوڑ دیا ہے۔ ہمارے علماء کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ معاطات کی صورت میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ حتیٰ لینے اور دینے والے معاطات کا قصد ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ محقق کرکئی کے زمانے تک کوئی اسکا قائل بھی نہ تھا۔ محققؒ نے ہی آکر ملکیت کا کہا ہے۔ انہوں نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا کہ خود قائل ہوئے ہیں بلکہ دوسروں کی طرف بھی اس قول کی نسبت دی ہے۔

ہاں۔ تحریر الاحکام (۳) کی عبارت سے بھی اسی قول کا وہم ہوتا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے فرمایا۔ اتوی یہ ہے کہ معاطات عقود غیر لازمہ سے ہے۔ بلکہ جب تک عین باقی ہے دونوں (لینے

(۱) مسالک الافہام ج ۱ ص ۱۷۰

(۲) نہایۃ الاحکام ج ۲ ص ۴۴۹

(۳) تحریر الاحکام ج ۱ ص ۱۶۴



اور دینے والے) فسخ کر سکتے ہیں۔ اگر عین تلف ہو جائے تو عقد لازم ہو جائے گا۔ (اختتام کلام  
تحریر الاحکام۔)

اسی وجہ سے مسالک (۱) نے اسی قول کی نسبت صاحب تحریر کی طرف دی ہے۔  
لیکن چونکہ صاحب تحریر اس کے بعد فرماتے ہیں ان دونوں پر اپنے قبضے میں لی گئی عین  
سے استفادہ کرنا حرام نہیں ہے۔ بخلاف بیع فاسد کے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی مراد فقط  
انتفاع و استفادہ ہے۔ کیونکہ اگر وہ ملکیت کے قائل ہوتے تو اس عبارت کو کوئی معنی ہی نہ تھا۔  
اور جہاں تک ان کا اقوی سے آخر تک کی عبارت کا تعلق ہے۔ یہ شیخ مفید اور عامہ اور عامہ  
سے اختلاف کو بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں لزوم کے قائل ہیں۔ لہذا معاوضہ کا اطلاق متعاطین  
کے قصد کے عنوان سے ہے۔ اور فسخ کا رد پر اطلاق بھی اس معنی میں ہے۔ اور لفظ لزوم بھی اسی عنوان  
سے استعمال ہوا ہے۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اسکی تائید بلکہ دلیل یہ ہے کہ باب ہبہ میں تحریر الاحکام کی عبارت  
سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایجاب و قبول پر موقوف ہے۔ پھر فرمایا۔ کیا ہدایا اطعمہ (کھانے پینے کی چیزوں  
کو ہدیہ کے طور پر دینا) میں ہم ایجاب و قبول سے بے نیاز ہیں یا نہیں؟ اقرب اور اصل عدم بے  
نیازی ہے۔ لہذا ایجاب و قبول کے بغیر اسمیں ملکیت تو متحقق نہ ہوگی۔ البتہ قرینہ حالیہ (جس نے  
کھانے کی چیز ہدیہ میں دی ہے وہ قطعی طور پر اس کے کھانے پر راضی ہے) بتاتا ہے کہ اسمیں تصرف  
کرنا جائز ہے۔ نیز علامہ نے ہدیہ کے متعلق اسی رائے کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ (۲) جب وہ ہدیہ  
میں معاطات کے صحیح نہ ہونے کے قائل ہیں تو بیع میں کیسے صحیح ہونے کا کہہ سکتے ہیں۔



## حل عبارات

قولہ: اللزوم مطلقاً: خواہ تراضی نفس فعل اور اعطاء پر دلالت کرے خواہ لفظ ہو۔

قولہ: کون الدال علی التراضی او المعاملة لفظاً: لفظ سے وہ الفاظ مراد ہیں جو عقد میں معتبر نہیں ہیں۔

قولہ: تأمل: وجہ تأمل یہ ہے کہ معاطات وہ ہے جس میں ایجاب و قبول مطلقاً لفظ نہیں ہے بلکہ فقط فعل ہے۔

قولہ: لم نجد قائلًا به:؛ بہ؛ کی ضمیر تملیک کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: الذی قال به:؛ بہ؛ کی ضمیر تملیک کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و لم يقتصر علی ذلك:؛ مثلاً الیہ؛ ذلک؛ تملیک کا قائل ہونا ہے۔

قولہ: حتی نسبة الی الاصحاب:؛ نسبة؛ میں ضمیر منصوبی تملیک کے قائل ہونے کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فان تلفت لزمت:؛ تلفت؛ کی ضمیر عین اور؛ لزمت؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و لذا نسب ذلك الیہ فی المسالك:؛ مثلاً الیہ؛ ذلک؛ ملکیت کا قائل ہونا ہے اور؛ الیہ؛ میں ضمیر مجروری مرحوم ابن ادریس کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لکن قوله بعد ذلك:؛ قوله؛ کی ضمیر ابن ادریس کی طرف لوٹ رہی ہے اور مثلاً الیہ؛ ذلک؛ الاقوی ان المعاطاة غیر لازمة ہے۔



قوله: اذ لا معنى لهذه العبارة الخ:؛ هذه العبارة؛ سے مراد ولا محرم علی کل منہما الانتفاع بما قبضہ ہے۔

قوله: و اما قوله: یعنی و اما قول ابن ادریس۔

قوله: و اطلاق المعاوضة علیها:؛ علیہا؛ کی ضمیر معاطاة کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: و يؤید ما ذکرنا:؛ ما ذکرنا؛ سے مراد یہ ہے کہ مشہور قائل بہ اباحہ ہیں نہ کہ ملک۔

قوله: توقفها علی الايجاب و القبول:؛ توقفها؛ کی ضمیر ہبہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: الاقرب عدمه: یعنی عدم الاستغناء۔

قوله: بشاهد الحال: یعنی قرینہ حالیہ

قوله: و صرح بذلك: مشاراً الیہ؛ ذلک؛ عدم استغناء ایجاب و قبول ہے۔

قوله: فيكف يقول بها في البيع:؛ بیع؛ کی ضمیر صحۃ المعاطاة کی طرف لوٹ رہی ہے۔

## وضاحت

### معاطات میں اقوال

معاطات میں چھ (۶) اقوال ہیں۔

### لزوم

(۱) لزوم مطلق، خواہ تراضی ہو یا نہ ہو: مفید علیہ رحمہ کہتے ہیں کہ اس سے ملکیت لازمہ سمجھی

جاتی ہے۔

لزوم بشرط تراضی



(۲) لزوم بشرطیکہ تراضی: تاکہ کہا جاسکے کہ معاملہ کیلئے لفظ موجود ہے۔ البتہ اسے معاطات میں شمار کرنا باعث تامل ہے۔ کیونکہ جب خریدار نے چیز کی قیمت پوچھی، اور بیچنے والے نے بتائی، واضح ہے کہ اس کو ایجاب و قبول نہیں کہتے۔ اور اگر اسے لفظ ایجاب و قبول بھی کہیں تب بھی اسے معاطات نہیں کہیں گے۔

لزوم نہیں بلکہ ملکیت متزلزلہ ہے۔

(۳) لزوم تو نہیں ہے لیکن ملکیت متزلزلہ (ملکیت غیر لازم) ہے۔ اسکے قائل محقق ثانی ہیں۔ اور محقق ثانی سے پہلے اسکا کوئی قائل نہیں تھا۔ البتہ محقق نے اباحت کہنے والے ہر عالم کی اس قول کی طرف نسبت دی ہے۔

اباحت مطلق

(۴) اباحت مطلق: یعنی ملک تو نہیں ہے لیکن تمام تصرفات مباح ہیں۔ کوئی تصرف <sup>مشغی</sup> نہیں ہے۔ کافی علماء اس قول کے قائل ہیں۔

فقط ایسے تصرفات مباح ہیں جو ملکیت پر موقوف نہیں ہیں

(۵) اباحت یعنی عدم ملک تو ہے لیکن ایسے تصرفات مباح ہیں، جو موقوف علی ملک نہیں۔

عدم اباحت مطلق

(۶) عدم اباحت مطلق: خواہ موقوف علی الملک ہو یا نہ ہو۔

مشہور کی رائے

ہم نے دیکھنا ہے کہ ان میں سے کونسا قول مشہور ہے۔ بہر حال عام طور پر عدم ملک کو لیا گیا ہے کہ معاطات میں ملکیت نہیں ہوتی۔ حتیٰ لینے اور دینے والے ملکیت کا قصد بھی رکھتے ہوں تب بھی



ملکیت نہیں ہوتی۔ اور محقق ثانی کے علاوہ کوئی اس کا قائل بھی نہیں ہے۔ پہلے شخص محقق ثانی ہیں جو ملکیت غیر لازم کے قائل ہیں۔ نہ فقط یہ خود قائل ہیں۔ بلکہ انہوں نے دوسرے علماء کی بھی اس قول کی طرف نسبت دی ہے۔

### صاحب تحریر الاحکام کی رائے

البتہ تحریر الاحکام کی ایک عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی ملک غیر لازم کے قائل ہیں۔ مثلاً تحریر الاحکام میں ہے کہ معاطات عقد لازم نہیں ہے۔ بلکہ بائع اور مشتری دونوں اس کو فسخ کر سکتے ہیں۔

یہ کہنا کہ معاطات عقد لازم نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ملکیت کے قائل ہیں۔ اور یہ کہنا کہ وہ فسخ کر سکتے ہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملکیت کے قائل ہیں۔ مزید انکا یہ کہنا کہ جب چیز تلف ہو جائے گی تو عقد لازم ہو جائے گا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملکیت کے قائل ہیں۔

اسی لئے صاحب مسالک نے صاحب تحریر الاحکام کی طرف اس قول کی نسبت دی ہے کہ وہ ملک غیر لازم کے قائل ہیں۔

لیکن صاحب تحریر الاحکام کی عبارت سے یہ وہم ضرور ہوتا ہے کہ وہ ملکیت کے قائل ہیں۔ جبکہ بعد والی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ مثلاً انہوں نے کہا ہے کہ جو کچھ ان کے قبضہ میں ہے، ان کے لئے اس سے نفع لینا حرام نہیں ہے۔ ظاہر ہے جب بیع ہو جائے تو نفع حاصل کرنا کیسے حرام ہو سکتا ہے؟ (البتہ بیع فاسد میں چونکہ اجازت ہوتی ہے لہذا نفع حاصل ہو سکتا ہے) گویا اسکو بیع سمجھتے ہیں۔ اسکے علاوہ کچھ اور کلمات بھی ہیں۔

اہلسنت کی رائے



سوال یہ ہے کہ یہ اسکے کیوں قائل ہوئے ہیں؟

فرماتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ یہ شیخ مفیدؒ کی مخالفت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ شیخ مفیدؒ اور اہلسنت لزوم کے قائل ہیں۔ لہذا انہوں نے کہہ دیا ہے کہ لازم نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ صاحب تحریر نے اس پر معاوضہ کا اطلاق تو کیا ہے؟

فرماتے ہیں:

معاوضہ کا اطلاق اس لئے کیا ہے کہ متعاطیان معاوضہ اور فسخ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے کہا ہے کہ وہ اسے معاوضہ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے فسخ کیا گیا ہے۔ بہر حال جو اشارے ملتے تھے کہ صاحب تحریر ملک کے قائل ہیں۔ انکی بھی نفی ہوگی ہے۔ لہذا نتیجہ یہی نکلا کہ محقق ثانی کے علاوہ ابھی تک کوئی بھی ملکیت غیر لازمہ کا قائل نہیں ہے۔

البتہ علامہؒ کی کتاب تحریر میں عبارت ہے۔ جس میں ہبہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ہدیہ اطعمہ میں ایجاب و قبول ضروری ہے یا نہیں۔ فرمایا ہے نہیں۔ البتہ اطعمہ (کھانے پینے کی چیزوں) میں جب ہدیہ دیا جائے تو تصرف ہو سکتا ہے۔

ظاہر ہے جب ہبہ میں (جو کہ عقد جائز ہے) ایجاب و قبول کے بغیر لزوم کے قائل نہیں ہیں تو بیع میں کیسے قائل ہو سکتے ہیں۔



# چودھواں درس

حصول ملکیت کے لئے اولہ

سیرت سے استدلال

آیت احل اللہ لیبیع سے استدلال

آیت تجارت سے استدلال

حدیث سلطنت سے استدلال اور اس پر اشکال

دونوں آیات کی دلالت میں اشکال







## چودھواں درس

وذهب جماعة تبعاً للمحقق الثاني إلى حصول الملك، ولا يخلو عن قوّة؛  
للسيرة المستمرة على معاملة المأخوذة بالمعاطاة معاملة الملك في التصرف فيه بالعتق  
و البيع و الوطى و الإيصاء و توريثه، و غيره ذلك من آثار الملك؛ و يدل عليه أيضاً:  
عموم قوله تعالى: (و احل الله البيع) حيث انه يدل على حلية جميع التصرفات المترتبة  
على البيع، بل قد يقال: بأن الآية دالة عرفاً بالمطابقة على صحة البيع، لا مجرد الحكم  
التكليفى - لكنه محل تأمل - و أمّا منع صدق البيع عليه عرفاً فمكابرةٌ  
و أما دعوى الاجماع فى كلام بعضهم على عدم كون المعاطاة بيعاً كابن  
زهرية فى الغنية، فمرادهم بالبيع: المعاملة اللازمة التى هى إحدى العقود؛ و لذا صرح  
فى الغنية بكون الإيجاب و القبول من شرائط صحة البيع -

و دعوى: أن البيع الفاسد عندهم ليس بيعاً، قد عرفت الحال فيها -

و مما ذكر يظهر وجه التمسك بقوله تعالى: (إلا أن تكون تجارة عن تراض)  
و أمّا قوله: ((الناس مسلطون على أموالهم)) فلا دلالة فيه على المدعى؛ لأن  
عمومه باعتراف أنواع السلطنة، فهو انما يجدى فيما اذا شك فى أن هذا النوع من  
السلطنة ثابتة للمالك و ماضية شرعاً فى حقه أم لا؟ أما اذا قطعنا بأن سلطنة خاصه  
كتمليك ماله للغير، نافذة فى حقه، ماضية شرعاً، لكن شك فى أن هذا التمليك الخاص



هل يحصل بمجرد التعاطى مع القصد أم لا بد من القول الدال عليه؟ فلا يجوز الاستدلال على سببية المعاطاة في الشريعة للتمليك بعموم تسلط الناس على أموالهم۔ و منه يظهر أيضاً عدم جواز التمسك به لما سيجيء من شروط الصيغة۔

و كيف كان، ففي الأيتين مع السيرة كفاية۔ اللهم إلا أن يقال: إنهما لا تدلان على الملك و إنما تدلان على إباحة جميع التصرفات حتى المتوقفة على الملك، كالبيع و الوطى و العتق و إيصال۔

وإباحة هذه التصرفات إنما تستلزم الملك با لملازمة الشريعة الحاصلة في سائر المقامات من الاجماع و عدم القول بالانفكاك، دون المقام الذى لا يعلم ذلك منهم، حيث أطلق القائلون بعدم الملك إباحة التصرفات۔

و صرح فى المسالك: بأن من أجاز المعاطاة سوغ جميع التصرفات، غاية الأمر أنه لا بد من التزامهم بأن التصرف المتوقف على الملك يكشف عن سبق الملك عليه أنا ما؛ فإن الجمع بين إباحة هذه التصرفات و بين توقفها على الملك، يحصل بالتزام هذه المقدار، ولا يتوقف على الالتزام بالملك من أول الأمر، ليقال: إن مرجع هذه الإباحة أيضاً الى التمليك۔

## ترجمہ

محقق ثانی کی اتباع کرتے ہوئے ایک جماعت نے معاطات میں حصول ملک کا کہا ہے۔

ان کا یہ فرمان خالی از قوت نہیں ہے۔ کیونکہ



(الف) مسلمانوں کے درمیان مستمر اسیرہ موجود تھا اور ہے کہ وہ معاطات سے ملکیت والا معاملہ کرتے ہوئے تصرفات کرتے ہیں۔ مثلاً عتق، بیع، وطی، وصیت، وراثت وغیرہ میں ملکیت کے آثار مرتب کرتے ہیں۔

(ب) اس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول (وَ أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ) (۱) کا عموم بھی دلالت کرتا ہے کہ بیع پر مرتب ہونے والے تمام تصرفات حلال ہیں۔

بلکہ بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ یہ آیت (نہ صرف التزام کو بتا رہی ہے بلکہ عرفاً) بطور مطابقت، بیع کی صحت کا بھی بتا رہی ہے۔ نہ کہ صرف حکم تکلفی کو بیان کر رہی ہے۔ لیکن یہ کہنا محل تامل ہے۔ (۲)

البتہ عرفاً اس بات سے روکنا کہ معاطات، بیع پر صادق آتی ہے یہ بلا دلیل و اساس ہے۔ اور جہاں تک اجماع کے دعوے کا تعلق ہے کہ معاطات بیع نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن زہرہ نے غنیۃ میں کہا ہے۔ ان لوگوں کی بیع سے مراد معاملہ لازم ہے اور یہ بھی انہی میں سے ایک عقد ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے غنیۃ میں تصریح فرمائی ہے کہ ایجاب و قبول بیع کی صحت کی شرائط میں سے ہیں۔

اور یہ دعویٰ کرنا کہ بیع فاسد، بیع نہیں ہے۔ اسکی وضاحت بھی آپ جان چکے ہیں (کہ بیع کا اطلاق اعم از صحیح و فاسد پر ہوتا ہے)۔

(۱) بقرہ: ۲۵۷

(۲) ان دلالة الآية على صحة البيع بالمطابقة موقوفة على ارادة انفذ الله او اصح الله من قوله: احل الله وهو خلاف الظاهر؛ الآن "احل" ظاهر في الحلية التكليفية لا الوضعية.



(ج) جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے اس قول **إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ (۱)** سے متمسک ہونے کی وجہ بھی واضح اور روشن ہے۔

(د) اور جہاں تک حضرت رسول اعظمؐ کے اس فرمان **النَّاسُ مُسَلِّطُونَ عَلٰی أَمْوَالِهِمْ (۲)** کا تعلق ہے تو اس کی بھی مدعی پر دلالت نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث کی عمومیت انواعِ سلطنت کے عنوان سے ہے۔ لہذا اگر کسی جگہ شک ہو جائے یہ فلاں قسم کی سلطنت مالک کو حاصل ہے یا نہیں شرعاً اس کے حق میں امضاء ہوا ہے یا نہیں۔ تو وہاں کافی ہوگی۔ لیکن جہاں ہمیں قطع و یقین ہو کہ سلطنت خاصہ (دوسروں کو مال کی تملیک دینا) مالک کیلئے ثابت ہے اور اس کے حق میں نافذ ہے۔ اور اسکے حق میں اسکا امضاء بھی ہوا ہے۔

لیکن اگر شک ہو کہ یہ تملیک خاص مجرد معاطات کی صورت میں اس وقت حاصل ہے جب قصد تملیک ہو یا اس وقت حاصل ہے۔ جب کوئی ایسی بات کہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ پس تسلط الناس علی اموالہم کے عموم سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ شریعت مقدسہ میں معاطات تملیک کا سبب بن رہی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شروط صیغہ کے حوالے سے بھی اس حدیث سے متمسک کرنا درست نہیں ہے۔

بہر حال جیسا بھی ہو دونوں آیات اور سیرہ مدعی ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔ مگر یہ کہ ہم کہیں یہ دونوں آیات ملکیت پر دلالت نہیں کرتیں۔ بلکہ یہ تمام تصرفات کے مباح ہونے کا کہتی ہیں۔ حتیٰ وہ تصرفات بھی جو ملکیت پر موقوف ہیں جیسے بیع، وطی، عتق اور وصیت وغیرہ۔

(۱) نساء: ۲۹

(۲) بحار الانوار ج ۲ ص ۲۷۲ حدیث ۷، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۰۰ غوالی الآلی ج ۱ ص ۲۲۲ حدیث نمبر ۹۹



البتہ تمام مقامات پر ایسی اباحت تصرف کا لازمہ یہ ہے ملکیت ہو۔ اور یہ ملازمہ، ملازمہ شرعیہ ہے کیونکہ

اولاً: اس پر اجماع قائم ہے۔

ثانیاً: کسی نے بھی اباحت تصرف میں انفکاک کا نہیں کہا۔ البتہ ہمارے محل بحث (معاطات کی شکل میں خرید و فروخت) میں اجماع اور اتفاق علماء سے معلوم نہیں ہے کہ ایسا ملازمہ وجود نہیں رکھتا۔ کیونکہ عدم ملکیت کہنے والوں نے بھی مطلقاً اباحت تصرف کا کہا ہے۔

اور مسالک (۱) نے تصریح کی ہے کہ جس نے معاطات کا کہا ہے وہ تمام تصرفات کو جائز سمجھتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ علماء اس بات کے ملتزم ہو جائیں کہ ملکیت پر موقوف تصرف کرنا اس بات کا بتا رہا ہے کہ ایک لحظہ پہلے ملکیت حاصل ہو گئی ہے۔ کیونکہ ایک طرف ایسے تصرفات کا مباح ہونا ہے اور دوسری طرف ملکیت پر موقوف تصرف ہے۔ جب ان کو جمع کریں گے تو اس کا لازمہ یہی ہوگا کہ ایک لحظہ پہلے ملکیت آچکی ہے۔ یہ اس بات پر ہرگز موقوف نہیں ہے کہ فوراً ملکیت کا کہہ دیں تاکہ کوئی اعتراض کرے کہ اس قسم کی اباحت کی بازگشت تملیک کی طرف ہے۔

## حل عبارات

قولہ: ایضاً: یعنی جیسا کہ سیرہ مستمرہ حصول ملک پر دلالت کرتا ہے۔

قولہ: لا مجرد الحکم التکلیفی: حکم تکلیفی سے مراد اباحت ہے۔

قولہ: لکنها محل تأمل: یعنی دلالت آیہ شریفہ



قوله: لا يعلم ذلك منهم: مشاڑ الیہ؛ ذلک؛ استلزام یا عدم قول بتفلیک ہے۔  
 قوله: غاية الامر انه لا بد الخ:؛ انه؛ کی ضمیر شان ہے۔  
 قوله: عن سبق الملك عليه آناًما:؛ عليه؛ کی ضمیر تصرف کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قوله: و بین توقفها علی الملك:؛ توقفها؛ کی ضمیر ہذہ التصرفات کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: بالتزام هذا المقدار: یعنی آناًما۔

قوله: فيقال ان مرجع الخ: کلمه؛ فاء؛ حصول ملک کی تفریح ہے۔

## وضاحت

ایک جماعت محقق ثانی کر کی کی اتباع کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ملکیت پیدا ہوگئی ہے۔  
 صاحب کتاب کہتے ہیں کہ ان کا قول قوت سے خالی نہیں ہے۔

حصول ملکیت کے لئے ادلہ

(۱) سیرت مستمرہ:

زمانہ رسالت مآب ﷺ سے لیکر اس وقت تک یہی ہے کہ لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اس میں صیغہ نہیں پڑھا جاتا۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ صیغہ پڑھا جاتا ہو۔ صرف خرید و فروخت نہیں بلکہ اجارہ، وکالت، زراعت، مضاربت، مساقات وغیرہ میں یہی ہوتا ہے۔ لہذا سیرت مستمرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جائز تھا۔ ورنہ کہیں سے تو آواز بلند ہوتی کہ ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

(۲) احل اللہ للبیع:

معاطات کو کوئی بیع نہ کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ جب معاطات بیع ہے تو ہمیں فقط یہ شک ہوگا



کہ صیغہ تو نہیں پڑھا گیا۔ آیا پھر بھی یہ بیع ہے؟ آیا تصرف جائز ہے؟ آیا ایسے کام کر سکتے ہیں جو ملکیت پر موقوف ہوتے ہیں؟ آیا مزید خرید و فروخت کر سکتے ہیں؟ اعلیٰ اللہ البیع کہے گا، یہ سب کچھ جائز ہے۔

### (۳) إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ:

تیسری دلیل یہ ہے کہ یہ آیت بھی یہی کہتی ہے کہ جب بیع اور مشتری راضی ہیں۔ عوض اور معوض ٹھیک ٹھاک ہے۔ باقی شرائط ہیں۔ فقط صیغہ نہیں تو تجارۃ عن تراض سے تمسک کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ بیع موجب ملک ہے۔ اور ٹھیک ہے۔

### (۴) النَّاسُ مُسْلَطُونَ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ:

بعض علماء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جب لوگ اپنے مال پر مسلط ہیں۔ اگر بغیر صیغہ کے کسی کو دے دیں تو اسمیں کیا حرج ہے؟

فرماتے ہیں: اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ الناس مسلطون علیٰ اموالہم کا مطلب یہ ہے کہ جو مال آپ کا بن چکا ہے۔ آپ کو حق ہے کسی کو مفت دے دیں۔ یا اجارہ وغیرہ پر دیں۔ یعنی جو تصرف بھی کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بغیر صیغہ اور ایجاب و قبول کے کوئی شخص آپ کو دے دے تو اس میں سوال یہ ہے کہ وہ آپ کا مال بن سکتا ہے یا نہیں؟ یہاں الناس مسلطون والی حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ ابھی تک آپ کا مال ہی نہیں بنا۔ ملک میں ہی نہیں آیا۔ لہذا یہ چوتھی دلیل تو کام نہیں دیتی۔ لیکن دو آیات اور سیرۃ مستمرہ بتا رہی ہے کہ بیع معاطات موجب ملک ہے۔



## دونوں آیات کی دلالت میں اشکال

اللهم الا ان يقال: کہ احل الله البيع اور تجارة عن تراض جیسی آیات اباحت تصرفات پر دلالت کرتی ہیں۔ حتی کہ وہ تصرفات بھی مباح ہیں جو ملکیت پر موقوف ہیں۔ اس سے فقط یہی سمجھا جاتا ہے۔ ملکیت نہیں سمجھی جاتی۔

لیکن اگر دوسری طرف دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تصرفات وہاں صحیح ہوتے ہیں جہاں ملکیت ہو۔ چونکہ تمام تصرفات حتی متوقفہ علی الملک کا قول اور پھر یہ خیال کرنا کہ ملکیت نہیں ہے۔ ان کا اکھٹا ہونا مشکل ہے۔ اسی لئے جہاں ملکیت نہیں ہوتی، وہاں کہنا پڑتا ہے کہ آنا ما ملکیت آگئی ہے۔ جیسے اَعْتَقَ عَبْدَكَ عَنِّي. اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہاں ملکیت ہونی چاہئے۔



# پندرہواں درس

سیرت کی دلالت پر اشکال  
آیا مفید ملک ہے یا نہیں۔  
قواند جدیدہ کی تائیس







## پندرہواں درس

و أما ثبوت السيرة واستمرارها على التورث، فهي كسائر سيرهم الناشئة عن المسامحة و قلة المبالاة في الدين مما لا يحصى في عباداتهم و معاملاتهم و سياساتهم، كما لا يخفى و دعوى: أنه لم يعلم من القائل با لإباحة جواز مثل هذه التصرفات المتوقفة على الملك، كما يظهر من المحكى عن حواشى الشهيد على القواعد من منع إخراج المأخوذ بالمعاطاة في الخمس و الزكاة و ثمن الهدى، و عدم جواز و طى الجارية المأخوذ بها، و قد صرح الشيخ (رحمه الله) با لأخير في معاطاة الهدايا، فيتوجه التمسك حينئذ بعموم الآية على جوازها، فيثبت الملك.

مد فوعة: بأنه و إن لم يثبت ذلك، إلا انه لم يثبت أن كل من قال اباحة جميع هذه التصرفات قال بالملك من أول الأمر، فيجوز للفقهاء حينئذ التزام اباحة جميع التصرفات مع التزام حصول الملك عند التصرف التوقف على الملك، لا لا من أول الامر. فالأولى حينئذ: التمسك في المطلب بان المتبادر عرفاً من حل البيع، صحته شرعاً. هذا، مع امكان اثبات صحت المعاطاة في الهبة و الاجارة ببعض اطلاقاتها و تميمه في البيع بالاجماع المركب. أن ما ذكر: من أن للفقهاء التزام حدوث الملك عند التصرف المتوقف عليه، لا يليق بالمتفقه فضلاً عن الفقيه؛ و لذا ذكر بعض الأساطين في شرحه على القواعد في مقام الاستبعاد: أن القول با لإباحة المجردة مع فرض قصد لمتعاطين التمليك و البيع، مستلزوم لتأسيس قواعد جديدة.



## ترجمہ

جہاں تک استمرار اور ثبوت سیرہ کا تعلق ہے کہ معاطات کے ذریعے حاصل شدہ مال وراثت میں آتا رہا ہے۔ تو یہ اور ان جیسے دوسرے بے شمار تمام سیرے ہیں۔ جو اہل عرف عبادات، معاملات اور سیاسیات میں کرتے ہیں۔ یہ سب مسامحہ ہیں۔ اور دین کی پروانہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔ اور یہ دعویٰ بھی قابل قبول نہیں ہے کہ ہم اباحت کے قائلین میں سے کسی کو نہیں جانتے جو ملکیت پر موقوف تصرفات کو بھی جائز جانتا ہو۔ جیسا کہ قواعد پر شہید کے حواشی کے ظاہر کی حکایت کی گئی ہے (۱) کہ معاطات کے ذریعے سے حاصل کیئے ہوئے مال سے خمس، زکات اور حج کی قربانی سے منع کیا گیا ہے اسی طرح معاطات کے ذریعے حاصل کی گئی کینر سے وطی کو نادرست کہا ہے۔ کینر والی صورت کی شیخ نے معاطات ہدایا میں تصریح کی (۲) ہے کہ اس وقت عموم آیت (احل اللہ البیع) سے تمسک کرتے ہوئے وطی کے جواز کا کہا جائے گا۔ نتیجہ ملکیت ثابت ہو جائے گی۔

(یہ دعویٰ قابل قبول نہیں ہے) کیونکہ ہم بتائیں گے کہ یہ مطلب ثابت نہیں ہے۔ نیز یہ دعویٰ بھی ثابت نہیں ہے کہ جو اس جیسے تمام تصرفات کی اباحت کا کہتے ہیں وہ ابتداء ہی سے ملکیت کے قائل ہیں۔ لہذا فقہ تمام تصرفات کی اباحت کا قائل ہو سکتا ہے اور ساتھ ساتھ اس چیز کا ملتزم بھی ہو سکتا ہے ملکیت پر موقوف چیزوں کے تصرف سے ہی ملکیت آجائے گی۔ نہ کہ ابتداء سے ملکیت موجود تھی۔ لہذا معاطات میں حصول ملکیت کیلئے بہتر ہے کہ اس دلیل سے متمسک ہوں کہ احل اللہ البیع سے عرفاً یہی تبادر ہوتا ہے کہ شرعاً یہ بیع صحیح ہے۔ نیز ہبہ اور اجارہ میں ان کے بعض اطلاقات کی

(۱) مفتاح الکرامۃ ج ۴ ص ۱۵۸ (۲) المہبوط ج ۳ ص ۳۱۵



وجہ سے معاطات کی صحت کا ثابت کرنا ممکن ہے۔ نیز بیع میں اجماع مرکب کی مدد سے اسکی تتمیم کریں اور کہیں کہ بیع معاطاتی صحیح اور مفید ملک ہے۔ نیز اس کے علاوہ وہ جنکا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ فقیہ کیلئے اس بات کا ملتزم ہونا کہ ملکیت پر موقوف چیزوں کے تصرف سے معاطات میں ملکیت آجائے گی۔ یہ بات کہنا بناوٹی فقیہ کے شایان شان نہیں ہے۔ چہ جائیکہ حقیقی فقیہ ایسا کہے۔ لہذا اسی وجہ سے بعض اساطین (۱) نے قواعد کی شرح میں اس قول کو بعید تر جانا ہے کہ جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ معاطات اباحت تصرف ہے اور ملکیت سے خالی ہے حتیٰ کہ متعاطین تملیک اور بیع کا قصد ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔ ایسا کہنے والوں کے فرمان کا لازمہ قواعد جدیدہ کی تائیس کا موجب بن رہا ہے۔

## حل عبارات

قولہ: انه لم يعلم من القائل بالاباحة:؛ انه؛ کی ضمیر، ضمیر شان ہے۔

قولہ: المأخوذ بها؛؛ بها؛ کی ضمیر معاطاة کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فيتوجه التمسك: کلمه؛ فاء؛؛ لم يعلم من القائل الخ؛ کی تفریح ہے۔

قولہ: حينئذ: یعنی حين لم يعلم الخ.

قولہ: بعموم الآية: آية احلّ الله البيع

قولہ: على جوازها: یعنی جواز هذه التصرفات

قولہ: بانه و ان لم يثبت ذلك:؛ انه؛ کی ضمیر شان ہے اور مشاڑ الیہ؛ ذلک؛ جواز مثل

هذه التصرفات ہے۔

(۱) جواهر الکلام ج ۲۲ ص ۲۲۲ و شرح کاشف الغطاء علی القواعد مخطوطہ



- قولہ: الا انه لم يثبت ان كل من قال: انہ؛ کی ضمیر، ضمیر شان ہے۔
- قولہ: فيجوز للفقیه حينئذ التزم: کلمہ؛ حينئذ؛ یعنی حین لم يثبت ان كل من قال۔
- قولہ: فالاولی حينئذ الخ: کلام مرحوم مصنف ہے اور نتیجہ بحث ہے۔
- قولہ: و تتمیمه فی:؛ تتمیمہ؛ کی ضمیر اثبات صحیحہ المعاطات کی طرف لوٹ رہی ہے
- قولہ: بعض الاساطین: یعنی مرحوم کاشف الغطاء

## وضاحت

### سیرت کی دلالت پر اشکال:

جہاں تک سیرت کا تعلق ہے۔ اسکے ساتھ تمسک کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کیونکہ بعض لوگ لا ابالی ہیں، انہیں دین کی پروا نہیں ہوتی۔ کیونکہ بعض لوگ بہت سے ایسے کام کرتے ہیں، جو ان کے نزدیک مسلم ہو چکے ہیں۔ لیکن شرعاً جائز نہیں ہوتے۔ لہذا یہ کہنا کہ مسلمان بحیثیت مسلمان یہ کام کر رہے ہیں۔ اور یہ سیرت ہے۔ اس سیرت کی طرف توجہ نہیں کی جاسکتی۔

### آیا مفید ملک ہے یا نہیں؟

اب آیا یہ مفید ملک ہے یا نہیں؟ بعض نے اباحت کا کہا تھا حتی متوقفہ علی الملک۔ جبکہ بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ اباحت ملک پر موقوف نہیں ہے۔ جیسا کہ شہید نے قواعد کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ آپ اس مال سے خمس، زکوٰۃ، قربانی کی قیمت ادا نہیں کر سکتے اور اسی طرح اس مال سے خریدی گئی جارہے کیساتھ وطی بھی نہیں کر سکتے۔

لہذا معلوم ہوا کہ معاملہ اور کم ہو گیا ہے۔ ہم تو تمام تصرفات میں اباحت سمجھتے تھے۔ لیکن یہاں تصرفات متوقفہ علی الملک نکل گئے ہیں۔ بہر حال زیادہ سے زیادہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ اباحت



ہے۔ ملکیت کا کہنا مشکل ہے۔ اگر وہ کام کریں جو متوقفہ علی الملک ہیں تو آنا ملکیت کا قائل ہونا چاہئے۔

### قوائد جدیدہ کی تائیس

لیکن سوال یہ ہے کہ ادھر تمام تصرفات کو مباح کہتے ہیں۔ اور ادھر کہتے ہیں کہ ملک نہیں ہے۔ ان دونوں کے درمیان کوئی جوڑ نہیں بنتا۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قوائد جدیدہ کی تائیس کر رہے ہیں۔ اور آپ کو حق نہیں پہنچتا کہ شریعت میں اپنی طرف سے نئے نئے قوائد بنائیں۔ انہوں نے ان نئے قوائد میں سے آٹھ قوائد کا تذکرہ کیا ہے۔ گویا آٹھ نئے قوائد بنا رہے ہیں۔ اور پہلے سے بیان شدہ اسلامی قوائد سے قطع نظر کر رہے ہیں۔







# سولہواں درس

عقود قصد کے تابع نہ رہیں گے

ارادہ تصرف ہی ملکیت کا موجب بن جائے گا

اس مال سے واجبات کیسے ادا کریں گے۔

ایک کا تصرف دوسرے کے لئے مملک بن جائے گا

تلف سماوی دوسرے کے لئے مملک بن جائے گا







## سواہواں درس

منها: أن العقود وما قام مقامها لا تتبع القصد-

و منها: أن يكون إرادة التصرف من المملكات، فتملك العين أو المنفعة بإرادة التصرف بهما، أو معه دفعةً و إن لم يخطر ببال المالك الأول الإذن في شيء من هذه التصرفات؛ لأنه قاصد للنقل من حين الدفع، و انه لا سلطان له بعد ذلك، بخلاف من قال: أعتق عبدك عني، أو تصدق بمالي عنك-

و منها: أن الأحماس والزكوات و الاستطاعة و الديون و النفقات و حق المقاصة و الشفعة و المواريث و الربا و الوصايا، تتعلق بما في اليد، مع العلم ببقاء مقابله، و عدم التصرف فيه، أو عدم العلم به، فينفى بالأصل، فتكون متعلقة بغير الأملاك، و أن صفة الغنى و الفقر ترتب عليه كذلك، فيصير ما ليس من الأملاك بحكم الأملاك- و منها كون التصرف من جانب مملكا للجانب الآخر، مضافا الى غرابة استناد الملك الى التصرف-

و منها: جعل التلف السماوي من جانب مملكا للجانب الآخر، و التلف من الجانبين مع التفريط معيناً للمسمى من الطرفين، و لا رجوع الى قيمة المثل حتى يكون له الرجوع بالتفاوت-

و مع حصوله في يد الغاصب أو تلفه فيها، فالقول بأنه مطالب؛ لأنه تملك



بالغصب أو التلف في يد الغاصب، غريب و القول بعدم الملك، بعيد جداً، مع أن في التلف القهري ان ملك التالف قبل التلف فعجيب، و معه بعيد؛ لعدم قابليته، و بعده ملك معدوم، و مع عدم الدخول في الملك يكون ملك الاخر بغير عوض، و نفى الملك مخالف للسيرة، و بناء المتعاطين۔

## ترجمہ

ان قوانین میں سے ایک یہ ہے کہ: عقود اور بمنزلہ عقود جیسی چیزیں قصد کے تابع نہیں ہونے چاہئیں۔ (چاہے معاطات میں طرفین نے تملیک کا قصد کیا تھا؛ تب بھی ملکیت متحقق نہ ہوگی۔)

نیز دوسرا یہ ہے کہ ارادہ تصرف ملک پر موقوف ہے پس جو نہی ان مملکات میں تصرف کا ارادہ کرے گا تو عین یا منفعت اسی تصرف سے اسکی ملکیت میں آجائے گی۔ اگرچہ پہلے مالک کے ذہن میں اس قسم کے تصرفات کا کوئی اجازت و اذن نہیں تھا۔ کیونکہ وہ دیتے وقت نقل کا قصد کر رہا تھا کہ دینے کے بعد اس چیز پر اسکی کوئی سلطنت باقی نہ رہے۔ بخلاف اسکے کہ کہے کہ اپنے غلام کو میری طرف سے آزاد کر دو۔ یا میرے مال کو اپنی طرف سے صدقہ میں دو۔

نیز تیسرا یہ ہے کہ: خمس، زکات، استطاعت، قرض، نفقہ، حق تقاص، شفعہ، ارث، ربا اور وصیت وغیرہ کا (معاطات کی صورت میں) تعلق اس کیساتھ ہوتا جس کے ہاتھ میں یہ سب چیزیں ہوں۔ اور جانتے ہوں کہ اس کا عوض ابھی باقی ہے۔ طرف مقابل نے اس میں تصرف نہیں کیا ہے۔ اور اگر نہ جانتے ہوں تو اصالت عدم جاری کر کے کہیں گے کہ ابھی عوض بھی باقی ہے اور تصرف بھی



نہیں ہوا۔ لہذا اس مطلب پر توجہ کرتے ہوئے ہمیں کہنا پڑے گا کہ مندرجہ بالا سب چیزیں غیر کے ملک کیساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ نیز صفت غنا اور فقر بھی غیر املاک پر مترتب ہونگئیں جسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غیر املاک، املاک کے حکم میں آجائیں۔

ان میں سے چوتھا قانون جدید یہ ہوگا۔ ایک طرف کا استعمال کرنا دوسری طرف کو اس چیز کا مالک بنادے۔ (یعنی بائع جب ثمن میں تصرف کرے گا تو مشتری مٹمن کا مالک بن جائے گا)۔  
ثانیاً: تصرف کا ملک کی طرف استناد انتہائی عجیب و غریب ہے۔

ان میں پانچواں قانون یہ ہے کہ ایک طرف کا مال آفت سماوی سے تلف ہو جائے تو دوسری طرف میں ملکیت آجائے گی۔ اس کا لازمہ یہ ہے کہ ہم کہیں کہ اگر دونوں کی کوتاہی سے مال تلف ہو گیا ہے تو عوض مسمی طرفین کی جانب سے متعین ہوگا۔ اور کوئی بھی ایک دوسرے سے قیمت مثل کا حق نہیں رکھتا۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ قیمت اور مثل میں تفاوت کی صورت میں رجوع کرنا جائز نہ ہوگا۔  
اگر ان دونوں عوضین میں ایک غاصب کے ہاتھ لگ ہے یا غاصب سے تلف ہوگی ہے۔ اگر یہاں کہیں جس سے اس نے چیز غصب کی تھی وہ مطالبہ کا حق رکھتا ہے کیونکہ یہ شخص غاصب کے ہاتھوں غصب یا تلف ہونے کی صورت میں مالک بن گیا۔ تو یہ عجیب و غریب بات ہے۔ اور اگر اسے مالک نہ سمجھیں تو یہ واقعاً بعید ہے۔

اسی طرح اگر قہراً تلف ہو جائے تو کہیں یہ مالک ہے۔ عجیب ہے وہ کہ تلف سے پہلے اس کا مالک بنے۔ بلکہ اگر کہیں کہ تلف ہونے کے ساتھ ہی مقارناً یہ مالک بن گیا تھا تو یہ بعید ہے کیونکہ اس حالت میں چیز میں مملوک بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اور اگر تلف کے بعد مالکیت کا کہیں تو معدوم کی ملکیت کا حکم لگانا ہوگا۔ یہ غیر معقول ہے۔

نیز اگر کہیں کہ تلف ہونے والے کے ملک میں داخل ہی نہ ہوگی تو طرف مقابل کی ملکیت



بدون عوض ہو جائے گی جبکہ طرف مقابل کے ملک کی نفی کرنا سیرت اور بناء متعاطین کے خلاف ہے۔

## حل عبارات

قولہ: ان العقود و ما قام مقامها الخ: قائم مقام عقود سے مراد ایقاعات ہیں۔

قولہ: بارادة التصرف بها: بہا؛ کی ضمیر عین کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لانه قاصد للنقل: لانہ؛ کی ضمیر مالک اول کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و انه لا سلطان له: انہ؛ کی ضمیر ضمیر شان ہے اور؛ لہ؛ کی ضمیر مالک اول کی طرف

لوٹ رہی ہے اور کلمہ؛ انہ؛ بفتح ہمزہ ہے اور معطوف ہے؛ انہ قاصد للنقل؛ کی طرف۔

قولہ: بعد ذلك: یعنی ایک دوسرے کو دینے کے بعد۔

قولہ: او عدم العلم به: بہ؛ کی ضمیر تصرف کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فينفي بالاصل: فينفي؛ کی ضمیر نائب فاعل، تصرف کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فيكون معلقة بغير الاملاك: ؛ يكون؛ کی ضمیر امور مذکور یعنی اخماس و زکوات و

استطاع الخ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: تترتب عليه كذلك: ؛ عليه؛ کی ضمیر غیر ملک کی طرف لوٹ رہی ہے اور مشاڈ الیہ

؛ كذلك؛ ملک ہے۔

قولہ: او تلفه فيها: ؛ تلفه؛ کی ضمیر مال اور؛ فيها؛ کی ضمیر ید غاصب کی طرف لوٹ رہی ہے

قولہ: فالقول بانه المطالب: ؛ بانه؛ کی ضمیر اس شخص کی طرف لوٹ رہی ہے جسکے پاس



مال تھا اور غاصب نے غصب کر لیا ہے اور کلمہ: المطالب؛ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔  
 قولہ: لانه يملك بالغصب:؛ لانه؛ کی ضمیر مغضوب منہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: او التلف في يد الغاصب: معطوف ہے؛ الغصب؛ کی طرف یعنی او لانه  
 يملك بالتلف في يد الغاصب.

قولہ: في التلف القهري: مانند تلف سماوی  
 قولہ: و معه بعيد:؛ معہ؛ کی ضمیر تلف کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: لعدم قابليته: یعنی لعدم قابلية المال للملكية لانه في حال التلف.  
 قولہ: حينئذ: یعنی حين التلف و مقارن له.  
 قولہ: و بعده: یعنی و بعد التلف.

## وضاحت

### قواعد جدیدہ کی تائیس

عقود قصد کے تابع نہ رہیں گے۔

(۱) فطرت انسانی ہے۔ اور عرف بھی یہی کہتا ہے کہ جو کام بھی آپ کرتے ہیں اس میں قصد کو دخل ہوتا ہے۔ آپ کی بات مانی جائے تو آپ کا قصد اباحت مجردہ تھا۔ خود بخود تملیک آگئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عقد قصد کے تابع نہیں۔ حالانکہ عقود قصد کے تابع ہیں۔ لہذا متعاطین نے ملک کا مقصد کیا ہے۔ اباحت کا نہیں۔

ارادہ تصرف ہی ملکیت کا موجب بن جائے گا۔



(۲) تھوڑا سا سوچیں کہ دو آدمی معاملہ کر رہے ہیں۔ ایک نے اپنے مال اُسے دیا ہے۔ اس نے اُسے دیا ہے۔ تملیک کا قصد نہیں کیا۔ اور ایک آدمی ارادہ کرتا ہے کہ میں تصرف کروں۔ یہ ارادہ مملک بن گیا ہے۔ یعنی معاملہ کیا گیا ہے تملیک نہیں بنی۔ لیکن جب ان دو میں سے ایک نے ارادہ کیا ہے کہ تصرف کروں۔ تو خود بخود ملکیت آگئی ہے۔ اسکا کیا تک ہے؟ کہ وہ خرید و فروخت کر رہے تھے تو ملکیت نہیں آئی تھی۔ تصرف کرتے ہیں تو ملکیت آجاتی ہے۔ یہ کونسی شریعت ہے؟ پھر اس بندہ نے تو نقل کا قصد کیا ہے۔ یعنی معاملہ کے وقت قصد نقل و انتقال ہے۔ ارادہ تصرف کا تو قصد ہی نہیں ہے۔ لہذا ارادہ تصرف یا تصرف مملک بن جائے، اسکا کوئی تک نہیں ہے۔

اس مال سے واجبات کیسے ادا کریں گے۔

(۳) اسکی بہت زیادہ مثالیں دی ہیں۔ تقریباً ۱۰ اشکالات کیئے ہیں۔ اور وہ ایک ہی بات میں ہیں۔ مثلاً (۱) کسی کیساتھ معاملہ کیا ہے۔ پیسہ آپ نے دیا ہے۔ اس نے چیز دی ہے۔ اسی دن خمس کی تاریخ آگئی ہے۔ اگر خمس نکالتے ہیں تو یہ مال آپکی ملکیت ہی نہیں ہے۔ اور اگر خمس نہیں نکالتے تو مال تو آپ کے پاس ہے۔ اسکا خمس نکالنا چاہئے۔ خمس کا کیا بنے گا؟ اسی طرح۔

(۲) زکوٰۃ کی تاریخ آگئی ہے۔

(۳) مال تھا اسکو بیچا ہے۔ پیسہ آگیا ہے۔ قاعدۃ استطاعت ہوگی۔ حج واجب ہوگی ہے۔ اگر ملکیت نہ ہو تو استطاعت کیسے آگئی ہے؟

(۴) آپ نے قرض کی ادائیگی کرنا ہے۔ آپ نے کوئی چیز بیچی ہے۔ واجب ہے کہ اس پیسے سے قرض کی ادائیگی کریں۔ لیکن دوسری طرف آپکی ملکیت ہی نہیں ہے۔ قرض کیسے ادا کریں گے؟

(۵) بیگم کو نفقہ دینا ہے۔



(۶) حق تقاص کرنا ہے۔ یعنی اسکا مال میرے پاس، میرا مال اسکے پاس۔ لیکن جب ملکیت نہیں تو حق تقاص کس طرح ہوگا؟

(۷) شفعہ ہے۔ لیکن جب آپکی ملکیت ہی نہیں بنا تو کیسے کریں گے؟

(۸) اگر ملکیت نہ ہو تو میراث میں کیسے جائے گا؟

(۹) معاملہ ربوی ہو۔ لیکن جب ملکیت نہیں تو ربا کیسا ہوگا؟

(۱۰) وصیت کیسے کریں گے؟ جب آپکی ملکیت نہیں۔

لہذا عجیب بات ہے کہ آپ نے خرید و فروخت بھی کر لی ہے۔ لیکن مندرجہ بالا تصرّفات نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ سب خرابی اسلئے یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ اباحت مجردہ کا قصد کیا گیا تھا۔ اور ملکیت ہے ہی نہیں۔ لہذا قواعد جدیدہ بن رہے ہیں۔ یہ تو ہم نے بطور مثال کہا ہے۔ وگرنہ ہر معاملہ میں یہی اشکالات ہو سکتے ہیں۔

**ایک کا تصرّف دوسرے کیلئے مملک بن جائے گا۔**

(۴) آپ نے خرید و فروخت کی ہے۔ آپکا مال اسکے پاس اور اسکا مال آپکے پاس ہے۔ اور آپ کہتے ہیں کہ ملکیت نہیں ہے۔

**تلف ساوی دوسرے کیلئے مملک بن جائے گا۔**

(۵) ایک تلف ساوی آگئی ہے۔ مثلاً آگ لگ گئی ہے۔ آگ سے پہلے ملکیت نہیں تھا۔

اب آگ لگ گئی ہے۔ مال جل گیا ہے۔ اب کہتے ہیں ملکیت آگئی ہے۔ اس ملکیت کا کیا فائدہ؟ یا کوئی چیز زمین میں دھنس گئی ہے۔ پہلے ملکیت تھی نہیں۔ اب ملکیت ہو گئی ہے۔ اسکا کوئی تک نہیں۔ یہ سب خرابیاں اس لئے ہیں، چونکہ آپ کہہ رہے ہیں تملکیت کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ اباحت مجردہ کا قصد کیا گیا ہے۔







# ستر ہواں درس

اگر تصرف نواقل قہریہ کی وجہ سے ہو تو کیا حکم ہے؟

تصرف سے پہلے نماء حادث کس کا ملک ہوگی؟

تملیک تصرف میں منحصر ہو جائے گی

مرحوم کاشف الغطاء کے اشکالات کا جواب

(۱) حلی جواب: اباحت مجردہ کا قائل معاطات کو عقد ہی نہیں سمجھتے

نقصی جواب







## سترهواں درس

ومنها: أن التصرف إن جعلناه من النواقل القهرية، فلا يتوقف على النية، فهو بعيد؛ وإن أوقفناه عليها، كان الواطىء للجارية من غيرها واطائاً بالشبهة، والجانى عليه والمتلف له جانياً على مال الغير ومتلفاً له.

ومنها: أن النماء الحادث قبل التصرف إن جعلنا حدوثه مملكاً له دون العين، فبعيد، ومعها فكذلك، وكلاهما منا في لظاهر الاكثر، وشمول الاذن له خفى.

ومنها: قصر التمليك على التصرف مع الاستناد فيه إلى أن اذن المالك فيه اذن فى التمليك، فيرجع إلى كون المتصرف فى تمليكه نفسه موجباً قابلاً، وذلك جارٍ فى القبض، بل هو أولى منه؛ لاقترانه بقصد التمليك، دونه؛ انتهى.

والمقصود من ذلك كله استبعاد هذا القول، لا أن الوجوه المذكورة تنهض فى مقابل الاصول و العمومات؛ إذ ليس فيها تأسيس قواعد جديدة لتخالف القواعد المتداولة بين الفقهاء.

أما حكاية تبعية العقود وما قام مقامها للقصود، ففيها:

أولاً: وأن المعاطاة ليست عند القائل بالاباحة المجردة من العقود، ولا من القائم مقامها شرعاً؛ فإن تبعية العقد للقصد وعدم انفكاكه عنه إنما هو لأجل دليل صحة ذلك العقد، بمعنى ترتب الأثر المقصود عليه، فلا يعقل حينئذ الحكم بالصحة مع



عدم ترتب الأثر المقصود عليه.

أما المعاملات الفعلية التي لم يدل على صحتها دليل، فلا يحكم بترتب الأثر المقصود عليها، كما نبه عليه الشهيد في كلامه المتقدم من أن السبب الفعلي لا يقوم مقام السبب القولي في المبيعات. نعم إذا دل الدليل على ترتب أثر عليه، حكم به وإن لم يكن مقصوداً.

و ثانياً: أن تخلف العقد عن مقصود المتبايعين كثير؛ فإنهم أطبقوا على عن عقد المعاوضة إذا كان فاسداً، يؤثر في ضمان كل من العوضين القيمة؛ لإفادة العقد الفاسد الضمان عندهم فيما يقتضيه صحيحه، مع أنهما لم يقصدا إلا ضمان كل منهما بالأخر.

و توهم: أن دليلهم على ذلك ((قاعدة اليد)) مدفوع: بأنه لم يذكر هذا لوجه إلا بعضهم معطوفاً على الوجه الأول، وهو اقدامها على الضمان، فلا حظ المسالك. و كذا الشرط الفاسد لم يقصد المعاملة الا مقرونة به، غير مفسدٍ عند أكثر القدماء؛ و ما يُملك وما لا يُملك صحيح عند الكل؛ و بيع الغاصب لنفسه يقع للمالك مع إجازته على قول كثير؛ و ترك ذكر الأجل في العقد المقصود به الانقطاع يجعله دائماً، على قولٍ نسبه في المسالك و كشف اللثام إلى المشهور.

نعم الفرق بين العقود و ما نحن فيه: أن التخلف عن المقصود يحتاج إلى الدليل المخرج عن أدلة صحة العقود، و فيما نحن فيه عدم الترتب مطابق للاصل.



## ترجمہ

ان قوانین جدیدہ میں ایک یہ ہے کہ اگر ہم تصرف کو نواقل قہریہ (مثل ارث) قرار دیں کہ جسمیں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی تو یہ بعید ہے۔ اور اگر نیت کی ضرورت ہو تو پھر نیت کے بغیر لوٹڈی سے وطی کرنے والے کی وطی، وطی بالشبہ شمار ہوگی۔ اس نے لوٹڈی پر جنایت کی ہے اور اسکو تلف کر دیا ہے۔ گویا یہ مال غیر پر جنایت کرنے اور تلف کرنے والا ہوگا۔

اسی طرح ان قوانین میں سے ایک یہ ہوگا کہ تصرف سے پہلے عین سے حادث ہونے والا نماء (گائے سے بچہ ہونا) کا تو یہ مالک ہو اور عین کا مالک نہ ہو۔ یہ بعید ہے اور اگر اس نماء کو عین کیساتھ تصرف کا سبب کہیں تو یہ بھی بعید ہے۔ لہذا تصرف باعین یا نماء اور عین دونوں صورتوں میں اکثر کے منافی ہے۔ اور نماء کا (عین کیساتھ دیئے گئے) اذن کو شامل ہونا خفی ہے۔

ان قانون جدیدہ میں سے ایک یہ ہوگا کہ اگر تملیک کو تصرف میں منحصر کر دیں اور پھر اس بات کی طرف استناد کریں کہ مالک کا تصرف میں اذن دینا ملکیت میں اذن دینا ہے۔ تو اس وقت تصرف کرنے والا خود کو مالک بنانے کیلئے خود ہی موجب اور خود ہی قابل ہوگا۔ یہی بات مالک سے قبضہ لیتے وقت بھی ہوگی۔ بلکہ بطریق اولیٰ یہ بات ہوگی کیونکہ قبض تملیک کے قصد کیساتھ تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ تصرف ایسا نہیں ہے۔ (اختتام کلام کاشف الغطاء)۔

تمام بیان شدہ مطالب میں مرحوم کاشف الغطاء کا مقصد یہ ہے کہ مشہور کی رائے (اباحت بدون ملکیت) کو بعید جانا جائے۔ یہ نہیں ہے کہ مذکورہ مطالب اصول اور عموماً مقابل میں ہیں۔ کیونکہ مذکورہ مطالب ایسے نہیں کہ فقہاء کے درمیان متداول قواعد کے خلاف ہوں۔ تاکہ ان کی وجہ



سے قواعد جدیدہ کی تائیس لازم آتی ہو۔

لہذا جہاں تک عقود اور اس کے قائم مقام (ایقاعات) کا قصد کے تابع ہونے کا تعلق ہے تو اولاً: اباحت مجرہ کہنے والوں کے نزدیک معاطات نہ عقود میں سے ہے اور نہ اس میں سے ہے جو شرعاً عقود کے قائم مقام ہے۔ (بلکہ موضوعاً قاعدہ تبعیت سے خارج ہے) کیونکہ عقد کا قصد کے تابع ہونا اور قصد سے جدا نہ ہونا، عقد کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کہ عقد پر مقصود کا اثر مرتب ہوتا ہے۔ لہذا جب مقصود پر اثر مرتب نہ ہوتا ہو تو عقد کی صحت کا کہنا غیر معقول ہے۔

اور جہاں تک معاملات فعلیہ کا تعلق ہے اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے لہذا مقصود پر کسی اثر کے مرتب ہونے کا بھی نہیں کہا جاسکتا۔ جیسا کہ شہید<sup>(۱)</sup> نے اپنے گذشتہ کلام میں اس کی طرف متنبہ کیا ہے کہ مباحثات میں سبب فعلی، سبب قوی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر ترتب اثر پر کوئی دلیل دلالت کرتی ہو تو خواہ مقصود نہ بھی ہو تب بھی اس کا حکم لگایا جائے گا۔

ثانیاً: متباہین (خرید و فروخت) کا عقد میں قصد کے حوالے سے اختلاف تو بہت جگہوں پر ہے (فقط معاطات میں نہیں) مثلاً تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جب عقد معاوضہ فاسد ہو جائے تو دونوں عوضوں میں طرفین قیمت کے ضامن ہونگے۔ کیونکہ علماء کی نظر میں جو صحیح عقد موجب ضمان ہے وہ فاسد اور باطل ہو جائے تب بھی موجب ضمان ہے۔ جبکہ طرفین نے دونوں عوضوں میں مقابل کی عوض کی ضمان کا قصد کیا تھا۔

اور یہ وہم کرنا کہ ضمان پر فقہاء کی دلیل قاعدہ ید ہے۔ نادرست ہے کیونکہ اس کو دلیل کے عنوان سے علماء نے ذکر نہیں کیا۔

(۱) القواعد الفوائد ج ۱ ص ۸۷۸ قاعدہ نمبر ۲۸



البتہ بعض نے پہلی دلیل (یعنی ضمان پر اقدام کرنا) پر عطف کرتے ہوئے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں مسالک (۱) کو دیکھیں۔

عقد میں قصد کے اختلاف کی ایک صورت شرط فاسد میں بھی ہے کہ معاملہ میں قصد کا ساتھ ہونا ضروری ہے جبکہ اکثر قداماء کے نزدیک شرط فاسد مفسد عقد نہیں ہے۔ اسی طرح تمام علماء کے نزدیک بیع یملک اور ما لا یملک (دونوں) صحیح ہیں۔

اسی طرح مالک کی اجازت کیساتھ غاصب کا اپنے لیے بیع کرنا بھی اکثر علماء کے نزدیک صحیح ہے۔ (حالانکہ یہ بھی مقصود نہیں ہے) اسی طرح ایسا عقد جو ایک مدت تک کیلئے تھا، اگر اسمیں مدت کا ذکر نہ کیا جائے تو دائمی ہو جائے گا۔ جیسا کہ مسالک (۲) اور کشف اللثام (۳) نے اس کے دائمی ہونے کی مشہور کی طرف نسبت دی ہے۔

البتہ عقود اور ما نحن فیہ (معاطات) میں فرق ہے۔ عقود میں قصد کا عقد سے مختلف ہونا ایسی دلیل کی احتیاج رکھتا ہے جو اس عقد کو صحت عقد کی ادلہ سے نکال دے۔ لیکن مورد بحث میں عدم ترتب اثر اصل کے مطابق ہے۔ لہذا دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

## حل عبارات

قولہ: فہو بعید:؛ ہو؛ کی ضمیر عدم توقف ملک علی نیت کی طرف لوٹ رہی ہے۔

(۱) مسالک الافہام ج ۱ ص ۱۷۱

(۲) مسالک الافہام ج ۱ ص ۵۰۳

(۳) کشف اللثام ج ۱ ص ۵۰ (کتاب النکاح)



قولہ: و ان اوقفناہ علیہا: اوقفناہ؛ میں ضمیر منصوبی ملک کی طرف لوٹ رہی ہے اور  
؛ علیہا؛ کی ضمیر نیت کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: من غیرہا: یعنی من غیر النیۃ۔

قولہ: و الجانی علیہا و المتلف لہا: ضائر مجروری؛ علیہا؛ اور؛ لہا؛ جاریہ کی طرف  
لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و متلفاً لہ: لہ؛ کی ضمیر مال الغیر کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: مملکاً لہ: لہ؛ کی ضمیر نماء کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و معہا فکذلک: معہا؛ کی ضمیر عین کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و کلاہما مناف لظاهر الاکثر: کلاہما؛ کی ضمیر نماء بدون عین و با عین کی طرف  
لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و شمول الاذن لہ خفی: لہ؛ کی ضمیر نماء کی طرف لوٹ رہی ہے اور؛ اذن؛ سے  
مراد وہ اذن ہے جو عین کے متعلق دیا گیا ہے۔

قولہ: و ذلک جار فی القبض: مشائر الیہ؛ ذلک؛ موجب و قابل ہے۔

قولہ: بل هو اولی منہ: ہو؛ کی ضمیر قبض کی طرف لوٹ رہی ہے اور؛ منہ؛ کی ضمیر تصرف  
کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لاقترانہ بقصد التملیک: اقرانہ؛ کی ضمیر قبض کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: دونہ: یعنی دون التصرف۔

قولہ: و المقصود من ذلک کلہ: المقصود؛ کالف اور لام مضاف الیہ سے عوض ہے

اور اس سے مراد مرحوم کاشف الغطاء ہیں اور مشائر الیہ؛ ذلک؛ کلام مشہور پر ہونے والے اشکالات



ہیں۔

قولہ: فی مقابل الاصول: یعنی اصل استحباب ملکیت مالک قبلی۔

قولہ: اذ لیس فیہا:؛ فیہا؛ کی ضمیر وجوہ مذکورہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: وعدم انفکا کھا عنہا:؛ انفکا کہا؛ کی ضمیر عقود اور؛ عنہا؛ کی ضمیر قصود کی طرف لوٹ

رہی ہے۔

قولہ: فلا یعقل حینئذ: یعنی حین کون معنی الصحة ترتب الاثر المقصود

علیہ.

قولہ: حکم بہ:؛ بہ؛ کی ضمیر ترتب اثر کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فی ضمان کل من العوضین القيمة:؛ قیمت؛ سے مراد قیمتہ المثل ہے یعنی شی کی

واقعی قیمت۔

قولہ: مع انہما لم یقصد:؛ انہما؛ کی ضمیر متعالمین کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: ضمان کل منہما للآخر:؛ منہما؛ کی ضمیر عوضین کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و فیما نحن فیہ: یعنی معاطات.

## وضاحت

اگر تصرف نواقل قہریہ کی وجہ سے ہو تو اسکا کیا حکم ہے؟

(۱) آپ ہمیں یہ بتائیں کہ تصرف کی وجہ سے جو ملکیت آرہی ہے، کیا یہ تصرف نواقل

قہریہ کی وجہ سے ہے کہ جسمیں نیت کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یا نواقل قہریہ کی وجہ سے نہیں ہے۔



تا کہ اسمیں نیت کی ضرورت ہو۔ مثلاً انسان مر جاتا ہے اسکے بچے وارث ہو جاتے ہیں۔ اس نے نیت تھوڑی کی ہے کہ میں مروں گا۔ اور میرے بچے میرے وارث ہونگے۔ یا ایک آدمی کو شفعہ کا حق تھا۔ اب مر گیا ہے تو شفعہ اسکی اولاد کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

اگر آپ یہ کہیں کہ تصرف نواقیل قھر یہ میں سے ہے۔ اور نیت کی ضرورت ہی نہیں۔ تو کوئی عقلمند اسکا قائل نہیں ہے۔ اور یہ بعید ہے۔ اور اگر یہ کہیں کہ نیت کی ضرورت ہوتی ہے تو پھر اسکا مطلب یہ ہے کہ جتنے کام بھی انسان کریگا وہ سب ٹھیک نہیں ہونگے۔ کیونکہ بیچنے والے نے تو بیچ دیا تھا۔ اب وہ گھر بیٹھے نیت تو نہیں کر رہا کہ جار یہ کیسا تھوڑی ہو رہی ہے یا نہیں ہو رہی۔ جنایت و تلف ہو رہی ہے یا نہیں۔ وہ تو گھر بیٹھا ہے۔ لہذا یہ درست نہیں ہے۔

### تصرف سے پہلے نما حادث کس کا ملک ہوگی؟

(۲) آپ کہتے ہیں کہ اس نے ابھی تصرف نہیں کیا۔ لہذا ملکیت نہیں آئی۔ تو نماء کا کیا بنے گا۔ فرض کریں گائے لی تھی۔ اب اسکا بچہ ہو گیا ہے۔ کیا تصرف سے پہلے خریدنے والا نماء کا مالک بنے گا؟

اگر آپ کہیں کہ بن جائے گا تو بڑی عجیب بات ہے کہ عین کا مالک نہیں بنا، اس سے جو بچہ پیدا ہوا ہے اسکا مالک ہے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ جو نماء ہو جائے گی اور ملکیت ہو جائے گی۔ یہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کہتے تھے کہ تصرف کرنا ضروری ہے جبکہ یہاں تصرف تو نہیں کیا۔ لہذا عین کا مالک کیسے ہو گیا۔ یہ دونوں اکثر علماء کے ظاہر کلام کے مخالف ہیں۔

کوئی شخص کہتا ہے کہ نہیں، اصل میں جب وہ اجازت دے رہا تھا کہ آپ میرے مال میں تصرف کر سکتے ہیں۔ گویا اسی کیساتھ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ نماء بھی آپکی ہوگی۔

فرماتے ہیں کہ ایسا ثابت نہیں ہے کہ عین میں تصرف کرنے کی اجازت دینے سے، نما کی



ملکیت بھی آرہی ہو۔

**تملیک تصرف میں منحصر ہو جائے گی۔**

(۳) آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس وقت ملکیت کیسے ہوگی۔ ہمارے پاس ایک سبب ہے۔

اور وہ تصرف ہے۔ اور جب تصرف کریگا تب ملکیت ہوگی۔ گویا کہ ملکیت کا دار و مدار تصرف پر ہے۔ اور ہمارے نزدیک مملک تصرف ہے۔

اب جب ایک انسان تصرف کر رہا ہے، اس کی بدولت خود بھی مالک بن رہا ہے۔ اور دوسرا بھی۔ گویا ایک ہی آدمی خود موجب بھی ہے اور قابل بھی۔ یعنی اس کے شخص کے تصرف کرنے سے دونوں کا ایجاب و قبول سود مند ہو رہا ہے۔ پھر جب وہ آپکو مال دے رہا ہے تو آیا یہ تصرف نہیں ہے؟ یہ قبضہ بھی تو تصرف کی ایک صورت ہے۔ آپ اس قبضہ کو ملکیت کا موجب بنائیں۔

**مرحوم کاشف الغطاء کے اشکالات کے جوابات**

شیخ ”صاحب فرماتے ہیں کہ شیخ جعفر کبیر کاشف الغطاء کہتے ہیں کہ اگر آپ معاہدہ میں اس بات کے قائل ہو جائیں کہ قصد تو اباحت کا کیا تھا، بعد میں ملکیت وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو آج تک قواعد شرعیہ آرہے تھے، ان سب میں تبدیلی ہوگی ہے۔ اور ان کی جگہ پر اب نئے نئے قواعد آگئے ہیں۔ لہذا اس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

شیخنا العلامة ارشاد فرماتے ہیں کہ نئے قواعد کو آپ اہمیت نہ دیں۔ اور یہ خیال نہ کریں کہ ان قواعد کی وجہ سے ہمارے جو پہلے عموماً تھے۔ احل اللہ البیع، تجارة عن تراض، سيرة مستمرہ ان میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ نہیں، نہیں۔ یہ اشکالات ہیں۔ ہمیں ان کے جوابات دینے چاہیں۔ ہمارے عموماً اپنی جگہ پر موجود ہیں۔ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ نئے قواعد بنا کر قرآنی آیات اور روایات میں تصرف کریں۔ لیکن یہ قواعد جدیدہ نہیں ہیں، جن کی وجہ سے ہمیں کسی



مشکل کا سامنا کرنا پڑے۔ بلکہ ان کے نقضی اور حلی جوابات موجود ہیں۔ ہم ان کے جواب پیش کرتے ہیں۔

(۱) پہلے اشکال کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپکا اشکال درست نہیں ہے۔

کیونکہ ہمارے پاس اس کا ایک حلی اور ایک نقضی جواب ہے۔

**معاطات عقد ہی نہیں ہے۔**

فرماتے ہیں بحث عقود کی ہو رہی ہے کہ عقود قصود کے تابع ہیں۔ یا ایہا الذین امنوا

وفوا بالعقود تب عقد ہوگا جب قصد بھی ساتھ ہو۔

ما نحن فیہ میں ہم کہتے ہیں کہ معاطات عقد ہی نہیں ہے۔ کیونکہ شہید کہتے ہیں کہ افعال

اقوال کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جہاں سبب قوی (ایجاب وقبول لفظ) کی ضرورت ہے۔ وہاں فعل سبب

کافی نہیں ہے۔

**نقضی جواب:**

اسکے علاوہ بھی موارد ہیں جہاں عقد قصد کے تابع نہیں ہے۔

نیز آپ کہتے ہیں کہ عقود تابع قصود ہیں۔ شریعت میں کئی مقامات ایسے ہیں جہاں عقود تابع

قصود نہیں ہیں مثلاً

(۱) عقد کیا ہے۔ مال دیا ہے۔ پیسے لئے ہیں۔ لیکن کوئی خامی رہ گئی ہے۔ جسکی وجہ سے عقد

فاسد ہو گیا۔ اور شریعت میں ہے کہ اس صورت میں وہ پیسے کا ضامن ہے۔ اور آپ مال کے۔ لیکن رقم

وہ نہیں جو آپ نے دی ہے۔ کم اور زیادہ ہو سکتی ہے۔ یہاں قصد بھی تھا لیکن عقد فاسد کی وجہ سے

بازاری قیمت آگئی ہے۔ حالانکہ بازاری قیمت کا قصد نہیں تھا۔ لہذا عقود ہمیشہ قصود کے تابع نہیں

ہوتے۔



## ان قلت:

کوئی کہتا ہے کہ آپ ایسی بات نہ کریں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہاں عقد کے فاسد ہونے کے بعد قاندہ یاد آجاتا ہے۔ قاندہ یاد کہتا ہے کہ آپ مال کے ضامن ہیں۔ اور وہ قیمت کا۔ اور بازاری قیمت، قاندہ یاد کی وجہ سے ہے۔ اس عقد کی وجہ سے نہیں ہے۔

## قلت

فرماتے ہیں کہ علماء کرام نے قاندہ یاد کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ اور اگر کسی نے ذکر کیا ہے تو دونوں کو اکٹھا ذکر کیا ہے۔ قاندہ یاد کا علیحدہ تذکرہ نہیں کیا۔

(۲) آپ نے عقد کیا ہے۔ شادی کی ہے۔ اور سسرال نے شرط لگائی ہے کہ اس کے قریب نہ جانا۔ یعنی شرط فاسد لگائی ہے۔ لیکن چونکہ دونوں عقد کرنے والوں نے یہ شرط لگائی تھی۔ لہذا شریعت کہتی ہے۔ یہ شرط فاسد ہے۔ لیکن عقد ٹھیک ہے۔ گویا ہمارے قصد کا خیال نہیں کیا گیا۔ لہذا معلوم ہوا کہ عقود تابع قصود نہیں ہیں۔

(۳) آپ نے ایک اپنی اور ایک ساتھی کی کتاب بیچ دی ہے تو ایک بیچ، یملک ہے اور دوسری مالا یملک ہے۔ شریعت کہتی ہے بیچ صحیح ہے۔ فقط اس دوسرے مالک سے جا کر اجازت لے لیں۔ حالانکہ بیچ کو صحیح نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ بیچنے والا اپنی کتاب کا قصد تو کر سکتا ہے، دوسرے کی کتاب کا نہیں۔ اگر عقد قصد کے تابع ہوتا تو اس بیچ کے صحیح نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جبکہ بیچ صحیح ہے۔ لہذا عقود تابع قصود نہیں ہیں۔

(۴) غاصب نے آپ کی کتاب بیچ دی ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ عقد ٹھیک ہے۔ حالانکہ وہ مالک نہیں ہے۔ اصل مالک کی طرف سے بھی یہ عقد ٹھیک ہے۔ فقط آپ اصل مالک کی طرف جائیں۔ اسے کہیں۔ میں نے کتاب خریدی ہے۔ آپ اجازت دے دیں اور پیسے لے لیں۔ لہذا



معلوم ہوا کہ ہمیشہ عقود، قصود کے تابع نہیں ہیں۔

(۵) کوئی آدمی عقد منقطع کر رہا ہے اور مدت کا تذکرہ بھول گیا ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ

عقد دائمی ہو جائے گا۔ حالانکہ عقد دائمی کا قصد نہیں تھا۔ لہذا عقود، قصود کے تابع نہیں ہیں۔

فرماتے ہیں وہاں عقود تابع قصود نہیں ہوتے جہاں شریعت کا علیحدہ حکم موجود ہو۔ وگرنہ

قاعدۂ عقود، قصود کے تابع ہیں۔ لیکن بعض مقامات ایسے ہیں جو تابع قصود نہیں ہیں۔ لہذا ہم کہیں

گے کہ

اولاً: معاطات عقد نہیں ہے۔

ثانیاً: تمام عقود، قصود کے تابع نہیں ہوتے ہیں۔



# اٹھارہواں درس

ارادہ تصرف کے ملکیت بننے میں کوئی حرج نہیں ہے  
خمس و زکوٰۃ والا اشکال استبعاد محض ہے  
ایک کا تصرف دوسرے کے لئے ملکیت بن سکتا ہے  
تلف سماوی والا اشکال ثابت نہیں  
نتیجہ بحث







## اٹھارہواں درس

و أما ما ذكره من لزوم كون إرادة التصرف مملكاً، فلا باس بالتزامه إذا كان مقتضى الجمع بين الأصل و دليل جواز تصرف المطلق، و ادلة توقف بعض التصرفات على الملك، فيكون كتصرف ذى الخيار و الواهب فيما انتقل عنهما بالوطى و البيع و العتق و شبهها۔ و أما ما ذكره من تعلق الأحماس و الزكوات۔۔۔ إلى آخر ما ذكره، فهو استبعاد محض۔ و دفعه بمخالفته للسيرة رجوع إليها، مع أن تعلق الاستطاعة الموجبة للحج و تحقق الغنى المانع عن استحقاق الزكاة، لا يتوقفان على الملك۔

و أما كون التصرف مملكاً للجانبين، فإن ثبت باجماع أو سيرة كما هو الظاهر، كان كل من المالكين مضموناً بعوضه، فيكون تلف فى يد كل منهما من ماله مضموناً بعوضه، نظير تلف المبيع قبل قبضه فى يد البائع، لأن هذا هو مقتضى الجمع بين هذا الإجماع و بين عموم ((على اليد ما أخذت)) و بين أصالة عدم الملك الا فى الزمان المتيقن و قوعه فيه۔

توضيحه: أن الاجماع لما دل على عدم ضمانه بمثله او قيمته، حكم بكون التلف من مال ذى اليد؛ رعايةً لعموم ((على اليد ما أخذت))، فذلك الاجماع مع العموم المذكور بمنزلة الرواية الواردة فى أن: ((تلف المبيع قبل قبضه من مال بائعه)) فاذا قدر التلف من مال ذى اليد، فلا بد من ان يقدر فى آخر آزمة امكان تقديره؛ رعايةً



لأصالة عدم حدوث الملكية قبله، كما يقدر ملكية المبيع للبائع وفسخ البيع من حين التلف؛ استصحاباً لأثر العقد. واما ذكره من صورة غصب الماخوذ بالمعاطاة. فالظاهر على القول بالاحاطة أن لكل منهما المطالبة مادام باقياً، و اذا تلف فظاهر اطلاقهم ((التملك بالتلف)): تلفه من مال المغضوب منه. نعم لو لا قام اجماع، كان تلف من مال المالك لو لم يتلف عوضه قبله.

و أما ما ذكره من حكم النماء، فظاهر المحكى عن بعض القائلين بالاباحة لا يقول بان انتقال النماء إلى الاخذ، بل حكمه حكم أصله؛ و يحتمل أن يحدث النماء في ملكه بمجرد الإباحة. ثم انك بما لحظت ما ذكرنا تقدر على التخلص عن سائر ما ذكره، مع أنه (رحمه الله) لم يذكرها للاعتماد، و الانصاف أنها استبعادات في محلها. و بالجملة، فالخروج عن أصالة عدم الملك المعتضدة بالشيء المحققة إلى زمان المحقق الثاني و بالاتفاق المدعى في الغنية و القواعد هنا و في المسالك في مسألة توقف الهبة على الإيجاب و القبول، مشكل؛ و رفع اليد عن عموم ادلة البيع و الهبة و نحوهما المعتضدة بالشيء القطعية المستمرة و بدعوى الاتفاق المتقدم عن المحقق الثاني. بناء على تأويله لكلمات القائلين بالاباحة. — أشكل.

فالقول الثاني لا يخلو عن قوة.

## ترجمہ

نیز مرحوم شیخ کاشف الغطاء نے جو یہ فرمایا تھا کہ نظریہ اباحت کا لازمہ یہ ہے کہ فقط تصرف کا



ارادہ ہی مملک بن جائے گا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اصل (اصل عدم ملکیت) اور ادلہ جواز مطلق تصرف اور وہ ادلہ جو اس تصرف کو بھی جائز سمجھتی ہیں جو ملکیت پر موقوف ہیں۔ جب ان کو جمع کریں گے تو ان کی جمع کا یہی تقاضا ہے کہ ایسے ہی ہو، پس معاطات میں کیا جانے والا تصرف صاحب خیار اور واہب کے تصرف جیسا ہوگا۔ یعنی اس چیز بائع اور واہب نے وطی، بیع اور عتق وغیرہ کے ذریعے (جو تصرفات کر لے ہیں وہ ان تصرفات کی وجہ سے اس کا مالک بن جاتا ہے) اور چیز ان دونوں کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

اور شیخ کاشف الغطاء نے جو خمس و زکوٰۃ کے حوالے سے کہا تھا کہ ان کا غیر کے مال سے تعلق ہو جائے گا۔ یہ استبعاد محض ہے۔

اور اگر آپ اسے رد کرتے ہوئے کہیں کہ مذکور امور کا غیر کے ملک کیساتھ تعلق رکھنا، سیرہ کے مخالف ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ سیرہ سے متمسک ہونا اپنی دلیل سے منہ موڑ لینے کے مترادف ہے۔ (یعنی پھر سیرہ دلیل ہوئی۔ آپکی پیش کردہ دلیل، دلیل نہ ہوئی) مزید یہ کہ حج کے وجوب میں استطاعت کا تعلق، اور ایسے غنی کا متحقق ہونا جو استحقاق زکوٰۃ سے مانع ہو۔ یہ دونوں ملکیت پر موقوف نہیں ہیں۔ اور یہ اشکال کہ اسکا تصرف دوسرے کیلئے مملک بن جائے گا۔ اسکا جواب بھی واضح ہو چکا ہے۔ اور یہ اشکال کہ تلف کی وجہ سے دونوں مالک بن جائیں گے اگر یہ بات اجماع یا سیرہ سے ثابت ہوئی ہو (جیسا کہ ظاہراً ایسا ہی ہے) تو دونوں مال اپنے اپنے عوض کیساتھ مضمون (باعث ضمانت) ہونگے۔

پس ان میں سے جس کے ہاتھ سے تلف ہو اوہ مال کے عوض کا ضامن ہوگا۔ یہ اس طرح ہے جس طرح بائع کے ہاتھ سے (قبضہ دینے سے پہلے) چیز کا تلف ہو جانا ہے۔ بائع اس لیے ضامن ہے کیونکہ تینوں ادلہ کا مقتضائے جمع یہی تقاضا کرتا ہے۔



یعنی اجماع، عموم علی الید (۱) اور اصالت عدم ملک کی جمع یہی کہتی ہے۔ البتہ جس زمانے میں ملکیت کا آنا یقینی ہو؛ اسکی نفی کر رہی ہے۔

اسکی وضاحت یہ ہے کہ اجماع سے ثابت ہے ضامن نے مثل یا قیمت پر تعہد نہیں کیا تھا لہذا جسکے ہاتھ سے تلف ہوا ہے۔ حکم کیا جائے گا کہ یہ ذی الید مال سے تلف ہوا ہے۔ تاکہ اسکی وجہ سے حدیث ید کی رعایت اور تحفظ ہو۔ پس اسی وجہ سے اجماع حدیث ید کیساتھ اس روایت کی مانند ہو جائے گا کہ اگر قبضہ دینے سے پہلے بائع سے بیع تلف ہو جائے (۲) تو یہ بائع کے مال سے تلف ہوتی ہے۔ چونکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ تلف ذی الید کے مال سے ہی ہوا ہے۔

یہ بھی فرض ہوا کہ آخری زمانہ کہ جسمیں اسکی ملکیت تھی، فرضاً اسی زمانہ میں تلف ہوتی ہے۔ اس سے اصالت عدم حدوث ملکیت جدید کی رعایت بھی ہو جائے گی۔ چنانچہ دلیل استصحاب کیساتھ اثر عقد کا فرض کیا جائے گا کہ تلف کے زمانے تک بائع، بیچی ہوئی چیز کا مالک تھا۔ لہذا بیع (خرید و فروخت) فسخ ہو جائے گی۔

نیز وہ صورت جسمیں معاطات کے ذریعے حاصل کئے گئے مال کو کوئی غصب کر لے تو مغضوب مالک بن جائے گا۔ یہ اشکال بھی ناتمام ہے کیونکہ نظریہ اباحت التصرف کی بناء پر جب تک عین باقی ہے دونوں غاصب سے واپسی کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر عین تلف ہو جائے تو انکے اطلاقات کے ظواہر سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا مالک بن جائے گا اور مغضوب کے مال کا تلف شمار

(۱) غوالی اللالی ج ۱ ص ۲۲۲ حدیث نمبر ۱۰۶، سنن ترمذی ج ۳ ص ۵۶۶ حدیث نمبر ۱۲۶۶، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶



ہوگا۔

ہاں اگر اجماع قائم نہ ہو کہ یہ مالک کے مال سے تلف ہوا ہے (البتہ یہ اس وقت ہے جب اسکا عوض پہلے تلف نہ ہوا ہو۔)

اور جو انہوں نے حکم نماء کے حوالے سے ذکر کیا تھا۔ بعض علماء کے ظواہر کلام سے حکایت کی گئی ہے کہ کوئی بھی اباحت کا قائل یہ نہیں کہتا کہ نماء مال لینے والے کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ بلکہ نماء کا حکم اصل والا ہے۔ البتہ یہ احتمال ہے مجرد اباحت (بدون تصرف) کی وجہ سے نماء ملکیت میں آجائے۔

بہر حال اب تو آپ بھی ہماری باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے؛ شیخ کاشف الغطاء کے دوسرے اشکالات کا آسانی سے جواب دے سکتے ہیں۔ جبکہ مرحوم شیخ کاشف الغطاء نے انہی اشکالات پر اعتماد کرتے ہوئے باقی اشکالات ذکر نہیں کیا تھا۔ حالانکہ ذکر نہ کئے گئے اشکالات بھی اپنی جگہ بعید ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصالت عدم ملک کو برطرف کرنا بہت مشکل ہے۔ اصالت عدم ملک بھی وہ جسکی محقق کر کی ثانی کے زمانے تک شہرت محققہ کیساتھ تائید ہوتی ہے۔ اور صاحب غنیۃ (۳)، قواعد (۴) اور مسالک (۵) کے (اس مسئلہ کہ ہبہ ایجاب قبول پر موقوف ہے) اتفاق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف عموم ادلہ بیح و ہبہ وغیرہ سے رفع ید کرنا مشکل ترین کام

(۱) غنیۃ النزوع ص ۵۲۳

(۲) القوائد والقوائد ج ۱ ص ۱۷۸

(۳) مسالک الافہام ۱: ۳۶۷



ہے۔ اسکی بھی سیرہ قطعیہ مستمرہ، دعوی اتفاق محقق کر کی ثانی (اس بناء کر کہ جو انہوں نے اباحت کہنے والوں کے کلمات کی تاویل کی ہے) سے بھی تائید ہوتی ہے۔  
البتہ قول دوم (مفید ملک ہے نہ کہ اباحت) خالی از قوت نہیں ہے۔

## حل عبارات

قولہ: بین الاصل: یعنی اصالة اباحة التصرف.

قولہ: و ادلة توقف بعض التصرفات الخ: تصرفات سے مراد بیع، عتق اور وطي ہیں۔

قولہ: فيكون كتصرف ذي الخيار: ؛ يكون؛ کی ضمیر تصرف متعاطیین کی طرف لوٹ

رہی ہے اور؛ ذی الخيار؛ سے مراد بائع اور مشتری ہیں۔

قولہ: بالوطی و البیع الخ: کلمہ؛ بالوطی؛؛ تصرف؛ کے متعلق ہے۔

قولہ: شبہها: ضمیر مؤنث وطي، بیع اور عتق کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لان هذا هو مقتضى الجمع الخ: یہ عبارت؛ کان کل من المالیین مضموناً بعوضہ

الخ؛ کیلئے علت ہے۔

قولہ: مملکاً للجانبین: جانبین سے مراد متعاطیین ہیں۔

قولہ: كما هو الظاهر: ؛ ہو؛ کی ضمیر ثبوت کون التلف مملکاً للجانبین باجماع اور سیرہ کی

طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لان هذا هو مقتضى الجمع الخ: مشاڑ الیہ؛ ہذا؛ کون کل من المالیین مضموناً

بعوضہ ہے۔



قولہ: الا فی الزمان المتیقن وقوعہ فیہ: زمان متیقن سے مراد زمان تلف مالین ہے اور وقوعہ کی ضمیر ملک کی طرف اور فیہ کی ضمیر زمان متیقن کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: توضیحہ: ضمیر مجروری جمع بین ہذا لاجماع وعموم علی الید الخ کی طرف لوٹ رہی

ہے۔

قولہ: من ان یقدر فی آخر ازمنة امکان تقدیرہ: یتقدر؛ میں ضمیر نائب فاعلی کون التلف من مال ذی الید کی طرف لوٹ رہی ہے اور تقدیرہ کی ضمیر تلف کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: ان لكل منهما: یعنی من المتعاطیین

قولہ: مادام باقیاً: یعنی مادام المال باقیاً فی ید الغاصب

قولہ: فظاهر اطلاقهم: یعنی اطلاق المشهور

قولہ: لو قام اجماع: یعنی اجماع عدم تملک بواسطہ تلف احد العینین

قولہ: من مال المالك: یعنی المالك المعطى

قولہ: لو لم یتلف عوضہ قبلہ: ضمائر مجروری تالف کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

قولہ: بل حکمہ حکم اصلہ: ضمائر مجروری نماء کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

قولہ: ان یحدث النماء فی ملکہ: ملکہ کی ضمیر مباح لہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: من سائر ما ذکرہ: ذکرہ میں ضمیر فاعلی کاشف الغطاء کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: مع انه لم یدکرہا: انه کی ضمیر کاشف الغطاء اور لم یدکرہا میں ضمیر مفعولی

اشکالات مذکور کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و الانصاف انها استبعادات فی محلها: انہا کی ضمیر اشکالات اور محلہا کی

ضمیر استبعادات کی طرف لوٹ رہی ہے۔



قولہ: فی الغنیة و القواعد ہنا: مشاراً الیہ: ہنا: بیع معاطات ہے۔  
قولہ: علی تأویلہ: ضمیر مجروری؛ محقق ثانی؛ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

## وضاحت

ارادہ تصرف کے ملکیت بننے میں کوئی حرج نہیں:

آپ کس طرح کہتے ہیں کہ ارادہ تصرف مملک ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ کیا حرج ہے کہ ہم اسکے قائل ہو جائیں کیونکہ اسوقت ہمارے پاس تین قاعدے ہیں، جو یہاں جاری ہو رہے ہیں۔ البتہ یہ تینوں قاعدے آپس میں متناقض ہیں۔ ظاہر ہے ان تینوں قواعد کو اکٹھا لیکر چلنا ہوگا۔

معاطات میں بحث ہے۔ ہم کیا کریں؟

(۱) اسوقت ملکیت سابقہ کا استصحاب ہو سکتا ہے۔ یعنی ہمیں شک ہے کہ پہلے فلان فلان مالک تھے۔ اب بیع کے بعد نئے مالک بنے ہیں یا نہیں۔ سابقہ مالک کے ملک کا استصحاب کیا جائے گا۔ اور مالک اول ہی اسی کا مالک ہوگا۔

(۲) ہمارے پاس دلائل موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ معاطات کے بعد ہر شخص کو ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے۔ حتیٰ اگر اسے آگے بیچنا چاہیے تو بیچ سکتا ہے۔ عقد معاطات کے ساتھ لونڈی خریدی تھی، اگر اس کیساتھ وٹلی کرنا چاہیے تو کر سکتا ہے۔

(۳) اس بات کے دلائل بھی موجود ہیں کہ تصرف وہی کر سکتے ہیں جو موقوف علی الملک نہیں ہیں۔ یہ قاعدہ بین بین ہو جاتا ہے۔ دوسرا مالک فقط وہی تصرف کر سکتا ہے جو موقوف علی الملک



نہیں ہے۔ گویا پہلا مالک یہاں تصرف کر سکتا ہے۔ اور دوسرا مالک فقط عدم ملکیت والے تصرف کر سکتا ہے۔

ہمارے سامنے یہ تین قواعد موجود ہیں۔ ان تینوں کو ملا کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس وقت دوسرا مالک تصرف کرتا ہے تو اس وقت فوراً ملکیت آنیہ کا تحقق ہو جاتا ہے۔ اس واسطے وہ مالک بن جاتا ہے۔ اگر ہم اس قول کے قائل ہو جائیں (ان تینوں سے بچتے ہوئے) تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا آپ کے پاس اس طرح کا کوئی اور شاہد بھی ہے؟  
فرماتے ہیں جی ہاں۔

فرض کریں آپ نے ایک جانور بیچا ہے۔ جس کا خیار تین دن تک ہے۔ چاہیں تو تین دن میں واپس کر دیں۔ چاہیں تو اپنے پاس رکھیں۔ لیکن تین دن کے اندر اندر اس جانور کو آگے بیچ دیتے ہیں۔ حالانکہ آپ کو تو خیار حاصل تھا۔ پوری طرح آپ کی ملکیت میں نہیں آیا تھا۔ اس وقت کہا جائے گا کہ بیچنے کی حالت میں ملکیت آنیہ آگئی ہے۔ جسکی وجہ سے آپ نے بیچ دیا ہے۔ اور یہ علامت بھی بن جائے گی کہ آپ نے خیار کو استعمال نہیں کیا ہے۔

اسی طرح واہب کسی کو کوئی چیز دینے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس چیز کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ کیونکہ اس کو پتہ نہیں ہے کہ اس نے یہ چیز واپس لینی ہے یا نہیں۔ پھر واہب خود اس چیز میں تصرف کر لیتا ہے۔ جو نہی تصرف کرتا ہے اسمیں ملکیت آنیہ آ جاتی ہے کہ اس نے بخشش اور ہبہ سے رجوع کر لیا ہے۔

لہذا جیسے خیار اور واہب میں صاحب خیار اور واہب تصرف کرتا ہے تو ملکیت آنیہ آ جاتی ہے۔ مانحن فیہ میں بھی (ان تینوں متناقض قواعد کو مد نظر رکھتے ہوئے) اگر ہم ملکیت آنی کے قائل



ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔

**خمس وزکوٰۃ والا اشکال استبعاد محض ہے۔**

(۳) تیسری دلیل میں انہوں نے ۱۰ چیزیں ذکر کی تھیں۔ ان میں کہا تھا کہ جب ملکیت نہیں ہے تو آپ خمس وزکوٰۃ نہ دیں اس سے حج بھی نہ کریں۔ کوئی کہتا کہ یہ سیرت ہے۔ ہم کیوں خمس وغیرہ نہ دیں۔ جبکہ معاطات کے عنوان سے ایسا ہوتا رہا ہے۔

فرماتے ہیں آپ نے پھر خمس وزکوٰۃ وغیرہ کو نہیں لیا ہے۔ بلکہ آپ سیرت کو لے رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی اور جداگانہ دلیل نہیں ہے۔

ثانیاً: جہاں تک حج کا تعلق ہے۔ اسمیں ملکیت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ایک آدمی پیسے دیتا ہے کہ اس سے حج کریں۔ اس سے حج ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ہبہ یا ہدیہ یا کسی اور عنوان سے دے سکتا ہے۔ اگر اس سے خمس دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

**ایک کا تصرف دوسرے کیلئے ملکیت بن سکتا ہے۔**

(۴) کہا گیا تھا کہ ایک کا تصرف دوسرے کے لئے مملک بن جائے گا۔

فرماتے ہیں کہ ہم نے جو پہلی صورت بیان کی تھی اسمیں کہا تھا کہ تین قاعدے ہیں۔ تینوں آپس میں متناقض ہیں۔ لہذا ملکیت آنیہ کے قائل ہونگے۔

**تلف سماوی والا اشکال ثابت نہیں۔**

(۵) کیا تلف من جانب الآخر کے لئے مملک بن جاتا ہے۔ خواہ آسمانی آفت سے ہی کیوں نہ تلف

ہو جائے؟



فرماتے ہیں کہ اصل بات تو یہ ہے کہ اگر اجماع اور سیرت سے معلوم ہو جائے کہ دونوں مال مضمون ہیں تو ایسی صورت میں جس کا تلف ہوگا وہ اس کے عوض کا ضامن ہوگا۔  
بعبارة آخری دو چیزیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) یا تو یہ کہیں کہ اسکے ضامن وہی ہونگے معاطات کے بعد مال ان کے پاس چلا گیا

ہے۔

(۲) یا یہ کہ یہ دونوں مال اپنے مالک کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

اگر اپنے مالک کی طرف منتقل ہو جائیں گے تو تب ہمیں کہنا پڑے گا کہ جس وقت تلف ہو رہا ہے یا خرابی پیدا ہو رہی ہے۔ تو چیز ایک آن کیلئے اسمیں ملکیت میں پہنچ گئی ہے تو جس نے بیع دی تھی اسی کے مال تلف ہوئی ہے۔ خریدنے والے کے مال سے تلف نہیں ہوئی۔

اور اگر آپ کہتے ہیں کہ نہیں دونوں کے پاس مال منتقل ہو گیا ہے تو اس وقت ہم کہیں گے کہ اگر اس کے پاس مال تلف ہوتا ہے تو اس کے عوض کا ضامن بھی یہی ہے۔ اور اگر اُس کے پاس مال تلف ہوتا ہے تو اُس کے عوض کا ضامن وہی ہوگا۔

فرماتے ہیں کہ غصب کی صورت میں بھی یہی ہے کیونکہ غاصب اپنے پاس رکھ رہا ہے تو یہ اسکے پاس جا کر کہے گا کہ میرا مال ہے۔ گویا وہ اپنی ملکیت کا قائل ہو رہا ہے۔ اور غصب میں ملکیت آئی ہو رہی ہے۔ اب یہ جا کر کہے گا کہ آپ نے غلط طریقہ پر مال لیا تھا۔ یہ مال میرا ہے۔ مجھے واپس کر دے۔ لہذا اتمام استبعادات کے جواب ہیں۔

### نتیجہ بحث

شیخ صاحب فرماتے ہیں۔ ہم کیا کریں؟ نتیجہ کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔ ہمارے سامنے دو چیزیں ہیں۔



(۱) اصل عدم ملک ہے۔ اس اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ محقق ثانیؒ کے زمانے سے پہلے سب علماء میں مشہور تھا کہ ملکیت محقق نہیں ہوتی۔ ابن زہراء نے غنیۃ میں اتفاق کا دعویٰ کیا ہے کہ ملکیت محقق نہیں ہوتی۔ مسالک میں ہبہ کے متعلق کہا تھا کہ جب ہبہ ایجاب و قبول کے بغیر نہیں ہو سکتا تو بیع ایجاب و قبول کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے۔ ان تمام چیزوں کو دیکھیں تو ملکیت کا حکم لگانا مشکل ہے۔

(۲) دوسری طرح احل اللہ البیع ، تجارة عن تراض ، سیرت مستمرة اور محقق کرکیؒ کا دعویٰ اتفاق کہتا ہے کہ ملکیت کا حکم نہ لگانا باعث اشکال ہے۔  
 شیخ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ محقق کرکیؒ کا قول لا تخلو عن قوۃ ہے۔  
 گویا جب ہم اس بیع کے اختتام تک پہنچے تو شیخنا العلامہؒ کے فرمان کے مطابق ملکیت کا قائل نہ ہونا باعث اشکال ہے۔ لہذا آپ کو ملکیت کا قائل ہو جانا چاہیے۔  
 اب بحث یہ ہوگی کہ محقق کرکیؒ کی طرح ملک متزلزل تک رہیں یا لزوم تک پہنچ جائیں۔



# انیسواں درس

کیا معاطات عقد لازم ہے یا عقد جائز؟

پہلے قول کی اولہ

اصالة الزوم فی الملک

دعوی اور اس کا جواب

کیا استصحاب دلیل بن سکتی ہے؟

خلاصہ بحث







## انيسواا درس

و عليه فهل هي لازمة ابتداءً مطلقاً، كما حقي عن ظاهر المفيد (رحمه الله)، أو بشرط كون الدال على التراضى لفظاً، كما حكي عن بعض معاصري الشهيد الثاني و قواه جماعة من متأخري المحدثين، أو هي غير لازمة مطلقاً فيجوز لكل منهما الرجوع في ماله، كما عليه اكثر القائلين بالملك، بل كلهم عدا من عرفت؟ وجوه: أو فقها بالقواعد هو الأول، بناءً على أصالة اللزوم في الملك، للشك في زواله بمجرد رجوع مالكة الأصلي.

و دعوى أن الثابت هو الملك المشترك بين المتزلزل و المستقر، و المفروض انتفاء الفرد الاوّل بعد الرجوع، و الفرد الثاني كان مشكوك الحدوث من أول الأمر، فلا ينفع الاستصحاب، بل ربما يزداد استصحاب بقاء علقه المالك الأول، مد فوعة: - مضافاً إلى إمكان دعوى كفاية تحقق القدر المشترك في استصحاب، فتأمل - بأن انقسام الملك إلى المتزلزل و المستقر ليس باعتبار اختلاف في حقيقته، و إنما هو باعتبار حكم الشارع عليه في بعض المقامات بالزوال برجوع المالك الأصلي؛ و منشأ هذا الاختلاف حقيقة السبب الملك، لا اختلاف حقيقة الملك؛ فجواز الرجوع و عدمه من الاحكام الشرعية للسبب، لا من الخصوصيات المأخوذة في المسبب.



و يدلّ عليه: — مع أنه يكفي في الاستصحاب الشك في أن اللزوم من خصوصيات الملك أو من لوازم السبب الملك و مع أن محسوس با لوجدان أن انشاء الملك في الهبة اللازمة و غيرها على نهج واحد أن اللزوم و الجواز لو كانا من خصوصيات الملك، فإما أن يكون تخصيص القدر المشترك باحدى الخصوصيتين بجعل المالك، أو بحكم الشارع.

فإن كان الأول: كان اللازم التفصيل بين أقسام التملك المختلفة بحسب قصد الرجوع، و قصد عدمه، أو عدم قصده، وهو بديهي البطلان؛ إذ لا تأثير لقصد المالك في الرجوع و عدمه.

و إن كان الثاني: لزم امضاء الشارع القعد على غير ما قصد المنشئ، و هو باطل في العقود؛ لما تقدم من أن العقود المصححة عند الشارع تتبع القصد، و إن أمكن القول بالتخلف هنا في مسألة المعاطة، بناء على ما ذكرنا سابقاً انتصاراً للقائل بعدم الملك: من منع وجوب امضاء المعاملات الفعلية على طبق قصد المتعاطين، لكن الكلام في قاعده اللزوم في الملك تشمل العقود أيضاً.

و بالجملة، فلا اشكال في أصالة اللزوم في كل عقد شك في لزومه شرعاً؛ و كذا لو شك في ان الواقع في الخارج هو العقد اللازم أو الجائز، كما لصلح من دون عوض، و الهبة.

نعم لو تداعيا، احتمل التحالف في الجملة.



## ترجمہ

کیا یہ معاطات ابتداء ہی سے عقد لازم ہے جیسا کہ شیخ مفیدؒ کے کلام سے یہی ظاہر ہے۔ یا اس شرط کیساتھ لازم ہے جب لفظاً تراضی پر دلالت کرے۔ جیسا کہ یہ مطلب شہید ثانیؒ کے بعض معاصرین سے منقول ہے۔ اور بعد میں آنے والے محدثین (۱) نے اس قول کو تقویت دی ہے۔ یا یہ مطلقاً عقد غیر لازم ہے؟ لہذا ان میں سے ہر ایک کیلئے اپنے مال کی طرف رجوع کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ اکثر ملکیت کے قائلین یہی کہتے ہیں۔ بلکہ جنکے نظریات جان چکے ہیں ان کے علاوہ سب کے سب اس قول کے قائل ہیں۔

بہر حال اس مسئلہ میں مختلف وجوہات ہیں۔ قواعد کیساتھ موافق ترین وجہ پہلا قول ہے۔ اس بناء پر کہ ملکیت میں اصل لزوم ہے۔ لہذا اگر شک ہو کہ مالک اصلی کے رجوع سے ملکیت چلی گئی ہے یا نہیں تو اصل لزوم ملکیت ہے۔

اور یہ دعویٰ کہ ثابت یہ ہے کہ ملک متزلزل اور مستقر (لازم) کے درمیان مشترک ہے۔ اور فرض یہ ہے کہ فرد اول (متزلزل) رجوع کے بعد منٹھی ہو گیا ہے اور فرد ثانی (لازم) ابتداء سے ہی مشکوک الحدوث ہے لہذا استصحاب کوئی فائدہ نہ دے گا۔ بلکہ کبھی تو استصحاب پہلے مالک کے تعلق کو اور زیادہ بیان کرتا ہے۔ مرفوع ہے۔ کیونکہ

اولاً: اسکے علاوہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ استصحاب میں قدر مشترک کا متحقق ہونا کافی ہے۔

فتاٰل۔

(۱) ان میں ایک شیخ یوسف بحرانیؒ اور محدث کاشانی ہیں۔ دیکھیں حدائق الناظرہ ۱۸: ۳۵۰، مفاتیح الشرائع ۳: ۲۸



ثانیاً: ملکیت کا متزلزل اور مستقر کی طرف تقسیم ہونا، حقیقت ملک میں اختلاف کے عنوان سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو فقط شارع کے حکم کی وجہ سے ہے کہ بعض اوقات شارع زوال عین کے وقت مالک اصلی کی طرف رجوع کا کہتا ہے۔ لہذا اس اختلاف کا منشاء، حقیقت سبب مملک کے عنوان سے ہے نہ کہ حقیقت ملک کے عنوان سے ہے۔ احکام شرعیہ میں رجوع کا جائز ہونا یا نہ ہونا سبب کی وجہ سے ہے۔ ان خصوصیات کی وجہ سے نہیں ہے جو سبب میں پائی جاتی ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ استصحاب کیلئے یہی شک کافی ہے کہ لزوم اور جواز آیا مالکیت کی خصوصیات سے ہیں یا اسکے لوازم سبب سے ہیں۔

ثانیاً: اسکے علاوہ وجداناً یہ بات واضح طور پر محسوس ہوتی ہے کہ ہبتہ لازمہ اور غیر لازمہ میں انشاء ملک ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔

ثالثاً: اگر لزوم اور جواز خصوصیات ملک سے ہوں تو قدر مشترک میں مالکیت ان دو میں سے ایک کے ذریعے ہوگی۔ یا جعل کے ذریعے مالک بنا ہے یا شارع کے حکم کیساتھ مالک بنا ہے۔ اگر پہلی صورت ہے تو ضروری تھا کہ تملیک کی مختلف قسموں میں تفصیل دی جاتی۔ کبھی قصد رجوع اور قصد عدم رجوع کے عنوان سے۔ یا اس عنوان سے اس کا کسی قسم کا کوئی قصد نہ تھا۔ بلا شک یہ تفصیل واضح البطلان ہے۔ کیونکہ اس قول کی صورت میں رجوع اور عدم رجوع میں مالک کے قصد کی کوئی تاثر نہیں ہے۔

اور اگر دوسری صورت مراد ہے تو شارع کیلئے ضروری ہوگا کہ اسکے خلاف امضاء فرمائے جس کا انشاء کرنے والے نے قصد کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ عقود میں ایسا کہنا باطل اور غلط ہے۔ کیونکہ جن عقود کی شارع نے تصحیح فرمائی ہے۔ ان میں قصد کی پیروی ضروری ہے۔

البتہ مسئلہ معاطات میں تخلف قصد کی صورت ممکن ہے جیسا کہ عدم ملک کے قائلین کی مدد



کرتے ہوئے پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہم نہیں مانتے کہ معاملات فعلیہ کا حتماً متعالین کے قصد کے مطابق امضاء بھی کیا جائے۔ (بلکہ ممکن ہے کہ جیسے معاطات میں دونوں تملیک کا قصد رکھتے ہیں اور شارع اباحت التصرف کا کہہ رہا ہے) لیکن ملکیت میں قاعدہ لزوم (اصالت لزوم) عمومیت رکھتا ہے تمام عقود (حتی معاطات) کو شامل ہے۔

المختصر ہر وہ عقد جسمیں شک ہو کہ یہ شرعاً لازم ہوا ہے یا نہیں، اسمیں اصالت لزوم کے جاری ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔ اسی طرح اگر یہ شک ہو کہ خارج میں جو صورت نظر آرہی ہے یہ عقد لازم ہے یا عقد جائز (مثل صلح بدون عوض و ہبہ) تب بھی اصالت لزوم جاری ہوگی۔ ہاں البتہ اگر یہ دونوں دعویٰ کریں (ایک دوسرے کی بات کو جھٹلائیں اور لزوم و جواز عقد میں اختلاف واقع ہو جائے) تو فی الجملہ بعض موارد میں تحالف (حلف) کا احتمال ہے۔

## حل عبارات

قولہ: و علیہ؛ یعنی و علی القول بالملک

قولہ: فہل ہی لازمة:؛ ہی؛ کی ضمیر ملکیت کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: ابتداء ا: یعنی از ابتداء وقوع معاطات نہ بعد از تلف عینین او احدیہما

قولہ: مطلقاً: خواہ رضایت پر لفظ دلالت کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔

قولہ: وقواہ جماعۃ:؛ قواہ؛ میں ضمیر منصوبی احتمال دوم کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فیجوز لكل منهما: یعنی لكل من المتعاطیین

قولہ: کما علیہ اکثر القائلین:؛ علیہ؛ کی ضمیر عدم لزوم مطلقاً کی طرف لوٹ رہی ہے۔



قولہ: عدا من عرفت: یعنی مرحوم محقق ثانی

قولہ: اوفقها بالقواعد هو الاول:؛ اول؛ سے مراد مرحوم مفید کی رائے ہے۔

قولہ: فی زوالہ: یعنی فی زوال الملک

قولہ: لیس باعتبار اختلاف فی حقیقتہ: یعنی حقیقت ملک

قولہ: و انما هو باعتبار الخ:؛ ہو؛ کی ضمیر انقسام ملک کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: مع انه یکفی الخ:؛ انه؛ کی ضمیر، ضمیر شأن ہے۔

قولہ: ان اللزوم و الجواز: کلمہ؛ ان؛ بفتح ہمزہ ہے اور یہ اپنے اسم و خبر کیساتھ یدل کا

فاعل ہے۔

قولہ: تخصیص القدر المشترك:؛ قدر مشترک؛ سے مراد اصل ملک ہے۔

قولہ: باحدى الخصوصیتین: یعنی جواز و استقرار

قولہ: فان كان الاول: یعنی تخصیص به جعل و انشاء مالک

قولہ: و قصد عدمه: یعنی عدم الرجوع

قولہ: عدم قصدہ:؛ قصدہ؛ کی ضمیر کل واحد من الرجوع وعدم الرجوع کی طرف لوٹ رہی

ہے۔

قولہ: و هو بدیہی البطلان:؛ ہو؛ کی ضمیر لزوم تفصیل بین اقسام التملیک کی طرف لوٹ

رہی ہے۔

قولہ: و ان كان الثانی: یعنی تخصیص به حکم شارع

قولہ: و هو باطل:؛ ہو؛ کی ضمیر لزوم امضاء الشارع الخ کی طرف لوٹ رہی ہے۔



## وضاحت

### کیا معاطات عقد لازم ہے یا عقد جائز؟

(۱) اب بحث یہ ہے کہ آیا یہ معاطات ملک لازم ہے؟

(۲) یا ملک لازم نہیں ہے۔ بلکہ عقد جائز ہے۔

(۳) یا معاطات ملک متزلزل ہے۔

سب سے پہلا قول کہ معاطات عقد لازم ہے۔ مطلقاً۔ اسکے قائل شیخ مفید علیہ الرحمہ ہیں۔  
یا یہ معاطات اس وقت لزوم پر دلالت کرتی ہے جب کوئی نہ کوئی لفظ موجود ہو۔ یا باضابطہ طور  
پر صیغہ نہ بھی ہو، تب بھی لزوم پر دلالت کرتی ہے۔ اسکے قائل شہید ثانیؒ کے بعض معاصرین اور  
محدثین متاخرین کی جماعت ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لازم نہیں ہے مطلقاً۔ اور اکثر لوگ اسی کے قائل ہیں۔

ان میں سب سے بہتر وجہ پہلی ہے کہ معاطات مطلقاً عقد لازم ہے۔ اسکی کافی دلیلیں ہیں۔

### پہلے قول کی اولہ

#### (۱) اصالة لزوم فی الملک:

جب ایک ملک متحقق ہوتا ہے۔ آپ خرید و فروخت کرتے ہیں۔ قاعدۃً خرید و فروخت ملک  
لازم کے عنوان سے ہوتی ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ ملک ملک لازم ہو گیا ہے۔ جب آپ کو شک ہو کہ آیا  
ایک آدمی رجوع کر رہا ہے۔ استقالہ کرتا ہے۔ تو آیا یہ عقد ختم ہوا ہے یا نہیں؟ تو ہم اس شک کی کوئی  
پروا نہیں کریں گے۔ بلکہ ہم کہیں گے کہ اصل لزوم ہے۔



اصالت الزوم سے مراد کیا ہے؟ کیا اس سے مراد استصحاب ہے؟ یا اس سے مراد قاعدہ کلیہ ہے؟ یا اس سے مراد اصل عقلائی عرفی ہے؟  
یہاں صاحب مکاسب کی مراد اصل عقلائی عرفی ہے۔

### دعویٰ اور اس کا جواب

کوئی شخص کہتا ہے کہ آپ نے یہ اصل کہاں سے لے لی ہے؟ اس وقت ہمارے سامنے ایک چیز ہے۔ اور وہ ملک ہے۔ اسی ملک کو بنیاد بنا کر کہہ رہے ہیں کہ اصل عقلائی عرفی، لزوم ہے۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ملک کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ملک متزلزل۔

(۲) ملک مستقر۔

کیا معلوم یہاں کونسا ملک ہے؟ جب ملک کی دو قسمیں ہیں تو اصول الفقہ میں پڑھ چکے ہیں کہ بعض اوقات کلی کا استصحاب کیا جاتا ہے۔ جہاں تک ملک متزلزل وہ تو زوال سے ختم ہو گیا۔ جبکہ دوسرا ملک مستقر ہے۔ اس کا پتہ نہیں ہے کہ وہ ختم ہوا ہے یا نہیں۔ آپ ایسی صورت میں اس کا استصحاب کیسے کریں گے؟

بلکہ دعویٰ کرنے والا کہتا ہے کہ آپ عکس کا استصحاب کریں۔ وہ یہ ہے کہ جب تک آپ نے معاطات کا معاہدہ نہیں کیا تھا اس وقت بیع کا مالک فلاں تھا۔ پیسے کا مالک فلاں تھا۔ لہذا ہم پہلے مالک کا استصحاب کریں گے کہ جو مالک بیع تھا۔ وہ مالک بیع ہے۔ اور جسکے پیسے تھے وہ پیسوں کا مالک ہے۔ نئے مالک کا استصحاب نہیں ہو سکتا۔

### کیا استصحاب دلیل بن سکتی ہے؟

فرماتے ہیں کہ آپ کا دعویٰ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ آپ نے کہا تھا وہ قسمیں ہیں۔ متزلزل ختم ہو



گیا۔ دوسرے میں شک ہے۔

(۱) ہم کہتے ہیں کہ قدر مشترک کا وجود ہی استصحاب کیلئے کافی ہوتا ہے۔ یہاں دونوں کے

درمیان ملک قدر مشترک ہے۔

(۲) آپ جب کہہ رہے ہیں کہ ملک کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) متزلزل

(ب) مستقر

کیا اس طرح دو قسمیں ہیں جس طرح حیوان کی دو قسمیں ہیں۔ ناطق اور ناطق۔ یہ اس

طرح کی دو قسمیں تو نہیں ہیں کیونکہ انکی حقیقت تو جدا جدا نہیں ہے۔ بلکہ یہ اعتباری چیزیں ہیں۔ اور

انکا اعتبار شارع نے کیا ہے تو پھر شارع کو دیکھنا ہوگا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ ہم اپنی طرف سے تو کچھ نہیں

کہہ سکتے۔

### خلاصہ بحث:

گویا اختلاف اس عنوان سے ہے کہ سبب مملک پکا ہے۔ اس سے عقد پختہ ہو گیا ہے۔ یا

سبب مملک ابھی کچا ہے اور عقد، عقد متزلزل ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ

اختلاف سبب مملک ہے۔ اور یہ اختلاف بھی اعتباری ہے۔

یا آیا یہ مالک کی وجہ سے ہوگا جب چاہے گا۔ رجوع کریگا۔ جب چاہے گا۔ رجوع نہیں

کرے گا۔ یہ تو درست نہیں ہے۔

اگر آپ کہیں کہ شریعت کی وجہ سے ہے تو ہم یہ کہتے ہیں۔

آیا شریعت مالک کے قصد کے بغیر کوئی کام کر رہی ہے۔ شارع کی طرف سے بھی نہیں

ہو رہا۔ تو ہم یہاں یہ کہتے ہیں کہ اختلاف یہاں سبب مملک میں تو ہے کہ وہ کیسا ہے۔ جہاں تک



مسبب کا تعلق ہے اسمیں کئی قسم کا اختلاف نہیں۔ ملکیت ہو چکی ہے سبب مملک دو قسم کا ہے۔

(۱) زوال پذیر سبب مملک

(۲) جسمیں زوال نہیں ہوتا

مثلاً ایک سبب مملک عاریہ یا ہبہ ہے۔ لیکن شریعت کی رو سے یہ سبب مملک عارضی ہے۔ اور ایک سبب مملک مستقل ہوتا ہے۔ جیسے عقد، اجارہ وغیرہ۔ لہذا ہماری اصل بحث سبب مملک میں ہوگی۔ اور اسمیں بھی قول مسموع، فقط شارع کا ہی ہوگا۔ ہماری بحث مسبب یعنی ملکیت میں نہیں ہے۔ لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں ملک ملک متزلزل نہیں۔ اسمیں استصحاب بھی ہو سکتا ہے اور شریعت نے ملک، ملک مستقر کو قرار دیا ہے۔



# پیسواں درس

لزوم عقد کی ادلہ

حدیث سلطنت

لا یتکل مال امرء سے استدلال

آیت لاتأکل اور آیت تجارت سے استدلال

البیعان بالخیار سے استدلال

اوفوا بالعقود سے استدلال

المؤمنون عند شروطہم سے استدلال

عدم لزوم پر دعویٰ اجماع







## بيسواں درس

و يدل على اللزوم مضافاً إلى ما ذكر، عموم قوله: ((الناس مسلطون على أموالهم)) فإن مقتضى السلطنة أن لا يخرج عن ملكيته بغير اختياره، فجواز تملكه عنه بالرجوع فيه من دون رضاه منافع للسلطنة المطلقة؛ فاندفع ما ربما يتوهم: من أن غاية مدلول الرواية سلطنة الشخص على ملكه و لا نسلم ملكيته له بعد رجوع المالك الأصلي-

ولما ذكرنا تمسك المحقق (رحمه الله) في الشرائع على لزوم ما لقرض بعد القبض: بأن فائدة الملك السلطنة؛ ونحوه العلامة (رحمه الله) في موضوع آخر-  
و منه يظهر جواز التمسك بقوله - ((لا يحل مال امرئٍ الا عن طيب نفسه))، حيث دل على انحصار سبب حل مال الغير أو جز سببه في رضا المالك، فلا يحل بغير رضاه-

و توهم: تعلق الحل بمال الغير و كونه مال الغير بعد الرجوع، أول الكلام، مدفوع: بما تقدم، مع أن تعلق الحل بالمال يفيد العموم بحيث يشمل التملك أيضاً، فلا يحل التصرف فيه و لا تملكه إله بطيب نفس المالك-

ويمكن الاستدلال أيضاً بقوله تعالى (ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراض) و لا ريب عن الرجوع ليست تجارةً و لا عن تراض، فلا



يجوز أكل المال-

و التوهم المتقدم فى السابق غير جارٍ هنا؛ لان حصر مجوز أكل المال فى التجارة إنما يراد به أكله على أن يكون ملكاً للاكل لا لغيره-

و يمكن تمسك أيضاً با لجملة المستثنى منها، حيث إن أكل المال و نقله عن مالكة بغير رضا المالك، أكل و تصرف با لباطل عرفاً-

نعم بعد اذن المالك الحقيقى و هو الشارع و حكمه با لتسلط على فسخ المعاملة من دون رضا المالك، يخرج عن البطلان؛ و لذا كان أكل المارة من الثمرة الممرور بها أكلاً بالباطل لو لا اذن المالك الحقيقى، و كذا الآخذ با لشفعة، و الفسخ با لخيار، و غير ذلك من الاسباب القهرية-

هذا كله، مضافاً إلى ما دل على لزوم خصوص البيع، مثل قوله صلى الله عليه وسلم: ((البيعان با لخيار ما لم يفترقا))؛ و قد يستدل أيضاً بعموم قوله تعالى: (أوفوا بالعقود)، بناءً على أن العقد هو مطلق العهد، كما فى صحيحة عبدالله بن سنان، أو العهد المشدد، كما عن بعض أهل اللغة، و كيف كان فلا يختص با للفظ، فيشمل المعاطاة؛ و كذلك قوله: ((المؤمنون عند شروطهم))، فان الشرط لغةً مطلق الالتزام، فيشمل ما كان بغير اللفظ-

و الحاصل: أن الحكم با للزوم فى مطلق الملك و فى خصوص البيع مما لا ينكر، إلا أن الظاهر فيما نحن فيه قيام الاجماع على عدم لزوم المعاطاة، بل ادّعاها صريحاً بعض الأساطين فى شرح القواعد و تعضده الشهرة المحققة، بل لم يوجد به قائل إلى زمان بعض متأخرى المتأخرين؛ فإن العبارة المحكية عن المفيد (رحمه الله)



فی المقنعة لا تدل علی هذا القول، كما عن المختلف الاعتراف به، فإن المحکی عنه  
أنه قال: ینعقد البیع علی تراض بین الاثنین فیما یملکان التبایع له إذا عرفاه جميعاً  
وتراضیا بالبیع و تقابضاً و افتراقاً بالأبدان؛ انتهى۔

و یقوی إرادة بیان شروط صحة العقدا او وقع بین اثنین و تأثیره فی اللزوم؛ و  
كانه لذلك حکى کاشف الرموز عن المفید و الشیخ (رحمه الله) أنه لا بد فی البیع عند  
هما من لفظٍ مخصوص۔

و قد تقدّم دعوی الاجماع من الغنیة علی عدم كونها بیعاً؛ و هو نصّ فی عدم  
اللزوم؛ و لا یقدح كونه ظاهراً فی وعدم الملكية الذی لانقول به۔

و عن جامع المقاصد: یعتبر اللفظ فی العقود اللازمة بالاجماع۔

نعم قول العلامة فی التذكرة: ((انّ الاشهر عندنا أنه لا بدّ من الصیغة)) یدلّ  
علی وجود الخلاف المعتدّ به فی المسألة، و لو كان المخالف شاذّاً لعبّر بالمشهور؛ و  
كذلك نسبه فی المختلف الی الاكثر؛ و فی التحریر: أنّ الاقوی أنّ المعاطاة غیر  
لازمة۔

## ترجمہ

مذکورہ ادلہ کے علاوہ لزوم پر حضرت رسول خدا کے اس فرمان کا عموم بھی دلالت کرتا ہے کہ  
لوگ اپنے اموال پر مسلط ہیں (۱)۔ انکی اپنے اموال پر سلطنت کا تقاضا یہ ہے کہ مال ان کے اختیار



کے بغیر انکی ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔ لہذا ملکیت سے نکلے ہوئے مال کی طرف دوسرے مالک کی اجازت اور رضایت کے بغیر رجوع کرنا اسکی سلطنت کے خلاف ہے۔ اس بیان کیساتھ بسا اوقات کیا جانے والا یہ وہم درست نہیں ہے وہ وہم یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مدلول روایت یہ ہے کہ انسان کو اپنے مال پر تسلط حاصل ہے۔ لہذا مالک اصلی کے رجوع کر لینے کے بعد ہم دوسرے شخص کی ملکیت کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے مرحوم محقق نے شرائع میں (۱) اسی سے تمسک کرتے ہوئے قبض کے بعد لزوم قرض پر اس طرح استدلال فرمایا ہے کہ ملکیت کا فائدہ سلطنت ہے۔ انہی کی طرح علامہ (۲) نے بھی ایک اور جگہ پر اسی طرح فرمایا ہے۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کے اس فرمان سے متمسک ہونا بھی جائز ہے کہ کسی شخص کا مال اسکی رضایت کے بغیر حلال نہیں ہے۔ (۳) یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حلیت کیلئے رضایت مالک یا تو سبب تام ہے یا جز سبب ہے۔ لہذا مالک کی رضایت کے بغیر کسی کے لئے بھی حلال نہیں ہے۔

اور یہ وہم بھی مدفوع ہے کہ عدم حلیت کا تعلق مال غیر کیساتھ ہے۔ لیکن جب مالک اصلی رجوع کرے گا تو آیا یہ مال غیر ہے یا نہیں۔ یہ اول الکلام ہے۔ یہ دعویٰ بے بنیاد ہے چونکہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ جب حلیت کا مال کیساتھ تعلق ہوا ہے یہ مفید عموم اور کلیت کے عنوان سے ہے اور تملک کو

(۱) شرائع الاسلام کتاب التجارة ص ۱۰۲

(۲) تذکرۃ الفقہاء: ۱: ۴۶۴

(۳) وسائل ج ۱ باب ۳ من مکان المصلی حدیث ۱، ۳، مستدرک الشیخ ج ۱ ص ۲۲۲



بھی شامل ہے۔ لہذا مالک کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا تصرف اور تملک جائز نہیں ہے۔  
 لزوم کیلئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرنا بھی ممکن ہے کہ تم ایک  
 دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ (۱) مگر تجارت یا رضایت کیساتھ۔ واضح سی بات ہے مالک  
 اصلی کا رجوع کرنا نہ تو تجارت ہے اور نہ رضایت۔ پس دوسروں کا مال کھانا جائز نہیں ہے (لہذا  
 رجوع نہیں کر سکتا)۔

اور گذشتہ وہم بھی یہاں نہیں آسکتے۔ کیونکہ اکل مال کا جائز ہونا فقط تجارت کی صورت میں  
 منحصر ہے۔ لہذا اکل سے مراد فقط یہی ایک صورت ہے کہ وہ اس کا ملک ہونہ کہ غیر کا ملک ہو۔  
 نیز اس آیت کے مستثنیٰ منہ سے متمسک ہو کر بھی (لزوم بیع پر) استدلال کیا جاسکتا ہے یعنی  
 اکل مال اور مالک کی رضایت کے بغیر مال کا منتقل کرنا عرفاً اکل اور تصرف بالباطل ہے۔  
 ہاں البتہ مالک حقیقی (شارع) کے اذن و حکم سے مالک اصلی نئے مالک کی رضایت کے  
 بغیر بھی معاملہ فسخ کرنے کی سلطنت رکھتا ہے۔ لہذا اس صورت میں اس کا رجوع اکل مال بالباطل سے  
 خارج ہو جائے گا۔ بہر حال اگر مالک حقیقی کی اجازت نہ ہوتی تو باغ کے نزدیک سے گزرنے والے  
 کا باغ سے (مالک کی اجازت کے بغیر) پھل کھا لینا بھی بالباطل ہوتا۔ اسی طرح حق شفعہ کے  
 ذریعے سے زمین لینا، خیابان کی وجہ سے معاملے کو فسخ کرنا۔ نیز اسی طرح کے دوسرے اسباب قہریہ بھی  
 مالک حقیقی کی اجازت کے بغیر اکل مال غیر بالباطل تھا۔

بہر حال لزوم بیع کی ان ادلہ عامہ کے علاوہ خصوصی ادلہ بھی ہیں جو لزوم بیع کا کہتی ہیں۔  
 جیسے حضرت کا فرمان ہے کہ خرید و فروخت کرنے والے جب تک متفرق اور جدا نہیں ہوتے دونوں کو



خيار حاصل ہے (۱)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عموم سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اپنے عقود کا ایفاء کرو (۲)۔

اس بناء پر کہ یا تو عقد مطلق عہد ہے جیسا کہ صحیحہ عبداللہ بن سنان (۳) میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ یا عہد مشدّد اور محکم ہے (یعنی ایجاب و قبول کیساتھ ہوا ہے) جیسا کہ بعض اہل لغت کا بھی یہی خیال ہے۔ بہر حال جو بھی ہو اس کا لفظ کیساتھ اختصاص نہیں ہے۔ لہذا عہد، معاطات کو بھی شامل ہے۔ اسی طرح حضرت کا یہ فرمان کہ مؤمنین اپنی شروط کے پابند ہیں (۴)۔ لغت میں شرط مطلق التزام ہے لہذا جو لفظ کے بغیر ہوا سے بھی شامل ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مطلق ملک میں لزوم کا حکم لگانا، مخصوصاً بیع کی صورت میں یہ حکم لگانا، ناقابل انکار ہے۔ البتہ چونکہ ما نحن فیہ میں علماء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاطات میں عدم لزوم اجماعی مسئلہ ہے۔ بعض بزرگان مثلاً شرح قواعد نے تو صریحاً اجماع کا کہا ہے۔ اسکی تائید شہرت محققہ سے بھی ہوتی ہے۔

بلکہ بعض متأخر الاخرین (۵) کے زمانے تک اسکا (لزوم) کوئی قائل تک نہ تھا اور مقنعہ (۶) سے شیخ مفیدؒ کی جو عبارت حکایت کی گئی ہے وہ بھی لزوم معاطات کا نہیں کہتی ہے جیسا کہ

(۱) سنن ابن ماجہ ۲: ۳۶، کافی ۵: ۱۷۰، وافی ۳: ۶۸، وسائل ۱۲: ۳۲۵

(۲) مانند ۱:

(۳) تفسیر عیاشی ۱: ۲۸۹، تفسیر قمی ۱: ۱۶۰، وسائل طبع قدیم ۳: ۲۳۱

(۴) وسائل ۱۲: ۳۵۳، استبصار ۳: ۲۳۲، تہذیب الاحکام ۷: ۳۷۱

(۵) ان سے مراد احمد بن اسماعیل جزائری، محقق اردبیلی، نعمت اللہ جزائری اور فیض کاشانی ہیں

(۶) المقنعہ، باب عقود البیع ص ۵۹۱



علامہ نے بھی اپنی کتاب مختلف میں اسکا اعتراف کیا ہے۔ کیونکہ شیخ مفیدؒ نے اس طرح فرمایا ہے کہ طرفین کی رضایت سے (چیز میں) بیع منعقد ہو جائے گی کہ خریدار کو اس چیز کے خریدنے اور بیچنے کا مکمل حق ہے۔ یہ بیع اس وقت صحیح ہوگی جب طرفین چیز کو اچھی طرح جانتے ہوں، اپنی رضایت سے انشاءً بیع کر رہے ہوں۔ ایک دوسرے سے چیز قبضے میں لے لی ہو۔ اور ایک دوسرے سے جدا ہو چکے ہوں۔ اختتام کلام مفیدؒ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں شیخ مفیدؒ طرفین میں واقع ہونے والے عقد کی صحت کی شروط اور ان کی لزوم عقد میں تاثیر کو بیان فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ گویا اسی وجہ سے مرحوم کاشف الرموزؒ (۱) سے حکایت ہوئی ہے کہ مفیدؒ اور شیخؒ بیع میں مخصوص لفظ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور غنیۃ کا دعویٰ اجماع بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ معاطات بیع نہیں ہے۔ لہذا یہ عبارت واضح طور پر معاطات میں عدم لزوم کا کہہ رہی ہے۔

البتہ ابن زہرہؒ کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاطات موجب مالکیت نہیں ہے (جبکہ ہم اسکے قائل نہیں ہیں) یہ ہمارے اس دعویٰ کو خراب نہیں کر سکتا کہ ابن زہرہؒ معاطات کو اجماعاً عدم لزوم کہتے ہیں۔

جامع المقاصد (۲) میں ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ عقود لازمہ میں الفاظ معتبر ہوتے

ہیں۔

(۱) المقنعہ، باب عقود البیع ص ۵۹۱

(۲) کشف الرموز: ۱: ۲۲۶

(۳) جامع المقاصد ۴: ۳۰۹



البتہ علامہؒ نے تذکرہ (۱) میں فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک ”اشہر“ یہ ہے کہ بیچ کیلئے صیغہ ضروری ہے۔ لفظ ”اشہر“ کہنا اس بات پر دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں معتد بہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر مخالف شاذ و نادر ہوتے تو لفظ مشہور استعمال کرتے، نہ کہ اشہر۔

اسی طرح علامہؒ نے مختلف (۲) میں اکثر کی طرف نسبت دی ہے (کہ اکثر کے نزدیک لفظ معتبر ہے) اور کتاب تحریر (۳) میں فرمایا ہے کہ اقویٰ یہ ہے معاطات غیر لازم ہے۔ (یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ غیر اقویٰ شاذ و نادر نہیں بلکہ زیادہ ہیں)۔

## حل عبارات

قولہ: مضافاً الی ما ذکر:؛ ما ذکر؛ سے مراد اصالة اللزوم ہے۔

قولہ: فجواز تملکہ عنہ:؛ تملکہ؛ کی ضمیر مالک اصیل اور؛ عنہ؛ کی ضمیر مالک جدید کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بار جوع فیہ:؛ فیہ؛ کی ضمیر مال کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: من دون رضاہ:؛ رضاہ؛ میں ضمیر مجروری مالک جدید کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و لا نسلم ملکیتہ لہ:؛ ملکیتہ؛ میں ضمیر مجروری ملک اور؛ لہ؛ کی ضمیر شخص کی طرف لوٹ رہی ہے۔

(۱) تذکرۃ الفقہاء: ۱: ۴۶۲

(۲) مختلف الشیعہ: ۱: ۱۷۰

(۳) تحریر الاحکام: ۱: ۱۶۴



قولہ: و نحوه العلامة فی موضع آخر:؛ نحوہ؛ میں ضمیر مجروری مرحوم محقق کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و منه يظهر جواز التمسك:؛ منہ؛ میں ضمیر تقریر در ذیل حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و كونه مال الغير الخ:؛ کونہ؛ کی ضمیر مال کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بما تقدم: یعنی ذیل حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ بیان ہوا ہے۔

قولہ: لان حصر مجوزا كل المال الخ: گذشتہ توہم کے جاری نہ ہونے کی علت

ہے۔

قولہ: و يمكن التمسك ايضاً: یعنی تمسك برائے اثبات لزوم معاطات۔

قولہ: بالجملة المستثنى منها: یعنی: لا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل.

قولہ: ان اكل المال و نقله عن مالكة: اكل و نقل سے مراد مالک اول ہے اور؛ مالکہ؛

سے مراد مالک جدید یعنی جو معاطات کے ذریعے مالک بنا ہے۔

قولہ: و قد يستدل ايضاً: یعنی تستدل على لزوم المعاطاة ايضاً.

قولہ: مطلق العهد: لفظی و قولہ نہ ہو.

قولہ: او العهد المشدد: یعنی ایسا عہد جو دو افراد کے درمیان ہوا ہے اور طرفین اسکے

متعہد ہیں۔

قولہ: فيشمل ما كان بغير لفظ: جیسے بیع معاطات ہے۔

قولہ: في مطلق الملك: خواہ بیع سے حاصل ہو یا غیر بیع سے۔

قولہ: ان الظاهر فيما نحن فيه:؛ ما نحن فيه؛ سے مراد معاطات ہے۔



- قوله: بل ادّعاہ صریحاً؛ ادّعاہ؛ میں ضمیر منصوبی اجماع کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قوله: بعض الاساطین: سے مراد مرحوم شیخ جعفر کاشف الغطاء ہیں۔  
 قوله: فی شرحہ علی القواعد: یعنی کتاب کشف الغطاء جو قواعد علامہ کی شرح ہے۔  
 قوله: و تعضدہ: ضمیر مفعولی عدم لزوم معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قوله: بل لم یوجد بہ قائل: ؛ بہ؛ میں ضمیر مجروری عدم لزوم معاطات کی طرف لوٹ رہی

ہے۔

- قوله: الی زمان بعض متأخری المتأخرین: یعنی مرحوم محقق اردبیلی  
 قوله: لا تدل علی هذا القول: ؛ ہذا القول؛ سے مراد قول بلزوم معاطات ہے۔  
 قوله: کما عن الخلاف: یعنی کما عن الشیخ الطوسی فی الخلاف۔  
 قوله: الاعتراف بہ: ؛ بہ؛ کی ضمیر عدم دلالت کلام مفید بر لزوم کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قوله: فان المحکمی عنہ: ؛ عنہ؛ کی ضمیر مرحوم مفید کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قوله: اذا عرفاه: ضمیر منصوبی؛ ما یملکان؛ کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قوله: انتھی: یعنی انتھی کلام المفید۔  
 قوله: و یقوی ارادۃ بیان الخ: یعنی و یقوی ارادۃ المفید بیان الخ۔  
 قوله: و كأنہ لذلك: ؛ کانتہ؛ کی ضمیر، ضمیر شأن ہے اور مشاڑ الیہ؛ ذلک؛ عدم دلالت کلام مفید بر لزوم و اعتراف شیخ طوسی ہے۔  
 قوله: حکى کاشف الرموز الخ: ؛ کاشف الرموز سے مراد صاحب کتاب کشف الرموز شیخ عزالدین حسن بن ابیطالب الیوسنی الآبی ہیں۔  
 قوله: عندهما من لفظ مخصوص: ؛ عندهما؛ کی ضمیر شیخ مفید و شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہما کی



طرف لوٹ رہی ہے اور؛ لفظ مخصوص؛ سے مراد صیغہ ایجاب و قبول ہے۔

قولہ: دعوی الاجماع من الغنية: یعنی دعوی الاجماع من ابن زہرہ فی الغنیۃ۔

قولہ: علی عدم کونها بیعاً؛ کونها؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و هو نصّ فی عدم اللزوم:؛ ہو؛ کی ضمیر اجماع غنیۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و لا یقدح کونه ظاهراً الخ:؛ کونه؛ کی ضمیر اجماع غنیۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: الذی لا نقول به: عدم ملکیت کیلئے صفت ہے۔

قولہ: و عن جامع المقاصد: یعنی و عن المحقق الثانی فی جامع المقاصد.

قولہ: المعتدّ به فی المسئلة: یعنی فی مسئلة لزوم و جواز المعاطاة.

قولہ: و كذلك نسبتہ: یعنی نسبت مرحوم علامہ.

## وضاحت

لزوم عقد کی ادلہ:

دلیل اول: حدیث سلطنت

الناس مسلطون علی اموالہم:

لوگ اپنے مال پر مسلط ہوتے ہیں۔ جب تک مالک راضی نہ ہو، اس وقت تک مال اسکی

ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔ دونوں اپنے مال پر مسلط تھے۔ اب دونوں اپنے ہاتھ کاٹ چکے ہیں۔ اس

نے اپنا مال اس کو، اور اس نے اپنا مال اسکو دے دیا ہے۔ دونوں نے تبادلہ کر لیا ہے۔ لہذا اگر ایک

رجوع کرنا چاہیے، تو اس وقت تک رجوع نہیں کر سکتا۔ جب تک دوسرا راضی نہ ہو۔



کوئی شخص کہتا ہے کہ روایت الناس مسلطون علی اموالہم ہے۔ ابھی تک تو پتہ ہی نہیں کہ رجوع کے بعد مالک ہے یا نہیں۔

فرماتے ہیں رجوع سے پہلے مالک تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس رجوع کی کوئی اہمیت نہیں

ہے۔

**دلیل دوم: لا تحل مال امر سے استدلال**

لَا يَحِلُّ مَالُ امْرَأٍ إِلَّا أَنْ طِيبَ نَفْسِهِ

کسی آدمی کا مال اس وقت تک حلال نہیں ہوتا جب تک مالک خوشی خوشی اس کی اجازت نہ دے۔ اس دلیل سے پتہ چلتا ہے کہ جب مال کا تبادلہ کر چکے ہیں۔ اب کسی کو رجوع کے ذریعے مال واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ جب تک وہ راضی نہ ہو۔

کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ابھی تک مال غیر ہے۔ جب اس نے رجوع کر لیا ہے تو اس کا مال ہی نہیں رہا۔

فرماتے ہیں کہ یہی تو ہم کہتے ہیں کہ ملکیت تو ہوگی ہے۔ لہذا کسی ایک کو رجوع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

**دلیل سوم: آیت لاتأکل اور آیت تجارت سے استدلال۔**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً

عن تراض.

اس میں دو دلیلیں ہیں۔

(۱) الا ان تكون تجارة عن تراض انہوں نے تجارة عن تراض کی ہے۔ مال کا

تبادلہ کیا ہے۔ ملکیت متحقق ہوگی ہے۔ اب اگر ایک کہتا ہے کہ میں اپنا مال واپس لیتا ہوں تو وہ نہیں



لے سکتا۔

(۲) دوسری دلیل آیت کا پہلا حصہ ہے لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل ایک دوسرے کا مال باطل عنوان سے نہ کھاؤ۔ ظاہر ہے کہ جب مالک ہو گئے ہیں۔ تبادلہ کے بعد ملکیت ہوگی ہے۔ اب اگر کوئی آدمی مال لینا چاہتا ہے تو یہ اکل مال بالباطل ہو جائے گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ شارع اپنی طرف سے اجازت دے دے۔ جیسے شارع نے ان مالکین کی رضامندی میں دخل نہ دیتے ہوئے بعض احکامات کی اجازت دی ہے۔ مثلاً: آپ سفر کر رہیں۔ راستہ میں باغ ہے۔ شریعت نے حق دیا ہے کہ آپ باغ سے میوہ کھا سکتے ہیں۔ البتہ یہ تو طے ہے کہ اپنے ساتھ نہیں لیجا سکتے۔ اسی طرح آپ نے زمین بیچی ہے۔ دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے؟ لیکن شریعت نے شفعہ کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح خیارات وغیرہ ہیں۔ تین دن کے اندر اندر واپس کر سکتے ہیں۔ اسکو اکل مال بالباطل نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اصل مالک خدا ہے۔

اس کے بعد حضرت رسول اللہ ﷺ ہیں پھر ائمہ اطہار۔ اسی لئے حضرت رسول خدا ﷺ نے حجۃ الوداع کے وقت پہلا سوال یہ کیا تھا کہ آپ اپنے جان و مال کے زیادہ مالک ہیں یا میں؟ سب نے کہا تھا۔ آپ زیادہ مالک ہیں۔

دلیل چہارم: البیان بالخیار سے استدلال

البیعان بالخیار ما لم یفترقا .

جنھوں نے آپس میں بیع کی ہے۔ جب تک بیٹھے ہیں۔ آپ کو حق ہے کہ واپس کر سکتے

ہیں۔ لیکن ما لم یفترقا لہذا جب دوکان چھوڑ کر چلے جائیں گے تو پھر رجوع نہیں کر سکتے۔



## دلیل پنجم: اوفوا بالعقود

اَوْفُوا بِالْعُقُودِ-

اپنے عقد کی ایفاء ضروری ہے۔ لہذا جب آپ چیز بیچ بیٹھے ہیں۔ اور عقد کر بیٹھے ہیں تو واپس نہیں لے سکتے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ رجوع نہیں کیا جاسکتا۔

## دلیل ششم: حدیث المؤمنون سے استدلال:

الْمُؤْمِنُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ

جس وقت شرط قرار دے دی ہے۔ اور کام پکا ہو گیا ہے تو کیا حق پہنچتا ہے کہ رجوع کرے۔ لہذا ملکیت ہو جائے گی۔

مصنف نے کل اسکو آٹھ دلیلیں بنائیں ہیں (دو دلیلیں گذشتہ درس میں بیان ہو چکی ہیں۔) لیکن یہ ۹ ہو سکتی ہیں۔ اگر پانچویں دلیل کے دونوں حصوں کو الگ الگ دلیل مان لیا جائے۔ بہر حال یہ آٹھ یا نو دلیلیں بتاتی ہیں کہ معاطات ملک لازم کا فائدہ دیتی ہے۔

(شیخنا العلامة کی عادت ہے کہ جب بھی کسی چیز کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ معلوم نہیں ہونے دیتے کہ یہ غلط ہے۔ اسکو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری اسے حق سمجھتا ہے۔ پھر الا ان يقال، لکن الانصاف، نعم یا کوئی اور کلمہ کہہ کر دوسری طرف چلے جاتے ہیں۔)

اس طرح اس مسئلہ میں بھی عدم لزوم پر دعویٰ اجماع فرماتے ہیں کہ ہم ملکیت کے قائل تو ہو گئے ہیں جبکہ اکثر علماء کہتے ہیں کہ ملکیت نہیں ہے۔ صرف کہتے ہی نہیں ہیں بلکہ شہرت محققہ، اتفاق، اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ملکیت نہیں ہے۔ فقط یہ نہیں۔ بلکہ کہتے ہیں کہ محقق ثانی کرکی کے زمانے تک کوئی آدمی ملکیت کے قائل نہیں تھا۔ اسکا کیا بنے گا؟ اسکا تذکرہ بعد میں آئے گا۔



# اکیسواں درس

اجماع میں تشکیک

اجماع کے حوالے سے اقوال علماء

انشاء لفظی ضروری ہے یا نہیں

دعوی سیرت

حدیث انما تکلم الکلام سے استدلال







## اکیسواں درس

ثم لو فرضنا الاتفاق من العلماء على عدم لزومها - مع ذهاب كثيرهم أو أكثرهم الى أنها ليست مملّكة ، وإنما تفيد الاباحة - لم يكن هذا الاتفاق كاشفاً ؛ اذ القول باللزوم فرع الملكيّة، و لم يقل بها الا بعض من تأخر عن المحقق الثاني تبعاً له، وهذا مما يوهن حصول القطع بل الظن من الاتفاق المذكور؛ لأن قول الاكثر بعدم اللزوم سالبة بانتفاء الموضوع - نعم يمكن أن يقال بعد ثبوت الاتفاق المذكور: ان أصحابنا بين قائل بالملك الجائز و بين قائل بعدم الملك رأساً ، فالقول بالملك اللّازم قول ثالث؛ فتأمل - و كيف كان ، فتحصيل الاجماع على وجه استكشاف قول الامام عن قول غيره من العلماء كما هو طريق المتأخرين ، مشكلاً ؛ لما ذكرنا، و ان كان هذا لا يقدح في الاجماع على طريق القدماء ، كما بين في الاصول - و بالجملة ، فما ذكره في المسالك من قوله - بعد ذكر قول من اعتبر مطلق اللفظ في اللزوم - : (( ما أحسنه و ما أمتن دليله ان لم ينعقد اجماع على خلافه )) ، في غاية الحسن و المتانة - و الاجماع و ان لم يكن محققاً على وجه يوجب القطع، الا ان المظنون قوياً تحقّقه على عدم اللزوم مع عدم لفظ دال على انشاء التملك، سواء لم يوجد لفظ أصلاً أم وجد و لم ينشأ التملك به، بل كان من جملة القرائن على قصد التملك بالتقابض - و قد يظهر ذلك من غير واحد من الاخبار، بل يظهر منها أن ايجاب البيع



باللفظ دون مجرد التعاطي كان متعارفاً بين اهل السوق و التجار؛ بل يمكن دعوى السيرة على عدم الاكتفاء في البيوع الخطيرة التي يراد بها عدم الرجوع بمجرد التراضي؛ نعم ربّما يكتفون بالمصافقة، فيقول البائع: ((بارك الله لك)) أو ما ادى هذا المعنى بالفارسية - نعم يكتفون بالتعاطي في المحقرات و لا يلتزمون بعدم جواز الرجوع فيها، بل ينكرون على الممتنع عن الرجوع مع بقاء العينين-

نعم الاكتفاء في اللزوم بمطلق الانشاء القولي غير بعيد؛ للسيرة و لغير واحد من الاخبار، كما سيجي ان شاء الله تعالى في شروط الصيغة - بقى الكلام في الخبر الذي تُمسك به في باب المعاطاة، تارة على عدم افادة المعاطاة اباحة التصرف، و اخرى على عدم افادتها اللزوم؛ جمعاً بينه و بين ما دلّ على صحة مطلق البيع، كما صنعه في الرياض، و هو قوله - : انما يحلّل الكلام و يحرم الكلام ((-

و توضيح المراد منه يتوقف على بيان تمام الخبر، و هو ما رواه ثقة الاسلام في باب بيع ما ليس عنده، و الشيخ في باب النقد و النسيئة، عن ابن ابي عمير عن يحيى بن الحجّاج عن خالد بن الحجّاج أو ابن نجيح، قال: قلت لابي عبد الله: الرجل يجيئني و يقول: اشتر لي هذا الثوب و أربحك كذا و كذا، فقال: أليس ان شاء اخذ و ان شاء ترك؟))، قلت: بلى، قال: (( لا بأس، انما يحلّل الكلام و يحرم الكلام))-

و قد ورد بمضمون هذا الخبر روايات أخر مجردة عن قوله - : ((انما يحلّل ----)) الى آخر كلامه، كلّها تدلّ على أنه لا بأس بهذه المواعدة و المقاوله ما لم يوجب بيع المتاع قبل أن يشتريه من صاحبه - و نقل: انّ هذه الفقرة مع قطع النظر عن صدر الرواية، تحتل وجوهاً:



## ترجمہ

بالفرض اگر اسے قبول کر لیں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ معاطات عقد لازم نہیں ہے۔ (جبکہ اکثر بلکہ بیشتر اس کے قائل ہیں کہ معاطات سبب مالکیت نہیں ہے۔ فقط موجب اباحت التصرف ہے) تب بھی یہ اتفاق کاشفِ رای معصوم نہیں ہے۔ کیونکہ لزوم (معاطات) ملکیت کی ہی فرع ہے۔ محقق کر کی اور ان کے بعد آنے والے بعض متاخرین (۱) (کہ جنہوں نے محقق کر کی کی اتباع کی ہے) کے علاوہ کوئی بھی لزوم کا قائل نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس مذکورہ اتفاق کے متعلق قطع بلکہ ظن بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اکثر کا عدم لزوم کہنا سالبہ بانقضاء موضوع ہے۔ (کیونکہ موضوع لزوم ملک ہے جب ہم ملک کے ہی قائل نہیں ہیں تو واضح ہے کہ سلب لزوم، موضوع (ملک) کے مسلوب ہونے کی وجہ سے ہے)۔ البتہ مذکورہ اتفاق کو ثابت سمجھنے کے بعد اتنا کہہ سکتے ہیں کہ علماء اعلام معاطات کو یا تو ملک جائز کہتے ہیں۔ یا سرے سے عدم ملک کے قائل ہیں۔ لہذا ملک لازم کہنا ایک تیسرا قول ہوگا۔ فتائل۔

بہر حال اس مسئلہ میں اس طرح کے اجماع کا حصول جس میں معصوم کی رائے کشف کی جاسکے (جیسا کہ متاخرین کا اجماع کے حوالے سے یہی مسلک ہے) بہت مشکل ہے۔ اسکی وجہ وہی ہے جسکا ہم نے تذکرہ کیا ہے (کہ معاطات کو عقد لازم سمجھنے والوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے) اگرچہ قدامت کی رائے میں چند لوگوں کی مخالفت اجماع کو خراب نہیں کرتی جیسا کہ اصول میں تفصیل سے ذکر ہوا ہے۔

(۱) محقق اردبیلی مجمع الفائدة والبرہان ج ۸ ص ۱۴۰، ۱۴۲



المختصر شہید ثانی (۱) نے مسالک میں علماء کے اس قول کے بعد (عقد مطلق کے لزوم میں لفظ معتبر ہے) ذکر کیا ہے کہ اگر اس بات کے خلاف اجماع نہ ہوتا تو یہ کتنی اچھی اور متین دلیل تھی بہر حال یہ نہایت حسین و متین بات ہے۔ مرحوم مصنف فرماتے ہیں کہ جس اجماع کی طرف شہید نے اشارہ فرمایا ہے اگرچہ قطعی اور یقینی طور پر متحقق نہیں ہے لیکن اسکے تحقق پر ظن قوی قائم ہے کہ جس انشاء تملیک پر لفظ دلالت نہیں کرتا، اس عقد کا عدم لزوم اجماعی ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اصلاً لفظ استعمال نہیں ہوایا استعمال تو ہوا ہے لیکن اسکے ذریعے انشاء تملیک نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ صرف اس بات پر قرینہ ہے تقابض کیساتھ طرفین تملیک کا قصد رکھتے تھے۔

بہت سی روایات (۲) سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ فقدان لفظ کی صورت میں عقد لازم نہیں ہے۔ بلکہ ان روایات (۳) سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تاجروں اور بازار میں معاطات سے ہٹ کر لفظاً ایجاب بیع متعارف تھا۔ بلکہ ممکن ہے دعویٰ سیرت کیا جائے کہ لوگ بڑی بڑی خرید و فروخت میں فقط تراضی پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ الفاظ کا سہارا لیتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی مصافقہ پر ہی اکتفاء کر لی جاتی۔ مثلاً بائع کہتا کہ خدا تجھے یہ معاملہ مبارک کرے (یا اسکی مثل دوسری زبانوں کے الفاظ)۔

ہاں البتہ محقرات (معمولی چیزیں) میں معاطات ہی کو کافی جانا جاتا تھا اور عدم جواز رجوع کے ملتزم نہ ہوتے تھے یعنی رجوع کر سکتے تھے بلکہ اگر طرفین کے پاس عین باقی ہوتی اور رجوع کرنے کے بعد وہ انکار کرتا تو اسکی سرزنش کی جاتی۔

(۱) مسالک الافہام ۱: ۱۷۰

(۲) وسائل ۱۲: ۶۰۳ باب ۸ حدیث ۴، فروع کافی ۵: ۲۰۱

(۳) دانی ۳: ۹۲ باب ۱۰۶ بیع الغرر والمجازفہ، تہذیب ۷: ۲۶۹ باب ۹ من ابواب بیع الغرر والمجازفہ



ہاں بعید نہیں ہے کہ لزوم کیلئے مطلق انشاء قولی پر اکتفاء کر لیا جائے۔ کیونکہ ایک تو سیرہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ ثانیاً: کافی اخبار (۱) بھی اس پر دلالت ہے۔ انشاء اللہ شروط صیغہ میں انکا تذکرہ ہوگا۔ ہماری گفتگو اس روایت کے متعلق باقی ہے۔ باب معاطات میں جس سے تمسک کر کے کبھی کہا گیا ہے کہ معاطات اباحت التصرف کا فائدہ نہیں دیتی۔ اور کبھی اس روایت اور مطلق بیع کی صحت کی روایات کو جمع کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ معاطات لزوم کا فائدہ نہیں دیتی۔ جیسا کہ صاحب ریاض (۲) نے ایسا ہی کیا ہے۔ اور وہ روایت حضرت کا یہ فرمان ہے کہ فقط کلام ہی کسی چیز کی حلیت و حرمت کا موجب بنتی ہے۔ اس سے مراد کیا ہے؟ اس کی وضاحت پوری روایت بیان کرنے پر موقوف ہے۔

اور پوری روایت یہ ہے جیسے ثقۃ الاسلام مرحوم کلینیؒ باب بیع مالیس عند (یعنی اس چیز کی فروخت جو کسی شخص کا ملک نہیں) اور شیخ طوسی نے باب نقد و نسیہ میں ابن عمیر سے انہوں نے یحییٰ بن حجاج سے انہوں نے خالد بن حجاج یا ابن نجیح سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کی کہ ایک شخص نے میرے پاس آ کر کہا میرے لیئے یہ کپڑا خرید کرو۔ اس میں تمہارا اتنا منافع ہوگا۔ امام نے فرمایا: کیا ایسے نہیں ہے کہ وہ شخص چاہے تو (تم سے) خرید لے چاہے تو نہ خریدے؟ عرض کی: جی ہاں ایسے ہی ہے۔ امام نے فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ کلام ہی کسی چیز کی حرمت و حلیت کا موجب بنتی ہے۔ (۳) اسی مضمون پر مشتمل دیگر روایات (۴) بھی

(۱) سنن بیہقی ۵: ۳۳۱، ۳۳۲، تہذیب الاحکام ۷: ۶۹، باب من ابواب اشیاء الحیوان (۲) ریاض المسائل ۱: ۵۱۱

(۳) کافی ۵: ۲۰۱، حدیث ۶، تہذیب الاحکام ۷: ۵۰، حدیث ۲۱۶، وسائل ۱۲: ۶، ۳۷، باب ۸

(۴) وسائل ۱۲: ۶، ۳۷، باب ۸



موجود ہیں۔ لیکن ان میں انما یحلل الکلام تاخر۔ موجود نہیں ہے البتہ یہ سب اس بات پر دلالت ہے کہ اس قسم کے وعدے اور گفتگور ضرر رساں نہیں ہے۔ البتہ یہ گفتگو اس قسم کی نہ ہو جو اس بات کی موجب بنے کہ بائع اس چیز کو اسکے مالک سے خریدنے سے پہلے ہی بیچ رہا ہے۔ اور ایجاب و قبول کر رہا ہے۔ مرحوم مصنف فرماتے ہیں کہ صدر روایت سے چشم پوشی کرتے ہوئے فقط اسی فقرے میں معانی کے حوالے سے چند احتمالات موجود ہیں۔

## حل عبارات

قوله: علی عدم لزومها: یعنی عدم لزوم معاطات.

قوله: لم یکن هذا الاتفاق کاشفاً: یعنی کاشفاً عن رأی المعصوم.

قوله: ولم یقل بها الا بعض من تأخر:؛ بہا؛ کی ضمیر ملکیت کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: تبعاً له:؛ لہ؛ کی ضمیر محقق ثانی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: و هذا مما یوہن حصول القطع: مشاڑ الیہ؛ ہذا؛ عدم قول بملکیت ہے اور

؛ حصول القطع؛ سے مراد قطع بہ رأی معصوم علیہ السلام ہے۔

قوله: من قول غیرہ: یعنی غیر امام علیہ السلام۔

قوله: کما هو طریق المتأخرین:؛ ہو؛ کی ضمیر کشف کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: لما ذکرنا: سے مراد لزوم کا ملکیت پر فرع ہونا ہے جبکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

قوله: و ان کان هذا لا یقدح: مشاڑ الیہ؛ ہذا؛ ما ذکرنا یعنی فرعیت لزوم بر ملکیت ہے۔

قوله: ما احسنه و ما امتن دلیلہ: سے مراد قول شہید ثانی ہے۔

قوله: و قد یظہر ذلک: مشاڑ الیہ؛ ذلک؛ عدم لزوم معاطات ہے۔



- قولہ: من غیر واحد من الاخبار: یعنی وہ اخبار ہیں جو عقد میں لفظ کو معتبر سمجھتے ہیں۔
- قولہ: جمعاً بینہ و بین ما دلّ علی صحۃ مطلق البیع: ؛ بینہ: کی ضمیر الخبر الذی یتمسک بہ فی باب المعاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: کما صنعہ فی الریاض: ؛ صنعہ: میں ضمیر مفعولی جمع کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: و هو قولہ علیہ السلام: ؛ ہو: کی ضمیر الخبر الذی یتمسک بہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: روایات اخری مجردة الخ: مثلاً وسائل ج ۱۲ ص ۳۷۵

## وضاحت

### اجماع میں تشکیک:

مندرجہ بالا دلائل سے علماء کا اتفاق اور اجماع مانع ہے۔

فرماتے ہیں کہ جہاں تک علماء کے اتفاق کا تعلق ہے۔ علماء کرام کہتے ہیں کہ معاطات مفید ملک نہیں ہے؛ بلکہ مفید اباحت التصرف ہے۔ آیا اس اتفاق سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ لازم بھی نہیں ہے؟ یعنی مفید ملک نہیں ہے۔ اس پر تو اتفاق ہے۔ آیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ مفید لزوم بھی نہیں۔ جبکہ اس وقت ہماری بحث لزوم میں ہو رہی ہے۔

فرماتے ہیں اس طرح تو یہ سالبہ باسْتِنْفَاعِ الْمَوْضُوعِ بن جائے گا۔ جب ملکیت ہی نہیں تو پھر لزوم اور غیر لزوم کا چکر ہی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اگر یہ ملکیت کے قائل ہوتے تو لزوم کے بھی قائل ہو جاتے۔ لیکن جب بنیاد ہی کے قائل نہیں تو پھر لزوم کیسا۔ لہذا جو لوگ عدم ملکیت کے قائل ہیں۔ ان تمام کو آپ عدم لزوم کا قائل نہ بنائیں۔

یہ اس طرح ہے کہ ایک شخص آپ سے سوال کرتا ہے کہ فلاں آدمی کمرہ میں بیٹھا ہے۔ آپ



کہتے ہیں کوئی بھی نہیں بیٹھا۔ کیونکہ جب آپ نے دیکھا تو کوئی انسان نہیں تھا۔ جب انسان نہیں تو وہ شخص بھی نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ کی نظر انسان پر پڑ جاتی تو ہو سکتا ہے کہ وہ انسان وہی شخص ہوتا تو عدم انسان سے آپ نے یہ کہا کہ فلاں شخص نہیں بیٹھا ہے۔ کیونکہ آپ کی نظر کلی پر نہیں پڑی۔ اس سے آپ نے جزی پر حکم لگا دیا ہے کہ وہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں سے آواز آ جاتی کہ کوئی انسان ہے تو آپ کہتے کہ وہ موجود ہے۔

لہذا کلی پر اجماع اور چیز ہے۔ اور خود فرد پر اجماع اور چیز ہے۔ اب اگر یہاں کوئی کہتا ہے کہ معاطات مفید ملکیت نہیں ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ لازم بھی نہیں ہے۔ اگر وہ مفید ملکیت کہتا تو ہو سکتا ہے کہ اسکو لازم بھی سمجھتا۔ گویا ہماری بحث عدم لزوم میں ہے۔ اور علماء کرام کا اجماع و اتفاق عدم ملکیت میں ہے۔ یہ اجماع لزوم کی نفی نہیں کرتا۔

### اجماع کے حوالے سے اقوال علماء

لہذا ہم پہلے ملکیت کے متعلق علماء کرام کے اقوال کا تجزیہ کریں گے۔ جب ہم ثابت کر دیں گے کہ انکا یہ اجماع صحیح نہیں ہے تو لزوم کا مسئلہ آسان ہو جائے گا۔ ہمارے سامنے اسوقت ملکیت لازمہ کیلئے مانع فقط اجماع ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) محصل: شروع سے لیکر آخر تک خود حاصل کریں تو یہ محصل ہے۔ اور یقیناً حجت ہے۔

(۲) منقول: ایک یا چند آدمیوں نے جیسے نقل کیا ہو وہ منقول ہے۔

اس اجماع کے متعلق کوئی کہتا ہے کہ یہ من باب الحدیث حجت ہے۔ کوئی کہتا ہے من باب لطف حجت ہے۔ کوئی کسی عنوان سے اور کوئی کسی عنوان سے کہتا ہے۔

ما نحن فیہ میں جو لوگ اجماع کو من باب الحدیث سمجھتے ہیں۔ انکے نزدیک یہ کامل نہیں ہے۔ کیونکہ چند آدمی تو کہہ رہے۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ باقی بھی اسی کے متعلق یہی کہیں۔ لیکن اگر شیخ



طائفہ کا مسلک مانا جائے تو وہ فرماتے ہیں کہ اجماع؛ من باب اللفح حجت ہے۔ یعنی اگر اجماع قائم ہو گیا ہے تو حضرت امام زمانہ (عج) پر بطور لطف واجب ہے کہ کسی کو بتائیں۔ یا کسی کے ذہن میں ڈال دیں، تب تو اسکی کوئی اہمیت ہو سکتی ہے۔

بہر حال من باب الحدیث والا اجماع ثابت نہیں ہے۔ لیکن من باب اللفح والے اجماع کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن پھر بھی اجماع کا لفظ بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

صاحب مسالک نے بہت اچھا کیا ہے۔ انہوں نے ایک قول ذکر کیا ہے جس میں فرمایا ہے کہ لفظ؛ بیع کے لزوم میں معتبر نہیں ہے۔ پھر صاحب مسالک کہتے ہیں کہ اگر اسکے خلاف اجماع نہ ہوتا تو یہ کس قدر بہترین قول تھا؟ لیکن ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ اس طرح کا اجماع نہیں ہے، جو مکمل طور پر رکاوٹ ڈال سکے۔

بعض لوگ جو لفظ کے معتبر ہونے کے قائل ہیں؛ وہ یہ کہتے ہیں کہ کم از کم انشاء لفظی تو ہو۔ مثلاً آپ کہیں کہ میں خرید رہا ہوں۔ وہ کوئی لفظ نہیں کہتا؛ فقط چیز اٹھا کر دے دیتا ہے تو یہ یقیناً لازم ہے۔ اگر یہ یقیناً لازم ہے تو جو لوگ اجماع کا دعویٰ کرتے تھے کہ جب تک ایجاب و قبول نہیں ہوگا اس وقت تک عقد لازم نہیں ہوگا تو ان میں ایک اور کمزوری لازم آئیگی۔ معلوم ہوا کہ ایجاب و قبول؛ دونوں کی ضرورت نہیں بلکہ ایک سے کام چل سکتا ہے۔

### انشاء لفظی ضروری ہے یا نہیں؟

باقی رہ گیا کہ انشاء لفظی ضروری ہے یا نہیں۔ اسکی بحث کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ آج تک سیرت متشرعین یہ تھی کہ جب بھی وہ کوئی چیز خرید کرتے تو لفظ استعمال کرتے تھے۔ اسی طرح معاملہ چلتا رہا۔ البتہ معمولی قیمت کی چیز میں الفاظ کے بغیر بھی کام چلا لیتے تھے۔ لیکن بڑی چیزوں میں لفظ پر عمل ہوتا تھا۔ اور سیرت کے مطابق الفاظ استعمال ہوتے رہے۔



## دعوی سیرت

سوال یہ ہے کہ کس کی سیرت؟ اگر آپ کہیں متشرعین کی سیرت مراد ہے تو تمام لوگ ایجاب و قبول کے بغیر خرید و فروخت کرتے ہیں۔ نیز آپ پہلے کہہ چکے ہیں کہ سیرت تملیک کی ہے۔ اب کہہ رہے کہ سیرت لفظ کی ہے۔ اسکو ہم نہیں مانتے۔

بہر حال اسکے باوجود امام کا ایک فرمان ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس فرمان کے متعلق بحث کریں۔ اس فرمان کو محمد ابن یعقوب کلینی (جنکی وفات ۳۲۹ ہجری میں ہوئی) نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ شیخ طائفہ محمد بن حسن الطوسی نے بھی اس فرمان کو نقل کیا ہے۔ انہوں نے ۴۶۰ میں وفات پائی۔ اور وہ فرمان یہ ہے۔

حدیث انما تحلل الکلام سے استدلال:

إِنَّمَا يُحَلِّلُ الْكَلَامَ وَيُحَرِّمُ الْكَلَامَ

کلام ہی کسی شئی کو حلال کرتی ہے اور کلام ہی کسی شئی کو حرام کرتی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ یہ روایت پوری بیان کریں۔ اور پھر بتائیں کہ لفظ کی ضرورت ہوتی ہے یا

نہیں؟ لفظ کے بغیر بیع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اسمیں کئی احتمالات ہیں۔ جنکا تذکرہ ہوگا۔



# بائیسواں درس

حدیث کے معنی کے مختلف احتمالات

پہلا احتمال

دوسرا احتمال

تیسرا احتمال

چوتھا احتمال

پہلے احتمال پر اشکال

دوسرے احتمال پر اشکال

تیسرا اور چوتھا معنی ہی متعین ہے







## بائيسواا درس

الاول : أن يراد من الكلام فى المقامين : اللفظ الدال على التحريم و التحليل ،  
بمعنى أن تحريم شئ و تحليله لا يكون الا بالنطق بهما ، فلا يتحقق بالقصد  
المجرد عن الكلام ، و لا بالقصد المدلول عليه بالافعال دون الأقوال -

الثانى : أن يراد بالكلام : اللفظ مع مضمونه ، كما فى قولك : (( هذا الكلام  
صحيح )) أو (( فاسد )) لا مجرد اللفظ - أعنى الصوت - و يكون المراد : أن  
المطلب الواحد يختلف حكمه الشرعى حلاً و حرمةً باختلاف المضامين المؤداة  
بالكلام ، مثلاً : المقصود الواحد و هو التسليط على البضع مدة معينة ، يتأتى بقولها :  
ملكك بضعتى ، أو سلطتك عليه ، أو آجرتك نفس ، أو أحللتها لك ، و بقولها : متعت  
نفسى بكذا ؛ فما عدا الأخير موجبٌ لتحريمه ، و الأخير ، محلل -

و على هذا المعنى ورد قوله - : (( انما يحرم الكلام )) فى عدة من روايات  
المزارعة : منها : ما فى التهذيب عن ابن محبوب عن خالد بن جرير عن أبى الربيع  
الشامى عن أبى عبد الله أنه سئل عن الرجل يزرع أرض رجلٍ آخر فيشترط عليه ثلثاً  
للبذر ، و ثلثاً للبقر ، فقال : (( لا ينبغى أن يسمى بذراً و لا بقراً ، و لكن يقول لصاحب  
الأرض : أزرع فى أرضك و لك منها كذا و كذا : نصف أو ثلث أو ما كان من شرط ،  
و لا يسمى بذراً و لا بقراً ؛ فانما يحرم الكلام )) -



الثالث: أن يراد بالكلام في الفقرتين؛ الكلام واحد، و يكون تحريمه و تحليله باعتبار وجوده و عدمه ، فيكون وجوده محللاً و عدمه محرماً ، أو بالعكس أو باعتبار محلّه و غير محلّه ، فيحلّ في محله و يحرمّ في غيره ؛ و يحتمل هذا الوجه الروايات الواردة في المزارعة-

الرابع: أن يراد من الكلام المحلّل: خصوص المقاوله و المواعده ، و من الكلام المحرّم : ايجاب البيع و ايقاعه-

ثمّ إنّ الظاهر عدم ارادة المعنى الأوّل لأنه مع لزوم تخصيص الاكثر حيث أنّ ظاهره حصر أسباب التحليل و التحريم في الشريعة في اللفظ ، يوجب عدم ارتباطه بالحكم المذكور في الخبر جواباً عن السؤال ، مع كونه كالتعليل له: لأنّ ظاهر الحكم كما يستفاد من عدّة روايات أخر تخصيص الجواز بما اذا لم يوجب البيع على الرجل قبل شراء المتاع من مالكة ، و لا دخل لاشتراطه النطق في التحليل و التحريم في هذا الحكم أصلاً ، فكيف يعلّل به-

و كذا المعنى الثاني؛ اذ ليس هنا مطلبٌ واحد حتى يكون تأديته بمضمونٍ محللاً ، و بآخر محرماً-

فتعيّن المعنى الثالث، و هو أنّ الكلام الدال على الالتزام بالبيع لا يحرمّ هذه المعاملة الآ و جوده قبل شراء العين التي يريدّها الرجل ؛ لأنه بيع ما ليس عنده، و لا يحلّل الآ عدمه؛ اذ مع عدم الكلام الموجب لالتزام البيع لم يحصل الآ التواعد بالمبايعه، و هو غير مؤثّر- فحاصل الرواية: أنّ سبب التحليل و التحريم في هذه المعاملة منحصرٌ في الكلام ، عدماً و وجوداً-



أو المعنى الرابع، وهو: أن المقابلة والمرضاة مع المشتري الثاني قبل اشتراء العين محلل للمعاملة، ويجاب البيع معه محرّم لها۔  
و على كلا المعنيين يسقط الخبر عن الدلالة على اعتبار الكلام فى التحليل، كما هو المقصود فى المسألة المعطاة۔

## ترجمہ

### پہلا احتمال:

دونوں موارد (محلل اور محرّم) میں کلام سے مراد ایسا لفظ ہے جو اس طرح تحریم اور تحلیل پر دلالت کرے کہ جب تک یہ الفاظ نہ بولے جائیں کسی چیز کی تحریم اور تحلیل معلوم نہ ہو سکے۔ لہذا کلام کے بغیر فقط قصد ہو اور قصد بھی ایسے ہو جس پر فقط فعل دلالت کرتا (نہ کہ قول) ہے تو یہ حلّیت و حرمت کے تحقق کیلئے نا کافی ہوگا۔

### دوسرا احتمال:

کلام سے مراد لفظ کا اپنے مضمون کیساتھ ہونا ہے۔ جس طرح آپ کہتے ہیں کہ یہ کلام صحیح ہے اور یہ فاسد۔ فقط صوت یعنی آواز کافی نہیں ہے۔ لہذا روایت سے مراد فقط یہی ہوگا کہ کلام کے ذریعے جو مضامین میں اختلاف پایا جاتا ہے اس کے ساتھ حکم شرعی بھی حلّیت اور حرمت کے حوالے سے مختلف ہو جائے گا۔ مثلاً مقصد یہ ہو کہ مرد کو ایک معینہ مدت تک کے لئے عورت پر مسلط کر دیا جائے تو اس سلسلے میں اگر عورت کہے ملک تک بضعی (میں تجھے اپنی بضع (شرمگاہ) پر مالک قرار دیتی ہوں) یا سلطتک علیہ (اس پر مسلط قرار دیتی ہوں) یا اجرتک نفسی (خود کو



تجھے اجارہ پر دیتی ہوں) یا احللتھا لک (اسے تجھ پر حلال قرار دیا ہے) یا کہے متعت نفسی بکذا (اتنے حق مہر کیساتھ تجھ سے متعہ کرتی ہوں) یہ آخری حلیت کا سبب بنے گا جبکہ پہلے سب الفاظ موجب حرمت ہیں۔

اکثر روایات مزارعہ میں حضرت کے فرمان (انما یحرم الکلام) کا یہی معنی ہے۔ ان روایات میں سے تہذیب (۱) میں ابن محبوب سے، انہوں نے خالد بن جریر سے، انہوں نے ابی الریح شامی سے، انہوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت بیان کی ہے۔ ابن ابی ربیع نے حضرت سے سوال کیا کہ ایک شخص کسی دوسرے کی زمین میں اس شرط کیساتھ زراعت کرتا ہے کہ ایک تہائی بیج کے عنوان سے لوں گا اور ایک تہائی نیل وغیرہ کے عنوان سے۔ (لہذا ایک تہائی مالک کی بچے گی)۔ حضرت نے فرمایا۔ اسے بیج اور نیل کا نام نہیں لینا چاہیے بلکہ زمین کے مالک سے کہے کہ میں تیری زمین میں زراعت کرتا ہوں اور تجھے (منافع سے) اتنا دوں گا۔ مثلاً نصف، ایک تہائی یا جتنا طے ہوا ہے۔ وہ بیج اور نیل کا نام نہ لے کیونکہ اس سے کلام محرم ہو جائے گا۔

### تیسرا احتمال:

کلام میں دونوں فقروں سے مراد فقط یہی ایک بات ہے کہ تحلیل اور تحریم، وجود اور عدم کے عنوان سے ہیں یعنی اگر کلام ہوگا تو حلیت ہے اگر نہ ہوگا تو حرمت یا اس کے برعکس۔ یا محل اور غیر محل کے عنوان سے ہے۔ محل میں تو حلال ہوگا اور غیر محل میں حرام۔ باب مزارعہ میں وارد شدہ روایت (۲) میں یہ احتمال پایا جاتا ہے۔

(۱) تہذیب الاحکام ۱۹۴۷ باب ۱۱۹ از ابواب مزارعہ حدیث ۱۹۷، ۸۵۷، وافی ج ۳ ص ۱۳۶ باب ۱۶۵

(۲) وسائل ۱۳: ۱۹۹ تا ۲۰۱ حدیث نمبر ۴، ۶، ۱۰



## چوتھا احتمال:

کلام محلل سے مراد طرفین کی گفتگو اور وعدہ وعید ہے۔ اور کلام محرم سے مراد ایجاب و ایقاع بیع مراد ہے۔ بظاہر پہلا معنی تو مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اس کے ساتھ تخصیص اکثر لازم آتی ہے کیونکہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ شریعت میں تحلیل و تحریم کے اسباب لفظ میں منحصر ہیں۔

ثانیاً: یہ موجب بنے گا کہ اس کے (انما یحرّم الکلام) اور خبر میں بیان ہونے والے حکم (جو کہ سوال کا جواب ہے یعنی لا بأس) کے درمیان کوئی ارتباط اور تعلق نہ رہے۔ اور مزید یہ کہ فقرہ مذکور جواب کیلئے بمنزلہ علت ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ ظاہر حکم (جیسا کہ بعض دوسری روایات (۱) سے بھی مستفاد ہوتا ہے) یہ ہے کہ جواز خرید و فروخت اس مورد کیساتھ مختص ہے کہ مالک سے چیز خرید لینے سے پہلے دلال اسے آگے نہ بیچ دے۔ اور اس دوسرے شخص کیلئے بیع کو واجب قرار نہ دے۔ اسی طرح اس بات کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ تحلیل و تحریم میں نطق کی شرط کا اس حکم کیساتھ کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ لہذا اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم مذکور کی علت ہے!؟

اسی طرح دوسرا معنی بھی درست نہیں ہے کیونکہ جب یہاں ایک مطلب نہیں ہے تو کس طرح اس کے توسط سے ایک مضمون سے حلیت اور دوسرے مضمون سے حرمت آجائے گی۔

لہذا تیسرا معنی متعین ہے اور وہ یہ تھا کہ وہ کلام جو التزام بیع پر دلالت کرتا ہے یہ اس وقت تک حرام نہیں ہوگا جب تک یہ صورت نہ ہو کہ وہ چیز خرید کرنے سے پہلے ہی کسی کو بیچ دے کیونکہ وہ اس چیز کو بیچ رہا ہے جو اسکی نہیں ہے۔ اور اس وقت کلام کا نہ ہونا سبب حلیت ہے کیونکہ اس کلام کا نہ ہونا التزام بیع کا موجب ہے۔ لہذا اس وقت صرف بیچنے کا وعدہ ہی ہے۔ اور یہ مؤثر نہیں ہے۔

(۱) وسائل ۱۳: ۳۸۶ باب ۷ حدیث ۱۳، ۳: ۳۸۷ باب ۸ حدیث نمبر ۱۱، ۱۲



پس روایت کا خلاصہ یہ نکلا کہ اس معاملہ میں سبب تحریم اور تحلیل، کلام کے ہونے یا نہ ہونے میں منحصر ہے۔

یا چوتھا معنی (بھی) متعین ہے۔ اور وہ یہ تھا کہ چیز بیچنے سے پہلے دوسرے مشتری کیساتھ فقط گفتگو اور توافق کیا جائے تو یہ محلل بیع ہے اور اگر ایجاب بیع کر دیا جائے تو یہ محرم بیع ہے۔ بہر حال دونوں معانی کی صورت میں روایت تحلیل میں کلام کے معتبر ہونے پر دلالت نہیں کرے گی۔ جبکہ مسئلہ معاطات میں کلام کا معتبر ہونا مقصود ہے۔

## حل عبارات

قولہ: تحتمل وجوهاً: سے مراد چار وجوہات ہیں۔  
 قولہ: بالنطق بهما: بہما؛ کی ضمیر تحلیل اور تحریم کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: بالقصد المدلول علیہ بالافعال: ایسی معاطات کہ جس میں کبھی بھی لفظ استعمال نہ ہوا ہو۔

قولہ: التسلیط علی البضع مدّة معینة: سے مراد متعہ ہے۔  
 قولہ: موجب لتحریمہ: یعنی تحریم تسلیط۔  
 قولہ: و علی هذا المعنی: یعنی معنای دوم برائے حدیث۔  
 قولہ: منها ما فی التهذیب عن ابن محبوب الخ: اس روایت کو مرحوم شیخ طوسی نے کتاب تہذیب طبع جدید ج (۷) ص (۱۹۳) میں ذکر کیا ہے۔

قولہ: فیکون وجودہ محللاً: وجود لفظ کا عقد میں جو کہ محلل ہے اور اس کا عدم محرم



ہے۔

قولہ: او بالعکس: طلاق کی مانند کہ لفظ کا وجود محرم اور اس کا عدم محلل ہے۔

قولہ: فيحلّ في محلّه الخ: اگر لفظ بعت (محل) بیع میں استعمال ہو تو محلل ہوگا اور اگر

(غیر محل) اجارہ میں استعمال ہو تو محرم ہے۔

قولہ: الروایات الواردة في المزارعة: جیسے تہذیب میں شیخ علیہ الرحمہ کی روایت کی

ہے۔ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

قولہ: خصوص المقاوله:؛ مقاولہ؛ سے مراد وہ باتیں ہیں جو کہ عقد سے پہلے طرفین کے

مابین ہوتی ہیں۔

قولہ: و المواعده: جیسا بائع مشتری سے کہے کہ اگر تم کل آئے تو میں یہ متاع تم کو

فروخت کروں گا اور مشتری بھی اسے قبول کر لے۔

قولہ: لانه مع لزوم تخصيص الاكثر:؛ لانه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔

قولہ: مع كونه كالتعليل له:؛ كونه؛ کی ضمیر کلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور؛ لہ؛ کی ضمیر

حکم کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: من عدة روايات اخر: ان روايات سے مراد وہ حدیث ہے جو کہ مرحوم صاحب

وسائل نے ج (۱۲) ص (۳۷۴) میں ذکر کی ہے۔

قولہ: فكيف يعلل به:؛ يعلل؛ میں ضمیر نائب فاعلی ہذا الحکم کی طرف لوٹ رہی ہے اور

؛ بہ؛ میں ضمیر مجروری اشتراط النطق کی طرف لوٹ رہی ہے۔



## وضاحت

### حدیث کے معنی میں احتمالات

إِنَّمَا يَحِلُّ الْكَلَامُ وَيُحَرِّمُ الْكَلَامُ  
اس کے معنی میں چار احتمالات ہیں۔

#### پہلا احتمال

(۱) کوئی معاملہ کرنا چاہیں جب تک نطق، گفتگو یا قول نہیں ہوگا؛ اس وقت تک وہ معاملہ نہیں ہو سکے گا۔ یہ معنی بعینہ ویسے ہے جیسے پہلے ذکر کیا گیا تھا کہ معاملہ بالا قوال ہوتا ہے۔ بالا افعال نہیں ہوتا۔ لہذا لفظ ہوئے تو کلام حلال ہوگی، اور اگر لفظ نہ ہوئے فقط فعل ہو تو کلام حرام ہوگی۔

#### دوسرا احتمال

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ جب بھی کوئی کلام کرے تو سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ آیا اس کلام کو ہم صحیح سمجھیں یا غلط؟

فرض کریں آپ نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ نکاح منقطع ہو یا دائمی اسکے لئے آپ کو الفاظ تلاش کرنا ہونگے۔ بعض الفاظ کام دیں گے اور بعض الفاظ کام نہیں دے سکتے۔

مثلاً آپ نکاح کرنا چاہیں اور اسکے لئے کہیں مَلَكُتُكَ بَضْعِي ، سَلَّتْكَ عَلَيْهِ .  
أَجْرُتُكَ نَفْسِي ، أَحَلَّلْتُهَا لَكَ ، یہ سب غلط ہیں۔ لیکن اگر أَنْكَحْتُ کہیں تب بھی ٹھیک ہے اور مَتَّعْتُ کہیں اور متعہ ہو رہا تو تب بھی ٹھیک ہے۔ لہذا بعض الفاظ کام دے رہے۔ اور بعض الفاظ کام نہیں دے رہے تو گویا کلام کی وجہ سے ایک مقصد حلال ہو جاتا ہے۔ اور کلام کی وجہ سے ایک



مقصد حرام ہو جاتا ہے۔

اسی قسم کا معاملہ باب مزارعت میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک آدمی حضرت ﷺ کی خدمت میں آتا ہے۔ عرض کرتا ہے کہ فرزند رسول ﷺ میں مزارعت کر رہا ہوں۔ اس وقت طے یہ ہوا ہے اور نے مالک سے یہ کہا ہے کہ آمدن میں سے ایک ثلث تو آپ مجھے بیج کے حساب سے دے دیں۔ اور ایک ثلث بیل کے حساب سے دے دینا۔ اور ایک ثلث آپ لے لینا۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟ میں کیا کروں؟

فرمایا: نہیں اس طرح نہ کہو بلکہ بیٹھ کر طے کر لو کہ آپکو کتنا ملے گا ہمیں کتنا ملے گا۔ مثلاً طے ہو جاتا ہے کہ نصف نصف لیں یا اس سے کم زیادہ جو طے ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے۔ لیکن بیج کا ثلث، بقر کا ثلث کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ بعض کلام محلل ہوتی ہے۔ اور بعض محرم ہوتی ہے۔

### تیسرا احتمال

(۳) اصل یہ کہا جا رہا ہے کہ وجود و عدم کے لحاظ سے تحریم و تحلیل ہوگی۔ ایک چیز کا وجود محلل ہوگا تو اس کا عدم محرم ہو جائے گا۔ یا ایک چیز کا وجود محرم ہوگا تو اس کا عدم محلل ہو جائے گا۔ جیسے مزارعت میں بھی ہے باقی چیزوں میں بھی ہے۔ مثلاً اگر آپ انگخت کہیں گے تو محلل ہے؛ نکاح کا لفظ نہیں کہیں گے تو محرم ہوگا۔ وہاں تو یہ تھا کہ دوسرے لفظ کہیں تب غلط ہے یہاں دوسرے لفظ کی بات نہیں ہے بلکہ صیغہ جو معین ہے وہ کہیں گے تو ٹھیک ہوگا، وگرنہ نہیں۔ یعنی اس مثال میں وجود صیغہ ٹھیک ہے اور عدم صیغہ غلط ہے۔

### چوتھا احتمال

(۴) آپ مقاولہ اور معاودہ کر رہے ہیں۔ اگر مقاولہ اور معاودہ تک معاملہ رہتا ہے مثلاً آپ کہتے ہیں کہ تم تھان لے آنا میں لے لوں گا تو یہ کافی نہیں۔ اور اگر آپ مقاولہ وغیرہ کے بعد



ایجاب و قبول کرتے ہیں تب معاملہ ٹھیک ہوگا۔ تو گویا انما یحلل الکلام اور یحرم الکلام سے یہی مراد ہے۔

### پہلے احتمال پر اشکال

فرماتے ہیں کہ اگر آپ پہلا معنی لیتے ہیں کہ نطق کے بغیر کام نہیں چل سکتا تو یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ ہزاروں معاملات نطق کے بغیر چلتے ہیں۔ مثلاً کتابت وغیرہ سے بھی معاملات جاتے ہیں۔ خرید و فروخت اور مزدوری فعل کیساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ لہذا پہلا معنی درست نہیں ہے کیونکہ اس سے تخصیص اکثر لازم آتی ہے۔

### دوسرے احتمال پر اشکال

جہاں تک دوسرے معنی کا تعلق ہے تو اسکا مانحن فیہ کیساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔ کیونکہ مانحن فیہ تو مقاولہ و معاودہ وغیرہ تھا۔ پھر انما یحلل الکلام اور یحرم الکلام تھا۔ لہذا یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔

### تیسرا اور چوتھا معنی متعین ہے۔

ہمارے نزدیک یا تیسرا معنی کام دے سکتا ہے یا چوتھا معنی۔

تیسرا معنی یہ تھا کہ کلام کا وجود محلل اور کلام کا عدم محرم ہے۔ اور چوتھا معنی بھی کام دے سکتا ہے کہ فقط بات چیت پر نہ رہیں بلکہ ایجاب و قبول بھی کر لیں تو خرید و فروخت ہو جائے گی۔ لہذا معلوم ہوا کہ پہلا اور دوسرا معنی مانحن فیہ سے خارج ہے۔ اور تیسرا اور چوتھا معنی کام دے سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ دقت کریں تو کسی جگہ یہ نہیں کہا گیا کہ لفظ کے بغیر کام نہیں ہو سکتا۔ لہذا اصل معاملہ کرنا ہے۔ بعض اوقات لفظ کیساتھ ہوگا۔ اور بعض اوقات معاطات سے ہوگا۔



# تنقیح سوال و درس

حدیث کا ایک اور معنی

روایت محمد بن حجاج

روایت اعلاء

صحیحہ ابن سنان







## تنقيح ال درس

نعم يمكن استظهار اعتبار الكلام في ايجاب البيع بوجه آخر - بعد ما عرفت من أنّ المراد بالكلام هو ايجاب البيع - بأن يقال أنّ حصر المحلّ و المحرّم في الكلام لا يتأتّى إلا مع انحصار ايجاب البيع في الكلام ؛ اذ لو وقع بغير الكلام لم ينحصر المثلّ و المحرّم في الكلام -

الآن ان يقال : أنّ وجه انحصار ايجاب البيع في الكلام في مورد الرواية ، هو عدم امكان المعاطاه في خصوص المورد ؛ اذ المفروض أنّ المبيع عند مالكة الاوّل ؛ فتأمل -

و كيف كان فلا تخلو الرواية عن اشعارٍ او ظهور ؛ كما يشعر به قوله - في رواية أخرى واردة في هذا الحكم أيضاً، و هي رواية يحيى بن الحجّاج عن ابي عبدالله - عن رجلٍ قال لي : اشتر لي هذا الثوب ، أو هذه الدابة ، و بعنيها أربحك فيها كذا و كذا - قال : (( لا بأس بذلك ، اشترها و لا تواجهه البيع قبل أن تستوجبها أو تشتريها )) ؛ فإنّ الظاهر أنّ المراد من مواجهة البيع ليس مجرد اعطاء العين للمشتري -

و يشعر به أيضاً رواية علاء الواردة في نسبة الربح الى أصل المال، قال : قلت لأبي عبدالله - : الرجل يريد أن يبيع بيعاً فيقول : أبيعك بده دوازده أو ده يازده ، فقال : (( لا بأس ، إنّما هذه المراوضة ، فاذا جمع البيع جعله جملة واحدة )) ؛ فإنّ ظاهره



على ما فهمه بعض الشراح: أنه لا يكره ذلك في المقابلة التي قبل العقد، و إنما يكره حين العقد۔

و في صحيحة ابن سنان: (( لا بأس بأن تبيع الرجل المتاع ليس عندك تساومه۔ ثم تشتري له نحو الذي طلب، ثم توجهه على نفسك، ثم تبيعه منه بعد))۔

## ترجمہ

ممکن ہے کہ اس روایت سے ایجاب بیع کیلئے کلام کے معتبر ہونے پر ایک اور طریقے سے اظہار کیا جائے (جبکہ ہم جان چکے ہیں کہ کلام سے مراد ایجاب بیع ہے۔) اور اس طرح کہا جائے کہ محلل اور محرم کا کلام میں (انما کے ذریعے) منحصر ہونا فقط اسی صورت میں ممکن ہے کہ ایجاب بیع فقط کلام کے وسیلہ سے ہی ہو۔ کیونکہ جب اسکے علاوہ (مثلاً معاطات کے ذریعے) ہو تو پھر محلل اور محرم کلام میں منحصر نہ ہونگے۔

البتہ اگر یہ کہا جائے کہ روایت میں ایجاب بیع کی کلام میں منحصر ہونے کی وجہ یہ ہو کہ اس مورد میں معاطات امکان پذیر نہیں ہے کیونکہ بیع پہلے مالک کے ہاتھ میں ہے۔ فتأمل۔ بہر حال جو صورت بھی ہو (معاطات مورد روایت میں امکان پذیر ہو یا نہ ہو) روایت اس اشعار اور ظہور سے خالی نہیں ہے کہ لفظ کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ اسی کی طرف حضرت کا ایک دوسری روایت (کہ یہ بھی اسی حکم میں وارد ہوئی ہے) میں فرمان بھی اس مطلب پر دلالت کر رہا ہے اور وہ روایت یہ ہے کہ یحییٰ بن حجاج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ ایک شخص نے مجھے کہا ہے کہ یہ کپڑے یا جانور میرے لیے



خرید کرو۔ اس کے بدلے میں تجھے فلاں منافع دوں گا۔

حضرت نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، خرید کرو۔ جب تک وہ ایجاب بیع نہ کرے اور نہ خریدے تم اس کے لئے اس معاملہ کو واجب نہ سمجھو (۱) ظاہر بیع کے واجب ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ خریدار کو فقط عین دے دی جائے (بلکہ واجب تب ہوگی جب موجب ایجاب کلام ہو)۔ نیز روایت اعلیٰ (۲) (جو اصل مال اور منافع کی نسبت کے حوالے سے بیان ہوئی ہے) بھی اسی مطلب پر دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ ایک شخص چاہتا ہے کہ مجھے کوئی چیز بیچ لہذا وہ کہتا ہے کہ میں تجھے دس سے بارہ یا دس سے گیارہ روپے میں بیچتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سب اسکی گفتگو ہے جب بیع کرنے لگے گا تو ایک ہی جملہ کہے گا (یا دس یا بارہ) اس روایت کا ظاہر یہ ہے (جیسا کہ بعض شارحین (۳) نے بھی یہی سمجھا ہے) کہ عقد سے پہلے اس قسم کی گفتگو (قیمت کا معین نہ ہونا کہ دس بارہ میں خریدوں گا) مکروہ نہیں ہے۔ البتہ عقد کے دوران اس قسم کی گفتگو مکروہ ہے۔

صحیح ابن سنان (۴) میں بھی ہے کہ اسمیں کوئی اشکال نہیں ہے کہ تم کسی کے پاس اس مال کو بیچو جو تمہارے ملکیت میں نہیں ہے۔ پہلے معاملہ کرو پھر اس چیز کو اس کی طلب اور خواہش کے مطابق خریدو۔ پھر اس خریدی ہوئی چیز کو اپنا سمجھو اور پھر اس کے بعد بیچو۔

(۱) وسائل ۱۲: ۳۸۷ باب ۸ حدیث ۱۳، وافی ۱۰: ۹۳

(۲) تہذیب الاحکام ۷: ۵۴ باب نقد و نسیہ حدیث ۲۳۵، وسائل ۱۲: ۳۸۶ باب ۱۶ حدیث ۵، وافی ۱۰: ۹۳

(۳) نعمت اللہ جزائری شرح تہذیب الاحکام مخطوطہ

(۴) تہذیب الاحکام ۵: ۲۹۹ باب نقد و نسیہ حدیث ۲۱۲



## حل عبارات

قوله: من ان المراد بالكلام الخ: بيان ہے برائے؛ ما عرفت؛

قوله: رواية يحيى بن الحجاج: اس روایت کو مرحوم صاحب وسائل نے ج (۱۲)

ص (۳۷۸) میں ذکر کیا ہے۔

قوله: ليس مجرد اعطاء العين للمشتري: جیسا کہ معاطات میں ایسا ہے۔

قوله: ويشعر به ايضاً: ؛ بہ؛ کی ضمیر حکم مذکور یعنی عدم لزوم معاطات کی طرف لوٹ رہی

ہے۔

قوله: رواية العلاء الخ: اس روایت کو مرحوم صاحب وسائل نے ج (۱۲)

ص (۳۸۶) میں ذکر کیا ہے۔

قوله: انما هذه المراوضة: مثلاً الیہ؛ ہذہ؛ جملہ؛ ایچک دس یا بارہ میں الخ؛ ہے۔

قوله: فاذا جمع البيع الخ: ؛ بیع؛ سے مراد مالک اول سے خریدنا ہے۔

قوله: جعله جملة واحدة: ؛ جعلہ؛ میں ضمیر مفعولی البیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور

؛ جملة واحدة؛ سے مراد یہ ہے کہ ان دو جملوں میں سے ایک جملہ کو صیغہ ایجاب میں ذکر کرے۔

قوله: وفي صحيحة ابن سنان الخ: اس روایت کو مرحوم شیخ الطائف نے کتاب

تہذیب طبع جدید ج (۷) ص (۲۹) میں ذکر کیا ہے۔



## وضاحت

### حدیث کا ایک اور معنی

فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس روایت ( انما يحللُ الكلام و يحرمُ الكلام ) میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سے یہ اشارہ بھی ملتا ہو کہ لامحالہ کلام کی ضرورت ہے۔

مثلاً (۱) روایت میں لفظ انما آیا ہے۔ اور انما حصر کا فائدہ دیتا ہے، لہذا احلیت اور حرمت کلام میں ہی منحصر ہیں۔ گویا جب کلام کی بحث ہو رہی ہے تو کلام ہی محرم ہوگا؛ اور کلام ہی محلل ہوگا۔ اور کلام کے بغیر اس کا تحقق نہیں ہوگا کیونکہ ہماری بحث بھی کلام سے ہو رہی ہے۔

(۲) عبارت میں بھی لفظ کلام ہے۔ اس سے بھی پتہ یہ چلتا ہے کہ محلل و محرم بھی کلام ہی ہوگی۔ ہاں اگر عبارت میں فقط انما يحلل و يحرم ہوتا تو اس وقت بحث ہوتی کہ آیا لفظ کے بغیر بھی تحلیل و تحریم ہو سکتی ہے یا نہیں۔ لیکن یہاں کلام ہے۔ اور حلال و حرام کا دار و مدار بھی کلام کیساتھ ہوگا۔ اور ہم کلام کے دائرہ سے نکل نہیں سکتے۔ بہر حال کلام کا ہونا ضروری ہے۔

اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ کوئی نہ کوئی لفظ ہونا چاہیے، جس سے بیع معاطات کا تحقق ہو سکے۔ اگرچہ یہ پکی دلیل نہیں ہے۔

تأمل سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ آپ ظہور نہ مانیں لیکن پھر بھی لفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔

### روایت یحییٰ

اسکے علاوہ اور روایات بھی ہیں، جن کا ظاہر بھی بتاتا ہے کہ لفظ ہونا چاہیے۔ جیسے یحییٰ بن حجاج؛ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ آپ میرے لئے کپڑا یا جانور



خریدیں۔ میں آپکو منافع دوں گا۔ اس سلسلے میں میرے لئے کیا حکم ہے؟  
امام علیہ السلام فرماتے ہیں۔

آیا اس ابتدائی گفتگو سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ بیع چکی ہوگی ہے یا نہیں۔ بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی بات چیت ہے۔ بیع نہیں۔

بہر حال اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں لفظ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس روایت میں ہے کہ آپ میرے لئے خریدیں۔ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ لہذا لفظ ہوگا تب بیع ہوگی۔

### روایت اعلیٰ

اسی طرح روایت العلاء میں ہے کہ میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے عرض کیا کہ ایک آدمی کوئی چیز بیچتا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ میں آپ کو دس، گیارہ روپے؛ یا دس بارہ روپے میں بیچتا ہوں۔

فرمایا یہ ابتدائی بات چیت ہے۔ جب وہ بیچے گا تو دس گیارہ یا بارہ نہیں کہے گا۔ بلکہ ایک چیز کہے گا۔ یا دس کہے گا یا بارہ۔ یہاں بھی کم از کم الفاظ ہیں کہ میں بیچتا ہوں اور وہ کہتا ہے کہ میں خریدتا ہوں۔

### صحیح ابن سنان

اسی طرح صحیح ابن سنان میں ہے کہ اسمیں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ پہلے بات چیت کر لیں پھر خرید کر کے بیچیں۔ بہر حال اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا ان کے نزدیک بیع معاطات ملک لازم ہے۔ اسکے لئے صیغہ ہو یا نہ ہو، لفظ کا ہونا ضروری ہے۔



# چوبیسواں درس

## تنبیہاتِ معاطات

پہلی تنبیہ

کیا معاطات حقیقت میں بیع ہے؟

آیا بیع کی شروط کا معاطات میں پایا جانا ضروری ہے؟

آیا صیغہ ہونا ضروری ہے؟







## چوبیسواں درس

و ینبغی التنبیہ علی امور:

الاول: الظاهر أنّ المعاطاة قبل اللزوم علی القول بادفاتها الملك ، بیع؛ بل الظاهر من كلام المحقق الثاني فی جامع المقاصد أنه ممّا لا كلام فيه حتى عند القائلین بكونها فاسدةً، كالعلامة فی النهاية - و دلّ علی ذلك تمسكهم له بقوله تعالى: "وَ أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ" -

و أمّا و علی القول بافادتها الاباحة ، فالظاهر أنها بیع عرفی لم تؤثر شرعاً إلا الاباحة؛ فنفي البيع عنها فی كلامهم و معاهد اجماعاتهم هو البيع المفيد شرعاً اللزوم زیادةً علی الملك -

هذا ما اخترناه سابقاً من أنّ مقصود المتعاطیین فی المعاطاة ، التملك و البيع - و أمّا علی ما احتمله بعضهم بل استظهره من أنّ، محلّ الكلام هو ما إذا قصدا مجرد الاباحة ، فلا اشكال فی عدم كونها بیعاً عرفياً و لا شرعاً -

و علی هذا فلا بدّ عند الشك فی اعتبار شرطٍ فیها من الرجوع الى الادلة الدالة علی صحّة هذه الاباحة العوضیّة من خصوصٍ أو عمومٍ؛ و حیث أنّ المناسب لهذا القول التمسك فی مشروعیته بعموم ((الناس مسلطون علی اموالهم)) ، كان مقتضى القاعدة هو نفي شرطية غیر ما ثبت شرطیته ؛ كما انه لو تمسك لها بالسيرة ، كان



مقتضى القاعدة العكس -

والحاصل: أن المرجع على هذا عند الشك في شروطها، هي أدلة هذه المعاملة، سواء اعتبرت في البيع أم لا -  
و أما على المختار: من أنّ الكلام فيها قصد به البيع، فهل يشترط فيه شروط البيع مطلقاً، أم لا كذلك، أم يبتنى على القول بافادتها للملك والقول بعدم افادتها إلاّ الاباحة؟ وجوه -

يشهد الأوّل: كونها بيعاً عرفياً فيشترط فيها جميع ما دلّ اشتراطه في البيع -  
و يؤيّده: أنّ محلّ النزاع بين العامة والخاصّة في المعاطاة هو أنّ الصيغة معتبرة في البيع كسائر الشروط، أم لا؟ كما يفصح عنه عنوان المسألة في كتب كثيرٍ من العامة والخاصّة؛ فما انتفى فيه غير الصيغة من شروط البيع، خارجٌ عن هذا العنوان وان فرض مشاركاً له في الحكم ولذا ادّعى في الحدائق: أنّ المشهور بين القائلين بعدم لزوم المعاطاة، صحّة المعاطاة المذكورة اذا استكمل شروط البيع غير الصيغة المنصوصة، و أنّها تفيد اباحة تصرف كلّ منهما فيما صار اليه من العوض -  
و مقابل المشهور في كلامه، قول العلامة<sup>٢</sup> في النهاية بفساد المعاطاة، كما صرح به بعد ذلك، فلا يكون كلامه موهماً لثبوت الخلاف في اشتراط صحّة المعاطاة باستجماع شرائط البيع -

## ترجمہ

اس مقام پر میرے لئے چند امور پر تشبیہ کرنا سزاوار ہے۔



### پہلا امر:

اگر معتقد ہوں کہ معاطات مرحلہ لزوم پر پہنچنے سے پہلے ملکیت کا فائدہ دیتی ہے تو ظاہر ایہ بیع ہے۔ بلکہ جامع المقاصد میں (۱) محقق ثانی کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ معاطات کے بیع ہونے میں تو کلام نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جو کہتے ہیں کہ معاطات بیع فاسد ہے وہ بھی اسے بیع کہتے ہیں جیسے نہایتہ میں (۲) علامہ کا بھی یہی کہنا ہے۔ اور ان کا اللہ کے اس فرمان ”احل اللہ البیع“ (۳) سے تمسک کرنا بھی دلالت کرتا ہے کہ معاطات بیع ہے۔

اور اگر یہ اعتقاد رکھیں کہ معاطات اباحت التصرف کا فائدہ دیتی ہے تو پھر معاطات عرف کی نظر میں بیع ہوگی جبکہ شریعت کی نظر فقط اباحت کے عنوان سے مؤثر ہے۔ لہذا کلمات علماء اور معاقد اجماعات میں معاطات سے بیع کی نفی سے مراد یہ ہے کہ معاطات وہ بیع نہیں جو شرعاً مفید ملک ہو اور لزوم کا فائدہ دیتی ہو۔

یہ وہی مطلب ہے جیسے ہم پہلے اختیار کر چکے ہیں کہ معاطات میں طرفین کا مقصد تملک

اور بیع ہے۔

اور جہاں تک اس کا تعلق ہے جس کا بعض علماء نے احتمال دیا ہے۔ بلکہ ان کا استظہار یہ

ہے کہ محل کلام وہ معاطات ہے جس میں دونوں نے فقط اباحت کا قصد کیا ہو۔ لہذا اس کے عرفاً اور شرعاً بیع نہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

(۱) جامع المقاصد ۵: ۵۸

(۲) نہایتہ الاحکام ۲: ۲۳۹

(۳) بقرہ: ۲۷۵



اس بناء پر جب بھی اس میں شرط کے معتبر ہونے کا شک ہو تو ضروری ہے کہ ان ادلہ کی طرف رجوع کیا جائے جو بطور خاص یا عام اس اباحت کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور چونکہ یہ بات (محل سخن وہ معاطات ہے جس میں اباحت کا قصد ہوا ہو) اس سے مناسبت رکھتی ہے کہ اسکی مشروعیت کیلئے الناس مسلطون علی اموالہم (۱) کے عموم سے تمسک کیا جائے۔ مقتضاء قاعدہ فقط یہی ہوگا کہ جسکی شرطیت ثابت ہے اسکے علاوہ ہر شرط کی نفی کرنا ہوگی۔ جیسا کہ اگر اسکے اثبات کیلئے سیرہ سے تمسک کیا جاتا تو مقتضاء قاعدہ اس کے برعکس ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ (معاطات بیع نہیں بلکہ فقط اباحت عوضیہ ہے) اگر اسکی شروط میں شک ہو تو مرجع وہ ادلہ ہونگی جن کی وجہ سے اس معاملہ کو مشروع قرار دیا تھا اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے کہ خواہ شرط مشکوک، بیع میں معتبر ہو یا نہ ہو۔

اور جہاں تک قول مختار کا تعلق ہے اس میں محل کلام وہ معاطات ہے جس میں بیع کا قصد کیا گیا ہو۔ پس کیا معاطات میں بھی بیع کی تمام شرائط کا مطلقاً ہونا معتبر ہے یا معتبر نہیں ہے؟ یا اس قول پر بناء رکھیں گے کہ معاطات ملک کا فائدہ دیتی ہے یا ملک کا فائدہ نہیں دیتی فقط اباحت پائی جاتی ہے۔ یہ (تین) وجوہات ہیں۔

پہلے احتمال کا شاہد یہ ہے کہ معاطات عرفاً بیع ہے۔ اسمیں بھی تمام وہی شرائط پائی جائیں گئیں جو بیع میں پائی جاتی ہیں۔

اس کا مؤید یہ ہے کہ بحث معاطات میں، عامہ اور خاصہ کے درمیان محل نزاع یہ ہے کہ بیع میں باقی شرائط کی طرح صیغہ کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ جیسا کہ عامہ اور خاصہ کی اکثر کتب میں جو

(۱) عوالی الآلی: ۱: ۲۲۲ حدیث ۹۹



عنوان مسئلہ بیان ہوا ہے وہ بھی اس نکتہ سے پردہ اٹھاتا ہے اور مسئلہ پر وضاحت کیساتھ روشنی ڈالتا ہے۔ پس وہ معاملہ جس میں صیغہ کے علاوہ بیع کی دیگر شرائط نہیں پائی جاتیں وہ اس عنوان سے خارج ہے۔ اگرچہ وہ حکم میں بیع کیساتھ مشارکت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے صاحب حدائق (۱) نے دعویٰ کیا ہے کہ معاطات کے عدم لزوم کے قائلین میں مشہور یہ ہے کہ معاطات مذکورہ اس وقت صحیح ہے جب اس میں مخصوص صیغہ کے علاوہ بیع کی تمام شرائط کاملاً موجود ہوں۔ پس معاطات طرفین کیلئے اس عوض میں اباحت التصرف ہوگی جو دونوں کو ملا ہے۔

کلام صاحب حدائق "میں مشہور کے مقابل نہایہ میں علامہ" کا قول ہے کہ معاطات فاسد ہے۔ جیسا کہ بعد میں خود انہوں نے ہی (صاحب حدائق) بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کی تصریح کی ہے۔ لہذا اس بناء پر صاحب حدائق کا کلام اس معنی کا تخیل نہیں دیتا کہ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ معاطات تب صحیح ہے جب اس میں بیع کی تمام شرائط پائی جائیں۔

## حل عبارات

قولہ: انه مما لا كلام فيه:؛ انه؛ کی ضمیر کونہایعاً کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و دلّ علی ذلک: مشاڑ الیہ؛ ذلک؛ معاطات کا بیع ہونا ہے۔ قولہ: تمسکھم

لہ:؛ تمسکھم؛ میں ضمیر مجروری فقہاء کی طرف اور؛ لہ؛ میں کونہا مشروعاً کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و احلّ اللہ البیع: سے مراد آیت (۲۷۵) سورہ بقرہ

قولہ: و لی هذا: یعنی و علی ما احتمله بعضهم.....



قوله: المناسب لهذا القول: يعنى القول بانّ القصد فى المعاطاة مجرد

الاباحة.

قوله: كما انه لو تمسك لها بالسيرة: انه: كى ضمير بمعناى شأن ہے اور؛ لها؛ كى ضمير مشروعية معاطات كى طرف لوٹ رہى ہے۔

قوله: انّ المرجع على هذا: مشاّر اليه؛ هذا؛ يه قول (معاطات مفيد اباحه ہے) ہے۔

قوله: هى ادلة هذه المعاملة: يعنى وه ادله كه جن سے معاطات كو مشروع قرار ديتے

ہیں۔

قوله: اعتبرت فى البيع ام لا:؛ اعتبرت؛ كى ضمير شروط كى طرف لوٹ رہى ہے۔

قوله: اذا قصد به البيع:؛ به؛ كى ضمير معاطات كى طرف لوٹ رہى ہے۔

قوله: فهل يشترط فيه شروط البيع:؛ فيه؛ كى ضمير معاطات كى طرف لوٹ رہى ہے۔

قوله: مطلقا: مفيد ملك اور مفيد اباحه ہے۔

قوله: ام لا كذلك: كلمه؛ كذلك؛ يعنى مطلقا مفيد بيع ہے اور مفيد اباحه ہو۔

قوله: وجوه: يعنى وجوه اربعة.

قوله: يشهد للاول:؛ الاول؛ سے مراد وجہ اول ہے يعنى مطلقا شروط بيع معاطات میں

شرط ہے۔

قوله: كونها بيعاً:؛ كونها؛ كى ضمير معاطات كى طرف لوٹ رہى ہے۔

قوله: فيشترط فيها:؛ فيها؛ كى ضمير معاطات كى طرف لوٹ رہى ہے۔

قوله: ويؤيده: ضمير مفعولى به اشراط جميع شروط بيع در معاطات كى طرف لوٹ رہى ہے۔

قوله: يما يفصح عنه:؛ عنه؛ كى ضمير تائيد مذکور كى طرف لوٹ رہى ہے۔



قولہ: خارج عن هذا العنوان: سے مراد عنوان بیع ہے جو کہ کتب خاصہ اور عامہ میں مذکور ہے۔

قولہ: مشار کالہ فی الحکم: ؛ لہ؛ کی ضمیر بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
قولہ: کما صرح بہ بعد ذلک: ؛ بہ؛ کی ضمیر مقابل مشہور، قول علامہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فلا یكون کلامہ: یعنی کلام مرحوم بحرانی۔

## وضاحت

### چند تنبیہات

پہلی تنبیہ: کیا معاطات حقیقت میں بیع ہے؟

آیا لزوم سے پہلے معاطات کو بیع کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

فرماتے ہیں: لزوم سے پہلے یہ بیع ہے۔ بلکہ محقق ثانی کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکے بیع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ حتی کہ وہ لوگ جو معاطات کو فاسد سمجھتے ہیں، وہ بھی کم از کم یہ ضرور کہتے ہیں کہ یہ بیع ہے۔ اسی لئے علماء کرام نے احل اللہ البیع سے تمسک کیا ہے۔ احل اللہ البیع سے تمسک کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بیع ہے تب ہی تو اس سے تمسک کیا جا رہا ہے۔

گویا ہم کہتے ہیں کہ اگر متعاطین ملکیت کا قصد کرتے ہیں تو یہ معاطات باقاعدہ بیع ہے۔ اور اگر کوئی کہتا ہے کہ معاطات اباحت کا فائدہ دیتی ہے تو اس وقت بھی ہم یہی کہیں گے کہ معاطات تب بھی بیع ہے۔ لیکن اس وقت عرفاً بیع ہوگی۔ شرعاً بیع نہیں ہوگی۔



کوئی شخص کہتا ہے کہ کافی علماء نے اسکی بیعت کی نفی کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگر علماء کے اقوال اور اجتماعات کو ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے بیع لازم کی نفی کی ہے۔ خود بیع کی نفی نہیں کی۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ معاطات میں مقصود بالذات ہی اباحت ہے۔ اور متعاطین اباحت کا قصد کر رہے ہیں۔ اسوقت یہ بیع نہیں ہوگی، بلکہ اس طرح ہوگی جیسے کسی کو کوئی چیز عاریتاً دی جاتی ہے۔

بہر حال اسوقت دلیل کو دیکھا جائے گا کہ وہ دلیل کس حد تک ہے۔ مثلاً آیا اسمیں عموم پایا جاتا ہے یا خصوص۔ آیا تمام تصرفات کر سکتے ہیں یا بعض کر سکتے ہیں اور بعض نہیں کر سکتے وغیرہ۔ اسوقت یہ بیع نہیں ہوگی۔ جب اسکو مفید ملک یا مفید اباحت کہا جائے گا۔

### معاطات میں شروط بیع معتبر ہیں یا نہیں؟

آیا بیع معاطات میں بیع کی سب شروط کا پایا جانا ضروری ہے یا ضروری نہیں ہے؟ یا اگر آپ بیع معاطات کو مفید ملک کہیں تو شروط بیع ضروری ہیں۔ اگر مفید ملک نہ کہیں تو ضروری نہیں ہیں؟

فرماتے ہیں: اسمیں کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ لیکن جہاں تک ہمارا نظریہ ہے کہ شروط بیع دیکھی جائیں گئیں۔ اور جہاں تک بیع معاطات کے بیع ہونے کا تعلق ہے تو یہ واضح ہے کہ یہ بیع ہے۔

### آیا صیغہ ہونا ضروری ہے؟

جب باقی شرائط کا ہونا ضروری ہو تو آیا اسمیں صیغہ پایا جاتا ہے یا نہیں؟

فرماتے ہیں: فقط صیغہ کی بحث کرنا، اس سے معلوم ہو گیا کہ باقی شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ صاحب حدائق کہتے ہیں کہ ما سوائے صیغہ جب باقی تمام شرائط اسمیں پائی جاتی ہوں تو یہ بیع، بیع معاطات ہوگی۔



# پچیسواں درس

دوسرے قول کی دلیل

اباحت والے قول کا کیا حکم ہے؟

ملکیت والے قول کا کیا حکم ہے؟

تیسرے قول کی دلیل

احتمال دیگر

مختار مؤلف

شہیدؒ نے معاطات میں بعض شروط کے معتبر ہونے کی نفی کی ہے

شہیدؒ کے قول پر اشکال







## چکیسواں درس

و یشهد للثانی : أن البیع فی النصّ و الفتوی ظاهرٌ فیما حکم فیہ باللزوم ، و ثبت له الخيار فی قولهم : (( البیعان بالخیار ما لم یفترقا )) و نحوه - أما علی القول بالاباحة ، فواضح ؛ لأنّ المعاطاة لیست علی هذا القول بیعاً فی نظر الشارع والمتشرّعة ؛ اذ لا نقل فیہ عند الشارع ، فاذا ثبت اطلاق الشارع علیہ فی مقام فنحمله علی الجری علی ما هو بیعٌ باعتقاد العرف ؛ لاشتماله علی النقل فی نظرهم ؛ و قد تقدّم سابقاً فی تصحیح دعوی الاجماع علی عدم کون المعاطاة بیعاً ، بیان ذلك -

و أما علی القول بالملك ، فلأنّ المطلق ینصرف الی الفرد المحکوم باللزوم فی قولهم : (( البیعان بالخیار )) و قولهم ؛ (( انّ الأصل فی البیع اللزوم ، و الخيار انما ثبت لدلیل )) ، و (( ان البیع بقولٍ مطلقٍ من العقود اللازمة )) و قولهم (( البیع هو العقد الدال علی کذا )) و نحو ذلك - و بالجملة ، فلا یبقی للمتأمل شکٌ فی أنّ اطلاق البیع فی النصّ و الفتوی یراد به ما لا یجوز فسخه الا بفسخ عقده بخیارٍ أو بتقایل -

و وجه الثالث : ما تقدّم للثانی علی القول بالاباحة : من سلب البیع عنه ، و للأول علی القول بالملك : من صدق البیع علیہ حیثیذو ان لم یکن لازماً - و یمکن الفرق بین الشرط الذی ثبت اعتباره فی البیع من النصّ ، فیحمل علی البیع العرفی و ان لم یفد عند الشارع الا بالاباحة ، و بین ما ثبت بالاجماع علی اعتباره فی البیع بناءً علی



انصراف البيع فى كلمات المجمعين الى العقد اللازم- والاحتمال الاول لا يخلو عن قوّة؛ لكونها بيعاً ظاهراً على القول بالملك، كما عرفت من جامع المقاصد، و أمّا على القول بالاباحة، فلانها لم تثبت الا فى المعاملة الفاقدة للصيغة فقط، فلا تشتمل الفاقدة للشرط الآخر أيضاً- ثمّ انه حُكى عن الشهيد فى حواشيه على القواعد انه بعد ما منع من اخراج المأخوذ بالمعاطاة فى الخمس و الزكاة و ثمن الهدى الا بعد تلف العين — يعنى العين الاخرى -، ذكر: انه يجوز أن يكون الثمن والمثمن فى المعاطاة مجهولين؛ لانها ليست عقداً، و كذا جهالة الأجل، و انه لو اشترى أمة بالمعاطاة لم يجز له نكاحها قبل تلف الثمن؛ انتهى- و حكى عنه فى باب الصرف أيضاً: انه لا يعتبر التقابض فى المجلس فى معاطاة النقدين-

أقول: حكمه (قدس سره) بعدم جواز اخراج المأخوذ بالمعاطاة فى الصدقات الواجبة و عدم جواز نكاح المأخوذ بها، صريح فى افادتها للملك، الا أنّ حكمه (رحمة الله) بعدم اعتبار الشروط المذكورة للبيع و الصرف معللاً بان المعاطاة ليست عقداً، يحتمل أن يكون باعتبار عدم الملك حيث أنّ المفيد للملك منحصر فى العقد، و أن يكون باعتبار عدم اللزوم حيث أنّ الشروط المذكورة شرائط للبيع العقدى اللازم-

والاقوى: اعتبارها و ان قلنا بالاباحة؛ بيع عرفى و ان لم يفد شرعاً الا بالاباحة، و مورد الادلة الدالة على اعتبار تلك الشروط هو البيع العرفى لا خصوص العقدى، بل تقييدها بالبيع العقدى تقييد بغير الغالب؛ و لما عرفت من أنّ الاصل فى المعاطاة بعد قول بعدم الملك، الفساد و عدم تأثيره شيئاً، خرج ما هو محلّ الخلاف بين العلماء



من حيث اللزوم و العدم ، و هو المعاملة الجامعة للشروط عدا الصيغة ، و بقى الباقي۔

## ترجمہ

دوسرے احتمال کا شاہد: ظاہر النص (۱) اور فتویٰ میں کلمہ بیع سے مراد یہ ہے کہ جس میں لزوم کا حکم لگایا جائے۔ اور علماء کے اس فرمان کہ البيعان بالخيار ما لم يفترقا، وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے اختیار ثابت ہے۔ (جبکہ واضح ہے کہ معاطات نہ لازم ہے اور نہ اسمیں اختیار ہے)۔ جہاں تک ان حضرات کے قول کا تعلق ہے جو اسے اباحت سمجھتے ہیں۔ واضح ہے کہ اباحت کی صورت میں ادلہ معاطات اس کو شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ اس قول کی بناء پر معاطات نہ تو شارع کی نظر میں بیع ہے۔ اور نہ متشرعہ کی نظر میں بیع ہے۔ کیونکہ شارع کے نزدیک اسمیں نقل و انتقال نہیں ہے۔ اور اگر کسی جگہ پر شارع نے اس (معاطات) پر بیع کا اطلاق کیا ہے تو (اسکی توجیہ یہ ہوگی کہ) اسکا مقصد ایسا لین دین ہے جو عرف میں بیع کی صورت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ عرف کی نظر میں معاطات نقل و انتقال پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلے بھی دعویٰ اجماع کی تصحیح کے وقت اسی بیان اور وضاحت کے ساتھ یہ کہا جا چکا ہے کہ معاطات بیع نہیں ہے۔

اور جہاں تک قول بالملک کا تعلق ہے (یعنی جو معاطات کو مفید ملک سمجھتے ہیں) تو نصوص اور فتاویٰ میں لفظ بیع مطلق ہے۔ اور مطلق اس فرد میں منحصر ہوتا ہے جو محکوم بلزوم ہو۔ لہذا علماء کے ان اقوال مثلاً البيعان بالخيار یا ان الاصل فی البيع اللزوم و الخيار انما ثبت بدلیل (بیع میں اصل لزوم ہے اور اختیار کسی اور دلیل سے ثابت ہوگا) یا ان البيع يقول مطلق من

(۱) وسائل ۱۲: ۱۳۴۶ ابواب خيار باب احدیث ۴



العقود اللزومه (عقود لازمہ میں بیع مطلق ہے) یا البیع هو العقد الذال علی کذا (بیع وہ عقد ہے جو اس طرح دلالت کرے) اور علماء کے اس طرح کے دیگر جملوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے (کہ بیع عقد لازم ہے اور معاطات سے منصرف ہے)۔

المختصر متامل شخص کیلئے کسی قسم کا شک و تردید نہیں ہے کہ نص اور فتویٰ میں اطلاق بیع ایسی بیع پر حمل ہوا ہے جس کا فسخ خیار اور تقایل (توافق طرفین) کے بغیر ناممکن ہے۔ تیسرے احتمال کی دلیل (اس بناء پر کہ ہم اباحت تصرف کا کہیں) یہ ہے کہ دوسرے قول کے اثبات کے حوالے سے پہلے گذر چکا ہے کہ لفظ بیع، معاطات پر صادق نہیں آتا اور لفظ بیع، معاطات سے سلب کیا جائے گا۔

اگر ہم پہلے قول کی بناء پر ملکیت کا کہیں تو لفظ بیع تو اس پر صادق آتا ہے لیکن یہ عقد لازم نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ہم اس شرط، جس کا بیع میں اعتبار نص کے ذریعے ہوا ہے اور وہ شرط جس کا اعتبار اجماع کی وجہ سے ہوا۔ دونوں میں فرق قائم کریں۔ پہلی کو بیع عرفی پر حمل کریں اگرچہ وہ شارع کے نزدیک فقط اباحت کا فائدہ دیتی ہے، بیع نہیں ہے۔ اور دوسری میں کہیں کہ اجماع کرنے والوں کے نزدیک کلمہ بیع، بیع لازم کی طرف منصرف ہے (معاطات کیلئے نہیں)۔ البتہ پہلا احتمال قوت سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ ملکیت کہنے والوں کے نزدیک ظاہراً یہ بھی بیع ہے۔ جیسا کہ جامع المقاصد (۱) میں جان چکے ہیں۔ اور اباحت کہنے والوں کے نزدیک بھی بیع ہے۔ اس معاملہ میں فقط صیغہ والی شرط نہیں ہے جبکہ باقی تمام شرائط پائی جاتی ہیں۔

قواعد کے حواشی میں شہیدؒ سے حکایت (۲) کی گئی ہے کہ (جہاں انہوں نے کہا ہے کہ

(۱) جامع المقاصد ۵: ۵۸

(۲) حکایت کرنے والے جناب محمد حسینی عالمی ہیں۔ دیکھیں مفتاح الکرامہ ۴: ۱۵۸



معاطات کے پیسوں سے خمس و زکوٰۃ اور حج کی قربانی دینا ممنوع ہے مگر جب دوسری عین (مد مقابل) تلف ہو جائے نیز معاطات میں ثمن اور مٹمن دونوں کا مجہول ہونا جائز ہے۔ کیونکہ یہ عقد نہیں ہے۔ نیز معاطات میں اجل اور مدت بھی مجہول ہو سکتی ہے۔ اگر معاطات کے ذریعے لونڈی خرید کرے تو ثمن کے تلف ہو جانے سے پہلے اس لونڈی کیساتھ اسکا نکاح جائز نہ ہوگا۔ اختتام کلام در حواشی شہید۔ شہید سے باب صرف میں بھی حکایت (۱) کی گئی ہے کہ سونے چاندی کی معاطات کی صورت میں اسی مجلس میں تقابض بھی معتبر نہیں ہے۔

مرحوم مصنف فرماتے ہیں کہ مرحوم شہید کا یہ حکم لگانا کہ معاطات کے اموال سے واجب صدقات کا نہ نکال سکنا اور نکاح کا جائز نہ ہونا واضح طور پر بتا رہا ہے کہ یہ ملکیت کا فائدہ نہیں دیتی۔ وگرنہ شہید کا یہ حکم لگانا کہ شروط مذکورہ بیع صرف میں معتبر نہیں ہیں اور یہ تعلیل پیش کرنا کہ معاطات عقد نہیں ہے۔ اس سے (یہ دو) احتمال نکلتے ہیں کہ وہ معاطات کو عدم ملک سمجھتے ہیں کیونکہ مفید ملک وہ ہوتا ہے جو عقد ہو۔ اور ان کا اسے لزوم نہ سمجھنا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ شرائط بیع عقدی لازم کیلئے ہیں۔

اقویٰ قول یہ ہے کہ (حتیٰ اباحت کا ہی کیوں نہ کہیں) معاطات میں بھی شرائط بیع معتبر ہیں۔ کیونکہ اولاً: یہ عرفاً بیع ہے اگرچہ شرعاً صرف اباحت کا فائدہ دیتی ہو۔ اور ان شروط کو معتبر قرار دینے والی ادلہ کے موارد بھی عرفی بیع پر دلالت کرتے ہیں، خصوصی طور پر بیع عقدی پر دلالت کرتے۔ بلکہ ان شرائط کو بیع عقدی کیساتھ مقید قرار دینا، غیر غالب کے ساتھ مقید قرار دینا ہے۔

ثانیاً: پہلے آپ جان چکے ہیں کہ عدم ملک کہنے کی صورت میں معاطات میں اصل یہ ہے کہ

(۱) حکایت کرنے والے جناب محمد حسینی عالمی ہیں۔ دیکھیں مفتاح الکرامہ ۴: ۳۹۷



یہ فاسد ہے اور کسی چیز کی تاثیر نہیں رکھتی۔ لہذا اس اصل سے وہی معاطات خارج ہوئی ہے جسکے لزوم و عدم لزوم کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ جبکہ یہ معاطات جسمیں صیغہ کے علاوہ باقی تمام شرائط پائی جاتی ہیں یا معاطات کی دوسری صورتیں جسمیں بیع کی کچھ شرائط پائی جاتی ہیں۔ وہ سب اس اصل کے ماتحت باقی ہیں۔

## حل عبارات

- قولہ: و ثبت له الخيار: ؛ لہ؛ کی ضمیر بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: لاشتماله علی النقل: ؛ لاشتمالہ؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: من سلب البيع عنه: ؛ عنہ؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: و للاول: یعنی و ما تقدم للاول.
- قولہ: من صدق البيع عليه حينئذ: یعنی حين نقول بافادتها للملك.
- قولہ: و بين ما ثبت بالجماع الخ: مانند بلوغ و قصد در متعاقدين۔
- قولہ: و الاحتمال الاول: یعنی مذکورہ تین احتمالات میں سے احتمال اول۔
- قولہ: ثم انه حكى عن الشهيد رحمه الله الخ: ؛ انه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔
- قولہ: ذكر انه يجوز ان يكون الثمن الخ: ؛ انه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔
- قولہ: لانها ليست عقداً: ؛ لانها؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: وكذا جهالة الاجل: جهالت اجل، جهالت به ثمن و مثنى كيطرح اشكال نہیں رکھتی
- قولہ: و انه لو اشترت الخ: ؛ انه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔
- قولہ: لم يجز له نكاحها: ؛ لہ؛ کی ضمیر مشتری امہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔



- قولہ: وحکی عنہ فی باب الصرف:؛ عنہ؛ کی ضمیر شہید اول کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: انه لا يعتبر التقابض الخ:؛ انه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔
- قولہ: عدم جواز نکاح المأخوذ بها:؛ بها؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: فی عدم افادتها للملک:؛ افادتها؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: و ان یكون باعتبار الخ:؛ ان یكون باعتبار عدم الملک؛ کی طرف معطوف ہے۔
- قولہ: لانها بیع عرفی:؛ لانها؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: بل تقيدها بالبيع العقدي:؛ تقيدها؛ کی ضمیر اولہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: ولما عرفت من ان الاصل: یعنی اعتبار شرط بیع در معاطات کی دوسری دلیل
- قولہ: و هو المعاملة الخ:؛ هو؛ کی ضمیر ماہو محل الخلاف کی طرف لوٹ رہی ہے۔

## وضاحت

### دوسرے قول کی دلیل:

- اگر متعاطیین کا مقصود، ملک ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ
- (۱) آیا شرط بیع کا مطلقاً معاطات میں ہونا ضروری ہے؟
- (۲) یا شرط بیع کا مطلقاً ہونا ضروری نہیں ہے؟
- (۳) یا جو ملکیت کے قائل ہیں۔ فقط انکے نزدیک شرط بیع کا مطلقاً ہونا ضروری ہے۔ اور
- جو اباحت کے قائل ہیں انکے نزدیک شرط بیع کا مطلقاً ہونا ضروری نہیں ہے؟
- پہلے قول کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اب دوسرا قول کہ شرط کا مطلقاً ہونا ضروری نہیں ہے۔
- جب نص اور فتویٰ کو دیکھا جائے تو یہ فقط اس بیع کو شامل ہیں جس میں لزوم ہوتا ہے۔ اور جسکو اختیار کی



وجہ سے توڑا جاسکتا ہے۔ جیسے روایت میں آیا ہے کہ **الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَفْتَرَقَا**۔ جبکہ بیع معاطات میں ان دو چیزوں (خیار اور لزوم) میں سے کوئی چیز بھی نہیں پائی جاتی۔ لہذا یہ بیع ہی نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ بیع کی شرط کا اسمیں ہونا ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ بیع نہیں ہے تو آیا ملکیت اور اباحت دونوں مقامات پر یہ بیع نہیں ہے؟

### اباحت والے قول کا کیا حکم ہے؟

فرماتے ہیں۔ **أَمَّا عَلَى الْقَوْلِ بِالْإِبَاحَةِ** یہ تو واضح ہے۔ کیونکہ جب آپ ملکیت کے قائل نہیں ہو رہے تو یہ شارع اور متشرعہ دونوں کی نظر میں بیع نہیں ہے۔ اور یہاں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ نقل ہو کر متشرعیہ کے نزدیک بیع ہو چکی ہے کیونکہ آپ اباحت کے قائل ہیں۔ لہذا یہ بیع نہیں ہے۔ کوئی ان قلت کرتا ہے کہ اسکو بیع کہا تو گیا ہے؟

فرماتے ہیں اسکو بیع کہنا **عَلَى نَحْوِ الْجَزِي** ہے کیونکہ عرف میں اسکو بیع کہتے ہیں۔ لہذا عرف کیساتھ ملتے ہوئے اسکو بیع کہہ دیا گیا ہے۔ یا جیسے اجماع قائم ہوا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ یہ بیع نہیں۔ وہاں ہم نے کہا تھا اسکو عرف کی بناء پر بیع کہا تھا۔ وگرنہ حقیقتاً یہ بیع نہیں ہے۔

### ملکیت والے قول کا کیا حکم ہے؟

اور اگر ہم یہ کہیں کہ متعاطیین ملک کے قائل ہیں۔ تب بھی یہ بیع نہیں ہے۔ کیونکہ بیع وہ ہوتی ہے جس میں لزوم ہو۔ اور خیار کے بغیر جسکو نہ توڑا جاسکتا ہو۔ لہذا جب اس میں لزوم نہیں ہے تو یہ بیع ہی نہیں ہے۔ کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ اصل بیع میں لزوم ہے۔ مزید یہ معاطات عقود لازمہ سے نہیں ہے۔ لہذا یہ بیع نہیں ہے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بیع معاطات میں کسی شرط کی ضرورت نہیں ہے۔ دراصل وہ اسکی بیعیت کے قائل ہی نہیں ہیں۔



## تیسرے قول کی دلیل

تیسرے قول میں دو شقیں تھیں۔ اگر ملکیت کے قائل ہیں تو شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر اباحت کے قائل ہیں تو شرائط کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

فرماتے ہیں جو اباحت کے قائل ہیں۔ وہ یشہد للثانی کے بعد جو کچھ کہا ہے۔ وہ اس پر منطبق کر لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بیع ہی نہیں ہے۔ اور اگر آپ ملکیت کے قائل ہیں تو یشہد لاول میں جو کچھ ذکر کیا ہے۔ اسکو منطبق کر لیں۔ اور کہیں کہ ماسوائے صیغہ؛ باقی شرائط اسمیں مفید ہیں۔ بہر حال تیسرا قول پہلے اور دوسرے قول کا جامع ہے۔

## احتمال دیگر

فرماتے ہیں کہ ایک اور احتمال بھی ہو سکتا ہے۔ (یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس احتمال کو قول رابع قرار دیں۔) کہ اگر کوئی شرط ایسی ہو جسکا اعتبار من النص ہے۔ وہ شرط حتماً پائی جانی چاہئے۔ اسکو ہم بیع عرفی پر حمل کریں گے۔ اور اگر کوئی شرط ایسی ہو کہ جسکا اعتبار اجماع کی وجہ سے ہوا ہے تو چونکہ عقد لازم کے بغیر بیع نہیں ہوتی۔ لہذا ہم یہ کہیں گے کہ یہ بیع نہیں ہے۔ لہذا اسکے لئے شرائط کا ہونا بھی ضروری ہے۔

## مختار مؤلف

فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک پہلا قول خالی از قوت نہیں۔ یہ معاطات بیع بھی ہے۔ ملکیت کا فائدہ بھی دیتی ہے۔ لازم بھی ہے۔ اور ماسوائے صیغہ تمام شرائط کا اسمیں ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اسکو عرفاً بھی بیع کہتے ہیں اور شرعاً بھی۔

کوئی شخص کہتا ہے کہ اباحت کی صورت میں یہ کس طرح بیع ہوگی؟



فرماتے ہیں اباحت کی صورت میں بھی صیغہ کے علاوہ باقی شرائط کا اسمیں ہونا ضروری ہے۔ لہذا اگر فقط صیغہ نہ ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

**شہید نے معاطات میں بعض شروط کے معتبر ہونے کی نفی کی ہے۔**

لیکن شیخنا العلامة فرماتے ہیں کہ میں نے پہلا قول اختیار تو کر لیا ہے۔ لیکن شہید صاحب کہتے ہیں کہ معاطاة کے ذریعے آپکو جو مال ملے۔ اسکو زکوٰۃ، خمس اور قربانی کی قیمت کیلئے استعمال نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ دوسری عین تلف نہ ہو جائے۔

مزید شہید صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ ثمن اور مٹمن معاطات میں مجہول ہو سکتی ہیں۔ اجل بھی مجہول ہو سکتی ہے۔ اگر لونڈی کو اس مال سے خریدیں تو قبل ثمن اس سے جماع نہیں ہو سکتا۔ گویا ان شرائط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہید کے نزدیک یہ بیع ہی نہیں ہے۔

اس طرح شہید صاحب باب الصرف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ بیع معاطات کریں تو وہاں تقابض شرط نہیں ہے۔ حالانکہ نقدین (سونا و چاندی) کی بیع میں تقابض شرط ہوتا ہے۔ لہذا ان تمام چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید صاحب کے نزدیک یہ بیع ہی نہیں ہے۔

**شہید کے قول پر اشکال**

فرماتے ہیں کہ درحقیقت شہید، اسلئے یہ تمام چیزیں کہہ رہے ہیں۔ چونکہ معاطات ملکیت کا فائدہ نہیں دیتی تو پھر ملکیت کی جتنی شرائط ہیں انکا ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ گویا کم از کم اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام شرائط کیساتھ ملکیت اور لزوم کا تصور بھی ضروری ہے۔ لہذا ملکیت اور لزوم کا تصور کریں گے تو مفید ملک اور مفید لزوم بھی بنے گی۔ وگرنہ بیع ہی نہ ہوگی۔

بہر حال شہید صاحب کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسمیں تمام چیزیں معتبر ہیں کہ ثمن، مٹمن، تقابض سب کچھ ہونا چاہئے۔ اگر اسمیں کوئی نقص ہے تو وہ فقط اسکا عدم الصیغہ ہونا ہے۔



# چھبیسواں درس

آیا معاطات ربا میں جاری ہے؟

آیا معاطات میں خیار کا تحقق ہے یا نہیں ہے؟

دوسری تشبیہ

اگر ایک طرف سے اعطاء ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟







## چھبیسواں درس

و بما ذكرنا يظهر وجه تحريم الربا فيه أيضاً و ان خصصنا الحكم بالبيع ، بل الظاهر التحريم حتى عند من لا يراها مفيدة للملك ؛ لأنها معاوضة عرفية و ان لم تفد الملك ، بل معاوضة شرعية ، كما اعترف بها الشهيد (رحمة الله) في موضع من الحواشي ، حيث قال انّ المعاطاة معاوضة مستقلة جائزة ، أو لازمة ؛ انتهى-

و لو قلنا: بأنّ المقصود للمتعاطين الاباحة لا الملك ، فلا يبعد أيضاً جريان الربا ، لكونها معاوضة عرفاً ؛ فتأمل-

و أمّا حكم جريان الخيار فيها قبل الزوم ، فيمكن نفيه على المشهور ؛ لأنها اباحة عندهم ، فلا معنى للخيار - و ان قلنا : بافادة الملك ، فيمكن القول بثبوت الخيار فيه مطلقاً ، بناءً على صيرورتها بيعاً بعد اللزوم ، كما سيأتى عند تعرّض الملزمات ، فالخيار موجودٌ من زمان المعاطاة ، إلا أنّ أثره يظهر بعد اللزوم ، و على هذا فيصحّ اسقاطه و المصالحة عليه قبل اللزوم - و يحتمل أن يفصل بين الخيارات المختصة بالبيع ، فلا تجرى ؛ لاختصاص أدلتها بما وضع على اللزوم من غير جهة الخيار ، و بين غيرها كخيار الغبن و العيب بالنسبة الى الردّ دون الأرش ، فتجربى ؛ لعموم أدلتها-

و أما الحكم الخيار بعد اللزوم ، فسيأتى بعد ذكر الملزمات-

الامر الثاني: أنّ المتيقّن من مورد المعاطاة ، هو حصول التعاطى فعلاً من



الطرفين ، فالملك أو الاباحة في كلٍّ منهما بالاعطاء ، فلو حصل الاعطاء من جانب واحد لم يحصل ما يوجب الاباحة الآخر أو ملكيته ، فلا يتحقق المعاوضة و لا الاباحة رأساً ؛ لأنّ كلّاً منهما ملك أو مباح في مقابل ملكية الآخر أو اباحته .

الآن الظاهر من جماعة من متأخري المتأخرين تبعاً للشهيد في الدروس : جعله من المعاطاة- و لا ريب أنه لا يصدق معنى المعاطاة، لكن هذا لا يقدر في جريان حكمها عليه ؛ بناءً على عموم الحكم لكل بيع فعليّ ، فيكون قباض أحد العوضين من مالكة تمليكاً له بعوضٍ أو مبيعاً له به، و أخذ الآخر له تملكاً له بالعوض أو اباحةً له بازائه- فلو كان المعطى هو الثمن كان دفعه على القول بالملك و البيع اشتراءً، و أخذه بيعاً للمثمن به، فيحصل الايجاب و القبول الفعليان بفعل واحد في زمان واحد- ثمّ صحّة هذا على القول بكون المعاطاة بيعاً مملّكاً واضحةً ؛ اذ يدلّ عليها ما دلّ على صحّة المعاطاة من الطرفين، و أمّا على القول بالاباحة فيشكل بأنّه بعد عدم حصول الملك بها لا دليل على تأثيرها في الاباحة؛ اللهمّ إلا أن يدعى قيام السيرة عليها كقيامها على المعاطاة الحقيقية-

و ربما يدعى انعقاد المعاطاة بمجرد ايصال الثمن و أخذ المثمن من غير صدق اعطاء أصلاً ، و فضلاً عن التعاطى ؛ كما تعارف أخذ الماء مع غيبة السقاء ، و وضع الفلّس في المكان المعدّ له اذا علم من حال السقاء الرضا بذلك ؛ و كذا غير الماء من المحقّرات كالخضروات و نحوها ؛ و من هذا القبيل الدخول في الحمام و وضع الاجرة في كوز صاحب الحمام مع غيبته-

فالمعيار في المعاطاة: وصول العوضين أو أحدهما مع الرضا بالتصرف ؛ و



يظهر ذلك من المحقق الأردبيلي (رحمه الله) أيضاً في مسألة المعاطة، و سيأتي توضيح ذلك في مقامه ان شاء الله۔

ثم انه لو قلنا بأن اللفظ الغير المعبر في العقد كالفعل في انعقاد المعاطة، أمكن خلو المعاطة من الاعطاء و الايصال رأساً، فيتقاولان على مبادلة شئ بشئ من غير ايصال؛ و لا يبعد صحته مع صدق البيع عليه بناءً على الملك، و أما على القول بالاباحة فالاشكال المتقدم هنا أكد۔

## ترجمہ

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے معاطات میں ربا کی حرمت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اگرچہ حرمت ربا کا حکم بیع کیساتھ خاص ہے۔ بلکہ علی الظاہر ربا اس معاطات میں بھی حرام ہے جو اسے مفید ملک نہیں سمجھتا۔ کیونکہ معاطات معاوضہ عرفیہ ہے۔

اگر مفید ملک نہ ہو۔ بلکہ معاوضہ شرعیہ ہو۔ جیسا شہیدؒ نے بھی کسی حاشیے میں اس کا اس طرح اعتراف کیا ہے کہ معاطات معاوضہ مستقلہ ہے۔ یا باعنوان جائزہ ہے یا لازمہ۔ (اختتام کلام مرحوم شہیدؒ) (۱) اور اگر ہم کہیں کہ طرفین کا مقصد و اباحت ہے ملک نہیں ہے۔ اس وقت بھی ربا کا جاری ہونا بعید نہیں ہے کیونکہ یہ عرفاً معاوضہ ہے۔ فتاؤل۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ معاطات میں لزوم سے پہلے خیار کا حکم جاری ہوتا ہے یا نہیں۔ تو ممکن ہے کہ مشہور کے قول کے مطابق کہا جائے کہ حکم خیار جاری نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے



نزدیک یہ اباحت ہے۔ لہذا اختیار کا کوئی معنی نہیں۔ لیکن اگر ہم کہیں کہ معاطات مفید ملک ہے تو ممکن ہے اس وقت مطلقاً ثبوتِ اختیار کا کہیں۔ اس بناء پر کہ لزوم کے بعد معاطات، بیع بن گئی ہے (جیسا کہ عنقریب ملزومات کی بحث میں اسکا تذکرہ کریں گے) پس اختیار، معاطات کے زمانے سے ہی موجود تھا مگر اس کا اثر لزوم کے بعد ظاہر ہوا ہے۔ لہذا اس بناء لزوم سے پہلے اسکا اسقاط بھی صحیح ہے اور اس پر مصالحت بھی ہو سکتی ہے۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ اسکی تفصیل دی جائے کہ جو اختیارات بیع کے ساتھ مختص ہیں وہ تو جاری نہیں ہونگے کیونکہ جہتِ اختیار سے ہٹ کر انکی ادلہ بیع کیساتھ مختص ہیں۔ اور جو اختیار اسکے علاوہ ہیں جیسے اختیار غبن اور اختیار عیب (فقط رد کی صورت میں نہ کہ جرمانے کی صورت میں)۔ یہاں اختیار جاری ہوگا کیونکہ ادلہ عام ہیں۔ اور جہاں تک لزوم کے بعد حکمِ اختیار کا تعلق ہے تو ملزومات کے تذکرے کے بعد اسے ذکر کیا جائے گا۔

### دوسرا امر:

مورد معاطات میں اتنی بات یقینی ہے کہ طرفین سے لینا اور دینا صادق آئے۔ لہذا ملکیت یا اباحت دونوں چیزیں عطا کرنے سے حاصل ہونگیں۔ پس اگر صرف ایک طرف سے چیز عطا ہو تو یہ دوسرے کیلئے موجب اباحت یا ملکیت نہ ہوگی۔ اس وقت نہ تو معاوضہ متحقق ہے۔ اور نہ کلی طور پر اباحت۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں دوسرے کی ملکیت اور اباحت کی صورت میں؛ ملک یا مباح تھیں۔ البتہ متأخرین کی ایک جماعت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے شہید اول کی اتباع کی ہے کہ شہید نے کتاب دروس (۱) میں ایک طرف کے اعطاء کرنے کو بھی معاطات سے شمار کیا ہے۔ اس میں تو کوئی



شک نہیں یکطرفہ عطاء پر معنی معاطات صادق نہیں آتا۔ لیکن یہ اس سے بھی مانع نہیں ہے کہ اس پر معاطات کا حکم جاری کیا جائے۔ البتہ یہ تب ہو سکے گا جب معاطات کے حکم کو تعمیم دیں اور کہیں کہ ہر بیع فعلی معاطات ہے۔ پس اس صورت میں جب مالک عوضین میں سے ایک عوض قبضے میں دے دے تو فقط یہ اقباض ہی (عوض کے مقابلے میں) اباحت شمار ہوگا۔

اسی طرح دوسری طرف بھی مقابل والے شخص کا اسے قبضے میں لے لینا ہی (عوض کے مقابلے میں) ملکیت اور (عوض کے مقابلے میں) اباحت شمار ہوگا۔ لہذا اگر دیا گیا مال ثمن ہو تو (بناء پر قول ملکیت) اسکا دینا ہی خریداری شمار ہوگا۔ اور بیچنے والے کے ہاتھ سے اسکا لے لینا، بیع شمار ہوگا۔ لہذا اس ایک فعل کے وسیلے سے، ایک ہی زمانے میں ایجاب و قبول فعلی حاصل ہو رہا ہے۔

اس قول کی بناء پر کہ معاطات بیع ہے اور موجب ملکیت ہے اسکی (عطاء یکطرفہ) صحت واضح ہے۔ چونکہ اس پر بھی وہی دلیلیں دلالت کرتی ہیں جو طرفین کے لینے دینے پر کرتی تھیں۔ لیکن بناء بر قول اباحت، اسکا صحیح ہونا مشکل ہے۔ کیونکہ جب ملکیت ہی حاصل نہیں ہوئی ہے تو پھر اباحت میں اسکی تاثیر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔ مگر یہ کہ ہم یکطرفہ اعطاء پر بھی اسی سیرہ کے قیام کا دعویٰ کریں جو حقیقی معاطات میں قائم ہے۔

کبھی یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ فقط ثمن کے پہنچانے اور ثمن کے اخذ کرنے سے بھی معاطات محقق ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اصلاً اعطاء صادق ہی نہ آتا ہو۔ چہ جائیکہ تعاطی اور لینا دینا۔ جیسا کہ معمولاً ایسا ہوتا ہے اگر سقاء نہ ہو تو پانی لے لیا جاتا ہے اور اسکی مخصوص جگہ پر پیسے رکھ دیئے جاتے ہیں۔ (اس صورت میں جب سقاء کی رضایت معلوم ہو) اسی طرح پانی کے علاوہ دوسری چھوٹی چھوٹی چیزوں مثلاً سبزی وغیرہ کی دوکان پر بھی ایسا کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح حمام میں جا کر نہانا اور مالک کی عدم موجودگی میں اسکے برتن میں پیسے رکھ دینا بھی اسی قسم سے ہے۔



پس معاطات میں یہ معیار ہوا کہ عوضین یا کسی ایک عوض کو وصول کرنے اور طرف کی رضایت کے بعد اسمیں تصرف کرنا درست ہے۔ یہی بات محقق اردبیلی<sup>(۱)</sup> کے مسئلہ معاطات میں بیان کردہ کلام سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ (انشاء اللہ اپنے مقام پر اسکی وضاحت بھی آجائے گی)۔

پھر اگر ہم کہیں کہ عقد میں غیر معتبر لفظ بھی انعقاد معاطات میں فعل کی طرح ہے۔ تو ممکن ہے کہ معاطات میں اصلاً اعطاء اور ایصال کی ضرورت ہی نہ رہے۔ پس ایک چیز کا دوسری چیز کے تبادلے کے حوالے سے گفتگو کرنا ہی معاطات کیلئے کافی ہوگا اور ایصال کی بھی ضرورت نہیں ہوگی؛ بنا برقول ملکیت، بعید نہیں ہے کہ جب اس پر بیع صادق آرہی ہو تو ہم اسکی صحت کا کہیں۔ البتہ بناء برقول اباحت، گذشتہ اشکال زیادہ شدت کیساتھ یہاں بھی وارد ہوگا۔

## حل عبارات

قولہ: و بما ذکرنا: سے مراد دلیل اول یعنی؛ لانہا بیع عرفی؛ ہے۔ قولہ: وجہ  
 تحریم الرباء فیہ:؛ فیہ: کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: و ان خصصنا الحکم:؛ حکم: سے مراد حکم تحریم رباء ہے۔  
 قولہ: لا یراھا مفیدة للملک:؛ لا یراھا: میں ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: لانہا معاوضة عرفیة:؛ لانہا: کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: کما اعترف بها الشہید رحمة اللہ علیہ:؛ بہا: کی ضمیر معاطات کے معاوضہ  
 عرفیہ ہونے کی طرف لوٹ رہی ہے۔

(۱) مجمع الفائدة والبرہان ۸: ۱۳۳



- قولہ: جریان الخيار فيها:؛ فيها؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: بثبوت الخيار فيه مطلقاً: کلمہ؛ مطلقاً؛ یعنی خواہ قبل اللزوم اور خواہ بعد اللزوم۔
- قولہ: و علی هذا: مثلاً الیہ؛ ہذا؛ ثبوت خيار بطور مطلق ہے۔
- قولہ: فیصح اسقاطہ: چونکہ اسقاط مالم یجب نہیں ہے۔
- قولہ: و المصالحة علیه: چونکہ صلح بدون عوض شمار نہیں ہوتی۔
- قولہ: دون الارش: چونکہ اخذ ارش بیع کیساتھ مختص ہے۔
- قولہ: لعموم ادلتها: چونکہ ایسے خیارات میں قاعدہ لاضرر کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کا باب بیع سے عدم اختصاص واضح ہے۔
- قولہ: فی کل منہما بالاعطاء:؛ منہما؛ کی ضمیر طرفین کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: لان کلاً منہما ملک:؛ منہما؛ کی ضمیر عوضین کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: و لا ریب انہ لا یصدق معنی المعاطات:؛ انہ؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔
- قولہ: لکن هذا لا یقدح الخ: مثلاً الیہ؛ ہذا؛ عدم صدق معنی المعاطاة ہے۔
- قولہ: فی جریان حکمها علیہ:؛ حکمها؛ کی ضمیر معاطات کی طرف اور؛ علیہ؛ کی ضمیر اعطاء یک طرفی کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: تمليکاً له بعوض:؛ له؛ کی ضمیر احد العوضین کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: او مبیحاً له به:؛ له؛ کی ضمیر احد العوضین کی طرف اور؛ به؛ کی ضمیر عوض کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: واخذ الآخر له:؛ له؛ کی ضمیر احد العوضین کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: تملکاً له:؛ له؛ کی ضمیر احد العوضین کی طرف لوٹ رہی ہے۔



قولہ: اباحۃ له بازائه: ؛ لہ؛ کی ضمیر احد العوضین کی طرف اور؛ بازاء؛ کی ضمیر عوض کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فلو كان المعطى: کلمہ؛ معطی؛ صیغہ اسم مفعول ہے۔

قولہ: ثم صحة هذا: مشاڑ الیہ؛ ہذا؛ یعنی وہ معاطات، جسمیں اعطاء یک طرفہ ہے۔

قولہ: بانه بعد عدم حصول الملك بها: ؛ بانه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے اور؛ بہا؛

کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: قيام السيرة عليها كقيامها الخ: ؛ علیہا؛ کی ضمیر ایسی معاطات کی طرف لوٹ

رہی ہے کہ جس میں اعطاء یک طرفہ ہے۔

قولہ: في المكان المعد له: ؛ لہ؛ کی ضمیر وضع الفلوس کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: الرضا بذلك: مشاڑ الیہ؛ ذلک؛ وضع الفلوس ہے۔

قولہ: و يظهر ذلك من المحقق الاردبیلی: مشاڑ الیہ؛ ذلک؛ کون المعیار فی

المعاطاه ووصول العوضین ہے۔

قولہ: ثم انه لو قلنا: ؛ انه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔

قولہ: ان اللفظ غير المعبر: لفظ معتبر سے مراد؛ بعت؛ اور اس کے مشابہ جبکہ غیر معتبر

سے مراد اسکے علاوہ ہیں جیسے بیع اور امثال آن۔

## وضاحت

کیا معاطات ربا میں جاری ہے؟

شیخنا العلامة نے پہلے قول کو اختیار کیا تھا۔ اس قول کے اختیار کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ



عقد معاوضہ میں ربا حرام ہوگا یا ربا حرام نہیں ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہم نے ربا کا حکم بیع کیساتھ مختص کیا ہے۔ تب بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ معاوضہ میں بھی ربا کا تحقق یقیناً ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص معاوضہ کو مفید ملک نہیں سمجھتا تب بھی ربا کا تحقق ہو جائے گا۔ کیونکہ عرف معاوضہ کو تسلیم کرتا ہے۔ بلکہ یہ معاوضہ شرعیہ ہے۔ جس کا اقرار شہید ثانی نے بھی کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ معاوضہ مستقلہ ہے۔ جائزہ بھی ہو سکتا ہے اور لازمہ بھی۔ لہذا چونکہ معاوضہ عرفاً اور شرعاً معاوضہ ہے۔ بیع میں جس طرح ربا حرام تھا، اسی میں بھی اس طرح حرام ہوگا۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مقصود متعاطین اباحت ہے۔ ملک نہیں ہے تو اس صورت میں بھی ربا کا حکم جاری ہوگا۔ کیونکہ اباحت کی صورت میں عرفاً معاوضہ کو معاوضہ کہتے ہیں۔

### آیا معاوضہ میں خیار کا تحقق ہے یا نہیں؟

فرماتے ہیں کہ اگر ہم اباحت کے قائل ہو جائیں تو خیار نہیں ہوگا۔ ملک کی صورت میں خیار ہوگا۔ لیکن اس کے اثرات اس وقت ظاہر ہونگے جب ایک طرف تلف ہو جائے۔ یعنی بعد از لزوم اثرات خیار مترتب ہونگے۔ لیکن معاوضہ کے وقت خیار متحقق ہو جائے گا۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خیار دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض کا تعلق بیع کیساتھ ہوتا ہے اور بعض کا بیع کیساتھ تعلق نہیں ہوتا۔ جن کا تعلق بیع کیساتھ ہے۔ ان خیارات کو متحقق نہیں ہونا چاہئے۔ فرماتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں خیارات جاری ہو سکتے ہیں۔

### دوسری تشبیہ: اگر ایک طرف سے اعطاء ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

معاوضہ کیسے کہتے ہیں؟

فرماتے ہیں کہ معاوضہ کا تحقق اس وقت ہوگا جب دینے والا دے اور لینے والا لے۔ یعنی



دو طرفہ ہوتی یہ معاطات ہوگی۔ اور اس پر معاطات کے احکامات جاری ہونگے۔

سوال یہ ہے کہ آپ نے قیمت دی ہے۔ لیکن اس نے مال بعد میں دینا ہے۔ آیا یہ معاطات ہے یا نہیں؟

فرماتے ہیں کہ بعید نہیں کہ یہ بھی معاطات ہو۔ کیونکہ سیرت ایک طرف کو بھی معاطات سمجھتی ہے۔

معارض کہتا ہے آپ نے کہا ہے کہ معاطات دو طرفہ ہوتی ہے۔ اور یہاں ایک طرف ہے؟ فرماتے ہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سوال یہ ہے کہ ایک طرف سے معاملہ ہو گیا ہے۔ اور دوسری طرف آدمی ہی نہیں ہے۔ آیا یہ معاطات ہے یا نہیں؟ مثلاً پانی پینے گیا ہے۔ پانی پی لیا ہے۔ پیسے رکھ دیئے ہیں۔ یا حمام میں غسل کیا اور صندوقچی میں پیسے ڈال دے۔

فرماتے ہیں یہ بھی معاطات ہے۔ اور اگر دونوں طرف سے بالکل تعاطی (لینا، دینا) نہ ہو۔ لیکن اسکے پاس مال اور دوسرے کے پاس پیسے پہنچ گئے ہیں تو یہ بھی معاطات ہے۔ مثلاً جگہ بنی ہوئی ہے۔ وہاں پیسے ڈال دیں تو مشروب مل جاتا ہے وغیرہ۔ یہ سب معاطات ہیں۔



# ستائیسواں درس

تیسری تنبیہ

معاطات فعلی میں بائع مشتری سے کیسے ممتاز ہوگا؟

معاطات میں عوضین کی مختلف حالتیں







## سْتَا نَيْسْوَاں دَرَس

الأمر الثالث: تميّز البائع من المشتري في المعاوضة الفعلية مع كون أحد العوضين ممّا تعارف جعله ثمناً كالدراهم و الدينانير و الفلوس المسكوكة ، واضح؛ فإنّ صاحب الثمن هو المشتري ما لم يصرّح بالخلاف.

و أمّا كون العوضين من غيرها ، فالثمن ما قصدا قيامه مقام الثمن في العوضيّة ؛ فاذا أعطى الحنطة في مقابل اللحم قاصداً أنّ هذا المقدار من الحنطة يساوي درهماً ، هو ثمن اللحم، فيصدق عرفاً أنّه اشترى اللحم بالحنطة ، و اذا انعكس انعكس الصدق؛ فيكون المدفوع بنية البدلية عن الدرهم و الدينار هو الثمن ، و صاحبه هو المشتري.

و لو لم يلاحظ الاّ كون أحدهما بدلاً عن الآخر من دون نية قيام أحدهما مقام الثمن في العوضيّة ، أو لو حظ القيمة في كليهما - بأن لو حظ كون المقدار من اللحم بدرهم ، و ذلك المقدار من الحنطة بدرهم فتعاطياً من غير سبق مقابله تدلّ على كون أحدهما بالخصوص بائعاً - ففي كونه بيعاً و شراءً بالنسبة الى كلّ منهما ؛ بناءً على أنّ البيع لغةً كما عرفت: مبادلة مالٍ بمالٍ ، و الاشتراء: ترك شيء و الأخذ بغيره، كما عن بعض أهل اللغة ، فيصدق على صاحب اللحم: انه باعه بحنطة و أنه اشترى الحنطة، فيحنت لو حلف على عدم بيع اللحم و عدم شراء الحنطة - نعم لا يترتب عليهما أحكام البائع و لا المشتري؛ لانصرافهما في ادلة تلك الأحكام الى من اختصّ



بصفة أو الشراء ، فلا يعم من كان في معاملة واحدة مصداقاً لهما باعتبارين۔  
 أو كونه بيعاً بالنسبة الى من يعطى أولاً ؛ لصدق الموجب عليه ، و شراءً  
 بالنسبة الى الآخذ؛ لكونه قابلاً عرفاً۔ أو كونها معاطاةً مصالحة ؛ لأنها بمعنى التسالم  
 على شئ ، و لذا حملوا الرواية الواردة في قول أحد الشريكين لصاحبه: ((لك ما عندك  
 ولى ما عندي)) على الصلح۔

أو كونها معاوضةً مستقلة لا يدخل تحت العناوين المتعارفة ، وجوة۔  
 لا يخلو ثانيهما عن قوة؛ لصدق تعريف البائع لغةً و عرفاً على الدافع أولاً ،  
 دون الآخر ، و صدق المشتري على الاخذ أولاً ، دون الآخر ، فتدبر۔

## ترجمہ

### تیسرا امر:

معاطات فعلی میں بائع کون ہے؟ اور مشتری کون؟

البتہ اگر عوضین میں سے کوئی ایک (معمول کے مطابق) درہم، دینار اور رانج سکوں میں  
 سے بعنوان ثمن ہو تو یہاں واضح طور پر معلوم ہے کہ مشتری کون ہے؟ اور بائع کون؟ کیونکہ جب تک  
 اس کے خلاف تصریح نہ ہو تو صاحب ثمن مشتری ہوتا ہے۔

اور اگر عوضین درہم و دینار وغیرہ نہ ہوں تو ثمن وہی ہوگا جسکا عوضیت میں ثمن کے قائم مقام  
 ہونے کا قصد کیا گیا ہے۔ پس اگر وہ گوشت کے مقابلے میں گندم دے اور یہ قصد رکھتا ہو کہ اتنی مقدار  
 میں گندم ایک درہم کے مساوی ہوتی ہے تو یہ گندم، گوشت کیلئے ثمن بن جائے گی۔ تو عرفاً اس پر



صادق آئے گا کہ اس نے گندم کے بدلے میں گوشت خریدا ہے۔ اور اگر یہ برعکس ہو تو صدق بھی برعکس ہو جائے گا۔ پس اگر چیز اس نسبت کیسا تھ دی جائے کہ یہ درہم و دینار کے بدلے میں ہے تو وہ ثمن ہوگی اور اسکا مالک مشتری کہلائے گا۔

اور اگر اس کا لحاظ نہ کیا جائے اور یہ نیت نہ کی جائے کہ ان میں سے ایک ثمن کے قائم مقام ہے بلکہ اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے بدلے میں ہیں۔ یا دونوں میں قیمت کا لحاظ تو کیا جائے۔ یعنی یہ لحاظ کیا جائے کہ گوشت ایک درہم کی مالیت کا ہے۔ اور اتنی مقدار گندم بھی ایک درہم کی ہے۔ لیکن طرفین کوئی ایسی بات کیئے بغیر کہ جس سے پتہ چلے کہ یہ بائع ہے؛ لین دین کر لیتے ہیں۔ (تو یہاں چار احتمال ہیں)۔

(۱) دونوں کی نسبت سے بیع بھی ہوگی اور شراء بھی۔ اس بناء پر (جیسا کہ آپ جان چکے ہیں) کہ لغت میں بیع سے مراد مال کا مال سے تبادلہ ہے۔ اور شراء سے مراد ایک چیز کو دے کر اسکے علاوہ کوئی اور چیز لینا ہے۔ جیسا کہ بعض اہل لغت کا بھی یہی خیال ہے (۱) لہذا گوشت کے مالک پر یہ صادق آتا ہے کہ اس نے گوشت کو گندم کے بدلے میں بیچا اور یہ بھی صادق آتا ہے کہ اس نے گندم کو گوشت کے بدلے میں خریدا۔ اگر صاحب گوشت نے قسم کھائی ہوتی کہ وہ گوشت نہیں بیچے گا اور گندم نہیں خریدے گا تو اس صورت میں اس نے قسم کی مخالفت کی ہے۔

البتہ ان دونوں پر بائع اور مشتری کے احکام نہیں آئیں گے۔ کیونکہ ان احکام کی وہ ادلہ جو صفت بیع یا شراء کیساتھ مختص ہیں؛ ان دونوں سے منصرف ہیں۔ پس اس ایک معاملہ (جس کے دو علیحدہ اعتبار اور لحاظ ہوں) کی وجہ سے یہ اس کا مصداق بن رہی ہو تو وہاں یہ ادلہ شامل نہیں ہیں۔

(۱) قاموس المحیط للفرز آبادی ۲: ۷۰۷



(۲) یا جس نے پہلے چیز دی ہے اسکی نسبت سے بیع ہوگی۔ کیونکہ اس پر موجب کا عنوان صادق آتا ہے۔ اور لینے والے کی نسبت سے شراء ہوگی۔ کیونکہ عرفاً یہی قابل ہے۔ (بہر حال موجب بائع اور قابل مشتری ہوتا ہے)

(۳) یا یہ معاملہ صلح معاطاتی ہے۔ کیونکہ صلح کا معنی کسی چیز پر توافق کرنا ہے۔ لہذا وہ روایت جو شرکت کے مال کی تقسیم کے حوالے سے بیان ہوئی ہے (جسمیں ایک شریک اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ جو تیرے پاس ہے وہ تیرا اور جو میرے پاس ہے وہ میرا) اسکو صلح پر حمل کریں گے۔

(۴) یہ معاملہ، معاملہ مستقل ہے۔ کسی بھی متعارف عنوان کے تحت داخل نہیں ہے۔ یہ اس مسئلہ کی چند وجوہات تھیں۔

دوسری وجہ قوت سے خالی نہیں ہے کیونکہ لغت اور عرف میں پہلے دینے والے پر بیع کی تعریف صادق آتی ہے نہ کہ دوسرے پر۔ اسی طرح پہلے لینے والے پر مشتری کا عنوان صادق آتا ہے نہ کہ بعد والے پر۔ پس تدبر کریں۔

## حل عبارات

قولہ: ما لم یصرّح بالخلاف: تصریح بخلاف جیسے کہے: اس درہم کو بیچتا ہوں بکذا۔

قولہ: انه اشتری اللحم الخ: ؛ انه؛ کی ضمیر صاحب حطہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: انه باعه بحنطة: ؛ انه؛ کی ضمیر صاحب اللحم کی طرف لوٹ رہی ہے اور؛ باعه؛ میں

ضمیر منصوبی لحم کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و انه اشتری الحنطة: ؛ انه؛ کی ضمیر صاحب اللحم کی طرف لوٹ رہی ہے۔



قولہ: مصداقاً لهما: ؛ لهما؛ کی ضمیر بائع و مشتری کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: لانها بمعنی التسالم: ؛ لانها؛ کی ضمیر مصالحہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

## وضاحت

تنبیہ ثالث: معاطات فعلی میں بائع مشتری سے کیسے ممتاز ہوگا؟

ہر بیع میں ایک خریدار ہوتا ہے۔ اور ایک بیچنے والا ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ معاطات فعلیہ میں مشتری کون ہوگا؟ اور بائع کون ہوگا؟

معاطات میں عوضین کی مختلف حالتیں:

اگر ایک طرف سے رقم دی جا رہی ہے تو رقم دینے والا خریدار ہوگا۔ اور چیز دینے والا بائع

ہوگا۔

لیکن اگر دونوں طرف سے چیز دی جا رہی ہے تو اسوقت کس طرح پتہ چلے گا کہ بائع کون

اور مشتری کون؟

فرماتے ہیں کہ اسوقت اس نیت کی وجہ سے تعین کیا جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی آدمی کہتا ہے کہ

میں آپکو گوشت دے رہا ہوں۔ یہ اتنی قیمت کا ہے۔ اسکے مقابلے میں آپ سے گندم خرید کر رہا

ہوں۔ جب وہ قیمت کا کہہ رہا ہے تو یہ مشتری سمجھا جائے گا۔

یا مثلاً دونوں کہیں کہ میں گوشت دے رہا ہوں۔ یہ اتنی قیمت کا ہے۔ اور دوسرا کہے میں

گندم دے رہا ہوں۔ اور یہ اتنی قیمت کی ہے۔ اسوقت واضح نہیں ہو سکے گا کہ مشتری کون ہے اور

بائع کون ہے؟



آیا اس وقت دونوں کو بائع کہا جاسکتا ہے؟ اس طرح کیا کو دونوں کو مشتری کہا جاسکتا ہے

یا نہیں۔

اسکی چار صورتیں ہیں۔

(۱) دونوں بائع ہونگے اور دونوں مشتری ہونگے۔

(۲) جو پہلے دے رہا ہے، وہ بائع ہے۔ اور جو بعد میں دے رہا ہے، وہ مشتری ہے۔

(۳) معاطات اصل میں مصالحت کی ایک قسم ہے۔ بیع نہیں ہے۔

(۴) یہ مصالحت مستقلہ ہے۔ کسی پہلی چیز کیساتھ اسکا کوئی تعلق نہیں۔

شیخنا العلامة ارشاد فرماتے ہیں کہ قول ثانی نسبتاً بہتر ہے۔ یعنی جو پہلے دے گا وہ بائع ہوگا

اور جو بعد میں دے گا وہ مشتری ہوگا۔



# اٹھائیسواں درس

## چوتھی تنبیہ

طرفین کے قصد کی صورت میں معاطات کی اقسام

(۱) مال کے بدلے میں مال کی تملیک

(۲) ایک دوسرے کی تملیک

(۳) عوض کے بدلے میں مال کی اباحت

(۴) اباحت کے بدلے میں اباحت

آخری دو قسموں پر اشکال

کیا ما نحن فیہ اعتق عبدک عنی جیسا ہو







## اٹھائیسواں درس

الامر الرابع: أنّ أصل المعاطاة و هي اعطاء كلّ منهما الآخر ماله، يتصور بحسب قصد المتعاطين على وجوهٍ-

أحدهما أن يقصد كلّ منهما تمليك ماله بمالٍ الآخر، فيكون الآخر في أخذه قابلاً و متملكاً بازاء ما يدفعه، فلا يكون في دفعه العوض انشاء تمليك، بل دفع لما التزمه على نفسه بازاء ما تملكه، فيكون الايجاب والقبول بدفع العين الأولى و قبضها، فدفع العين الثانية خارج عن حقيقة المعاطاة؛ فلو مات الآخذ قبل دفع ماله، مات بعد تمام المعاطاة-

و بهذا الوجه صحّحنا سابقاً عدم توقّف المعاطاة على قبض كلا العوضين، فيكون اطلاق المعاطاة عليه من حيث حصول المعاملة فيه بالاعطاء دون القول، لا من حيث كونها متقوّمةً بالاعطاء من الطرفين-

و مثله في هذا الاطلاق: لفظ المصالحة و المساقاة و المزارعة و المؤاجرة و غيرها، و بهذا الاطلاق يستعمل المعاطاة في الرهن و القرض و الهبة- و ربّما يستعمل في المعاملة الحاصلة بالفعل و لو لم يكن اعطاء، و في صحته تأمّل-

ثانيهما أن يقصد كلّ منهما تمليك الآخر ماله بازاء تمليك ماله آياه، فيكون



تمليك بازاء تمليك فالمقابلة بين التملكين لا الملكين ، والمعاملة متقومة بالعطاء من الطرفين فلو مات الثاني قبل الدفع لم يتحقق المعاطاء-

و هذا بعيد عن معنى البيع و قريب الى الهبة المعوضة؛ لكون كل من المالكين خالياً عن العوض- لكن اجراء حكم الهبة المعوضة عليه مشكل؛ اذ لو لم يملكه الثاني هنا لم يتحقق التمليك من الأول ، لانه انما ملكه بازاء تمليكه ، فما لم يتحقق تمليك الثاني لم يتحقق تملكه ، الا ان يكون تمليك الآخر له ملحوظاً عند تمليك الأول على نحو الداعي لا العوض ، فلا يقدر تخلفه-

فالأولى أن يقال : انها مصالحة و تسالم على أمر معين ، أو معاوضة مستقلة -  
ثالثها: أن يقصد الأول اباحة ماله بعوض ، فيقبل الآخر بأخذه اياه ، فيكون الصادر من الأول : الاباحة بالعوض ، و من الثاني بقبوله لها : التمليك ، كما لو صرح بقوله : أبحث لك كذا بدرهم- رابعها: أن يقصد كل منهما الاباحة بازاء اباحة آخر ، فيكون اباحة بازاء اباحة ، أو اباحة بداعي اباحة ، على ما تقدم نظيره في الوجه الثاني من امكان تصوّره على نحو الداعي ، و على نحو العوضيّة-

و كيف كان فالاشكال في حكم القسمين الاخيرين على فرض قصد المتعاطيين- لهما ؛ و منشأ الاشكال : أولاً : الأشكال في صحة اباحة جميع التصرفات حتى المتوقفة على ملكية المتصرف ، بأن يقول : أبحث لك كل تصرف ، من دون أن يملكه العين ؛ و ثانياً : الاشكال في صحة الاباحة بالعوض الراجعة الى عقد مركب من اباحة و تمليك-

فنقول أمّا اباحة جميع التصرفات حتى المتوقفة على الملك ، فالظاهر أنها لا



تجوز؛ اذ التصرف الموقوف على الملك لا يسوغ لغير المالك بمجرد اذن المالك، فإن اذن المالك ليس مشروعاً، وإنما يمضى فيما يجوز شرعاً - فاذا كان بيع الانسان مال غيره لنفسه - بأن يملك الثمن مع خروج المبيع عن ملك غيره - غير معقول كما صرح به العلامة في القواعد، فكيف يجوز للمالك أن يأذن فيه؟

نعم يصح ذلك بأحد وجهين، كلاهما في المقام مفقود:

أحدهما: أن يقصد المبيع بقوله: ((أبحث لك أن تبيع مالي لنفسك)) أن ينشأ توكيلاً له في بيع ماله له، ثم نقل الثمن الى نفسه بالهبة، أو في نقله أولاً الى نفسه ثم بيعه أو تملكاً له بنفس هذه الاباحة، فيكون انشاء تملك له، ويكون بيع المخاطب بمنزلة قبوله؛ كما صرح في التذكرة بأن قول الرجل لمالك العبد: ((أعتق عبدك عنى بكذا)) استدعاءً لتمليكه، واعتاق المولى عنه جوابٌ لذلك الاستدعاء، فيحصل النقل و الانتقال بهذا الاستدعاء والجواب، و يقدر وقوعه قبل العتق آنأما، فيكون هذا بيعاً ضمناً لا يحتاج الى الشروط المقررة لعقد البيع-

و لا شك أنّ المقصود فيما نحن فيه ليس الاذن في نقل المال الى نفسه أولاً، و لا في نقل الثمن اليه ثانياً، و لا قصد التمليك بالاباحة المذكورة، و لا قصد المخاطب التملك عند البيع حتى يتحقق تملك ضمناً مقصوداً للمتكلم و المخاطب؛ كما كان مقصوداً و لو اجمالاً في مسألة أعتق عبدك عنى؛ و لذا عدّ العامة و الخاصة من الاصوليين دلالة هذا الكلام على التملك من الدلالة الاقتضاء التي عرفوها بأنها دلالة مقصودة للمتكلم تتوقف صحّة الكلام عقلاً أو شرعاً عليه، فمثلاً للعقل بقوله تعالى: "و اسئل القرية" وللشرعي بهذا المثال؛ و من المعلوم بحكم



الفرض أنّ المقصود فيما نحن فيه ليس إلا مجرد الاباحة۔

## ترجمہ

چوتھا امر:

لین دین میں طرفین کے قصد کے حوالے سے اصل معاطات (یعنی دونوں کا ایک دوسرے کو اپنا مال عطا کرنا) میں چند وجوہات قابل تصور ہیں۔

(۱) دونوں دوسرے کے مال کے بدلے میں اپنے مال کا مالک بنانے کا قصد رکھتے ہیں۔ لہذا دوسری طرف جب مال کو لے گئی تو وہ قابل شمار ہوگی اور جو اپنے ساتھی کو دے گی وہ مملک شمار ہوگا۔ پس اس نے عوض دیتے وقت انشاء تملیک نہیں کیا بلکہ مقابلے میں جو تملک کیا ہے۔

اسکے بدلے میں جو کچھ خود پر لازمی قرار دیا تھا، اسے ادا کیا ہے۔ لہذا پہلی عین کے دینے اور قبضے میں لینے سے ہی ایجاب و قبول ہو گیا۔ دوسری عین کا دینا حقیقت معاطات سے خارج ہے۔ بہر حال اگر مال لینے والا، مال دینے سے پہلے مر جائے تو اس کی موت معاطات انجام پانے کے بعد شمار ہوگی۔

اسی وجہ سے ہم پہلے تصحیح کر چکے ہیں کہ معاطات دونوں عوضین کے قبض پر موقوف نہیں ہے۔ پس اس پر معاطات کا اطلاق اس حیثیت سے ہوتا ہے کہ معاملہ لین دین سے حاصل ہوا ہے نہ کہ گفتگو سے۔ لہذا معلوم ہوا کہ مذکورہ معاملہ پر لفظ معاطات کا اطلاق اس عنوان سے نہیں ہے کہ طرفین کے عطا کرنے سے معاطات مقوم ہو سکتی ہو۔ اسی اطلاق کی مثل لفظ مصالحت، مساقات، مزارعہ اور مواجرہ وغیرہ ہیں۔ اور اسی اطلاق کیساتھ معاطات رہن، قرض اور ہبہ میں استعمال ہوتی



ہے۔ اور کبھی اس معاملہ کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے جو بالفعل حاصل ہو، اگرچہ اسمیں اعطانہ بھی ہو لیکن اسکے صحیح ہونے میں تامل ہے۔

(۲) اپنے مال کی تملیک کے مقابلے میں دونوں دوسرے کے مال کی تملیک کا قصد کرتے ہیں۔ پس مقابلہ دونوں تملیکوں کا ہے نہ کہ ملکین کا۔ اور طرفین کی جانب سے اعطاء کرنے کے بعد معاملہ مقوم ہوگا۔ پس اگر دوسرا مال دینے سے پہلے مر جائے تو معاطات متحقق نہ ہوگی۔

یہ معنی بیع سے تو دور ہے لیکن ہبہ معوضہ کے قریب ہے۔ کیونکہ دونوں مال عوض سے خالی ہیں۔ لیکن اس پر ہبہ معوضہ کا حکم جاری کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ جب تک دوسرا مال نہیں بنائے گا تو پہلے کی تملیک متحقق نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے تو فقط تملیک کے بدلے میں اسے مالک قرار دیا تھا۔ جب دوسرے کی تملیک متحقق نہیں ہوئی تو اسکا تملک بھی متحقق نہیں ہوا۔

البتہ اگر پہلے کی تملیک کے وقت دوسرے کی تملیک کو داعی اور باعث کے عنوان سے لحاظ کیا جائے (عوض کے عنوان سے لحاظ نہ کیا جائے) یعنی جب پہلے نے اپنے ملک کو دوسرے کا مال قرار دیا ہے تو دوسرے کو بھی چاہئے کہ اپنا مال اسکی ملکیت میں دے۔ تو اگر دوسری تملیک تخلف بھی کرے تو یہ پہلی تملیک کیلئے مضر نہیں ہے۔ پس اس بناء پر بہتر یہی ہے کہ کہیں۔ معاطات امر معین پر مصالحت اور توافق ہے۔ یا معاوضہ مستقلہ ہے۔

(۳) پہلے کا قصد یہ ہو کہ میں اپنے مال کو عوض کے بدلے میں دوسرے کیلئے مباح قرار دے رہا ہوں اور دوسرا اسے لینے کیساتھ قبول کر رہا ہے۔ لہذا پہلے سے اباحت بالعوض کے عنوان سے صادر ہوا ہے اور دوسرے کا اسے قبول کر لینے کے بعد تملیک کے عنوان سے صادر ہوا ہے۔ گویا پہلے نے دوسرے کو اس صراحت کیساتھ کہا ہے کہ اپنے فلاں مال کو تیرے ایک درہم کے مقابلے میں مباح کیا ہے۔



(۴) دونوں نے دوسرے کی اباحت کے مقابلے میں اباحت کا قصد کیا ہے۔ پس یا تو اباحت، اباحت کے بدلے میں ہو جائے گی۔ یا اباحت بداعی اباحت ہوگی یعنی جب اس نے مباح کیا ہے تو یہ بھی مباح کرے۔ یہ بالکل اسی کے مثل ہے جسے ہم دوسری وجہ میں بیان کر آئے ہیں کہ ممکن ہے کہ علی نحو الداعی تصور کیا جائے یا علی نحو العوضیت تصور کیا جائے۔

بہر حال جو صورت بھی ہو آخری دونوں صورتوں میں اشکال ہے خصوصاً جب فرض کریں کہ طرفین نے ان دونوں کا قصد کیا تھا۔ اور منشاء اشکال یہ ہے کہ:

اولاً: تمام تصرفات حتی وہ تصرفات بھی جو ملکیت پر موقوف ہیں ان کی اباحت کا کہنا مشکل ہے اور اسکی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ گویا وہ اس طرح کہہ رہا ہے کہ میں نے تمہارے لئے ہر قسم کا تصرف مباح قرار دیا ہے مگر تجھے عین کا مالک نہیں بنایا۔

ثانیاً: عوض کے بدلے میں مباح قرار دینے کی بازگشت، اباحت اور تملیک سے مرکب عقد کی طرف ہے۔ لہذا اس اباحت کا صحیح ہونا بھی مشکل ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ یا تو اباحت سے مراد تمام تصرفات کی اباحت ہے۔ حتی وہ بھی جو موقوف علی الملک ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہیں۔ اور اذن مالک مشرّع نہیں ہے کہ غیر شرعی امر کو شرعی قرار دے۔ یہ اذن فقط وہاں کام دے سکتا ہے جہاں شارع نے جائز قرار دیا ہو۔ پس اگر کوئی غیر کے مال کو اٹھا کر خود ہی خرید کر لے (کہ بیع مال غیر سے نکلے اور ثمن یہ اپنی جیب میں ڈال لے) تو یہ معقول نہیں ہے۔

جیسا کہ علامہ نے قواعد (۱) میں اسکی تصریح فرمائی ہے۔ پس مالک کیلئے کیسے جائز ہو سکتا

ہے کہ وہ اسکی اجازت دے؟!؟



البتہ اسکی دو طرح سے تصحیح کی جاسکتی ہے۔ اور وہ دونوں اس مقام پر مفقود ہیں۔

(الف): مباح کرنے والا اس طرح قصد کرے ”أبحت لك ان تبیع مالی لنفسك“۔ اگر تم میرے مال کو اپنے لیے خرید کر تو میں نے اسے تمہارے لیے مباح قرار دیا ہے۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ اسے اپنے مال کی بیع کیلئے وکیل قرار دیا ہے۔ اور پھر ہبہ کے ذریعے ثمن بھی اسی کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ یا پہلے ثمن کو اپنی طرف سے منتقل کیا ہے پھر بیع کی ہے۔ یا اس اباحت کے ذریعے اپنی تملیک قرار دیا ہے پس اس وقت یہ اسکے لیے انشاء تملیک ہو جائے گا۔ اور مخاطب کی بیع، بمنزلہ اسکے قبول کے ہوگی۔

جیسا کہ تذکرہ (۱) میں تصریح فرمائی ہے کہ عبد کے مالک سے کوئی شخص کہتا ہے کہ اپنے غلام کو میری طرف سے فلاں قیمت میں آزاد کر دو۔ یعنی کہنے والا مخاطب (مالک عبد) سے استدعا کر رہا ہے کہ پہلے عبد کو اسکی ملکیت میں لے آؤ۔ بہر حال مالک کا اس کی طرف سے آزاد کر دینا۔ اس استدعا کا جواب ہے۔ پس اسی استدعا اور جواب کیساتھ نقل و انتقال حاصل ہو جائیں گے۔ اور یہ نقل و انتقال آزادی سے ایک لحظہ پہلے ہونگے۔ لہذا یہ ضمنی خرید و فروخت ہے اور عقد بیع کی مقررہ شروط کی اسے ضرورت نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ما نحن فیہ میں:

اولاً: یہ مقصد نہیں ہے کہ مخاطب اسکے مال کو اپنی طرف منتقل کرے۔

اور ثانیاً: نہ ہی مقصد یہ ہے کہ ثمن کو اپنی طرف منتقل کر لے۔ اور نہ ہی اباحت مذکورہ کی تملیک کا قصد ہے اور نہ ہی مخاطب کا بیع کے وقت تملک کا قصد ہے کہ تملیک ضمنی متحقق ہو جو متکلم اور مخاطب کا مقصود ہو جیسا کہ اعتک عبدک عنی میں مقصود تھا۔ اگرچہ یہ مقصود اجمالاً ہی تھا۔ لیکن



تھا ضرور۔ لہذا عامہ اور خاصہ کے اصولیین نے اس کلام کی تملیک پر دلالت کو، دلالت اقتضاء سے شمار کیا ہے۔ جس کی انہوں نے اس طرح تعریف کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مقصود متکلم ہو اور عقلاً و شرعاً صحت کلام اس پر موقوف ہو۔ عقلی کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”وَ اسْئَلِ الْقَرْيَةَ“۔ اور شرعی کیلئے وہی گذشتہ مثال ہے یعنی ”اعتک عبدک عنی“۔

اس نکتہ کو فرض کرنے کی صورت میں یہ بات واضح ہے کہ ما نحن فیہ میں طرفین کا مقصود فقط اباحت ہے نہ کہ تملیک۔ (لہذا توجیہ مذکور (دلالت اقتضاء تملیک) یہاں جاری نہ ہوگی۔)

## حل عبارات

قولہ: فيكون اطلاق المعاطاة عليه:؛ عليه؛ کی ضمیر اعطاء اور اسکے قبض کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و مثله في هذا الاطلاق الخ:؛ مثله؛ کی ضمیر بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بازاء تملیک ماله آيا:؛ ماله؛ کی ضمیر الآخر کی طرف اور؛ آيا:؛ کی ضمیر کل منہما کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: اذ لو لم يملكه الثاني هنا:؛ مثلاً الیہ؛ هنا؛ بیع معاطاتی ہے۔

قولہ: لانه انما ملكه بازاء تملیکه:؛ لانه؛ کہ ضمیر اوّلی کی طرف اور؛ ملكه؛ میں ضمیر

مفعولی اور؛ تملیکه؛ میں ضمیر مجروری ثانی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: تملیک الآخر له:؛ له؛ کی ضمیر اوّلی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فلا یقدح تخلفه: یعنی تخلفه عن تملیک الآخر.



قولہ: باخذہ ایّاه:؛ باخذہ؛ میں ضمیر مجروری الآخر کی طرف اور؛ ایّاه؛ کی ضمیر مالہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بقبولہ لها:؛ قبولہ؛ میں ضمیر مجروری الآخر کی طرف اور؛ لها؛ کی ضمیر اباحہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: کما لو صرح: یعنی صرح الاول.

قولہ: من امکان تصوّره علی نحو الدّاعی:؛ تصوّره؛ کی ضمیر اباحہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لیس مشرعاً: یعنی اذن مالک امر غیر مشروع کو مشروع نہیں کرتا۔

قولہ: یصحّ ذلک باحد الوجهین: مثلاً الیہ؛ ذلک؛ اباحہ جمیع تصرفات حتی تصرفات موقوف بر ملک ہے۔

قولہ: انشاء توکیل له:؛ له؛ کی ضمیر مباح لہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فی بیع مالہ له:؛ مالہ؛ کی ضمیر بیع کی طرف اور؛ له؛ کی ضمیر مباح لہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: ثم نقل الثمن الی نفسه:؛ نفسه؛ کی ضمیر مباح لہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: اولاً الی نفسه:؛ نفسه؛ کی ضمیر مباح لہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: ثم بیعه:؛ بیعه؛ کی ضمیر مباح لہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: او تملیکاً له بنفس الخ: کلمہ؛ تکمیل؛ معطوف ہے انشاء توکیل کی طرف۔

قولہ: فیکون انشاء تملیک له:؛ یكون؛ کی ضمیر اباحہ کی طرف اور؛ له؛ کی ضمیر مباح لہ

کی طرف لوٹ رہی ہے۔



- قولہ: بمنزلة قبولہ:؛ قبولہ؛ کی ضمیر تملیک کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: و اعتاق المولى عنه:؛ عنہ؛ کی ضمیر الرّجل کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: و يقدر وقوعه:؛ وقوعہ؛ کی ضمیر نقل و انتقال کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: فيكون هذا: مشاراً اليه؛ ہذا؛ استدعاء و جواب ہے۔
- قولہ: مقصود للمتکلم و المخاطب: کلمہ؛ مقصود؛ صفت ہے تملیک ضمنی کیلئے۔
- قولہ: كما كان مقصوداً:؛ کان؛ کی ضمیر تملیک ضمنی کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: و اسئل القرية: آیت (۸۲) سورہ یوسف۔

## وضاحت

**تنبیہ رابع: طرفین کے قصد کی صورت میں معاطات کی اقسام:**

- معاطاة کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کوئی چیز دیتا ہے۔ اور دوسرے سے کوئی چیز لیتا ہے۔
- ایک بائع ہوگا۔ اور دوسرا مشتری ہوگا۔ اس میں دو طرفہ معاملہ ہے۔
- سوال یہ ہے کہ اسکی کتنی صورتیں ہو سکتی ہیں۔
- فرماتے کل چار صورتیں ہیں۔

**مال کے بدلے میں مال کی تملیک**

- (۱) بائع یہ چاہتا ہے کہ میں اس مال کا مالک خریدنے والے کو بناؤں اور خریدنے والا قصد کرتا ہے کہ میں اپنے پیسے کا مالک بیچنے والے کو بناؤں۔ یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک، دوسرے کے لئے مال کی تملیک کا قصد کرتا ہے۔



گویا جب دونوں قصد تملیک کر رہے ہیں تو کہا جاسکتا ہے کہ جب دینے والا والا دے رہا ہے تو یہ تملیک بن جائے گی۔ اور جب لینے والا لے رہا ہے یہ بن جائے گا تملک۔

گویا جیسے بیع میں ایجاب و قبول ہوتے ہیں۔ یہاں بھی ویسے ایجاب و قبول ہو گیا ہے۔ اور ایسا ہوا بھی فقط پہلے شخص کے دینے کی وجہ سے اور دوسرے کے لینے کی وجہ سے ہے۔ اور دوسرے شخص نے پہلے کے مقابلہ میں جو کچھ دینا ہے۔ وہ حقیقت معاطات سے خارج ہے۔ لہذا دونوں نے تملیک کا قصد تو کیا ہے۔ لیکن ایجاب و قبول پہلے کے مال دینے اور دوسرے کے لینے کیساتھ ہی ہو جائے گا۔ اور دوسرے نے پہلے کو جو کچھ دینا ہے اور پہلے نے لینا ہے۔ یہ معاطات سے خارج ہے۔

اب اگر یہ صورت حال پیدا ہو جائے کہ پہلے شخص نے مال دیا ہے۔ اور دوسرے نے وصول کر لیا ہے۔ لیکن خریدنے والے نے ابھی اسکے مقابلہ رقم نہیں دی تھی۔ اور مر گیا ہے تو تب بھی یہ معاطات ہو جائے گی۔ کیونکہ اصل معاطات دینا اور لینا ہے۔ اسی واسطے ہم نے کہا تھا کہ معاطات یکطرفہ بھی ہو سکتی ہے۔

یہ بالکل مصالحت، اور مزارعت کی طرح ہے۔ اسمیں بھی ایک ہی شخص ہوتا ہے۔ جس طرح مصالحت اور مزارعت یکطرفہ ہے۔ اس طرح یہ معاطات بھی یکطرفہ ہے۔

اسی طرح رہن وغیرہ میں بھی معاطات ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رہن میں بھی ایک کا مال رکھا جاتا۔ لہذا یہاں بھی معاطات یکطرفہ ہو جائے گی۔

### ایک دوسرے کی تملیک

(۲) بائع مشتری کی تملیک کا قصد کرتا ہے۔ اور اسکو مالک بناتا ہے۔ مشتری بائع کی تملیک کا قصد کرتا ہے۔ اور اسکو مالک بناتا ہے۔ اسوقت مقابلہ تملیکین کے درمیان ہے۔ ملکنین کے



درمیان نہیں۔ لہذا اسوقت معاطات دو طرفہ ہو جائے گی۔

اور معاطات کرتے وقت ایک نے اپنا مال دے دیا ہے۔ اور دوسرے نے لے لیا ہے۔ اور اپنا مال پہلے کو نہیں دیا۔ اور مر گیا ہے تو یہ معاطات نہیں ہوگی۔ کیونکہ اسوقت معاطات تملیکین تھی۔ ایک نے تملیک کیا۔ دوسرے نے تملیک کر لیا۔ لیکن دوسری طرف سے تملیک اور تملیک نہیں ہوا۔ لہذا یہ معاطات نہیں ہے۔ اور اس معنی کے لحاظ سے معاطات دو طرفہ ہے۔ جبکہ پہلے معنی کے لحاظ سے معاطات یک طرفہ تھی۔

### عوض کے بدلے میں مال کی اباحت

(۳) پہلے شخص نے کہا ہے کہ میں اپنے مال کو آپ کے لئے مباح قرار دے رہا ہوں۔ دوسرا اسکو قبول کر رہا ہے۔ یعنی پہلے کی طرف سے اباحت ہے۔ اور دوسرے کی طرف سے تملیک ہے۔

### اباحت کے بدلے میں اباحت

(۴) پہلا شخص بھی یہی کہتا ہے کہ میں اپنا مال آپ کے لئے مباح قرار دے رہا ہوں۔ یعنی دونوں اباحت کے قائل ہیں۔

فرماتے ہیں کہ آخری دونوں صورتیں یعنی ایک طرف اباحت اور دوسری طرف تملیک یا دونوں طرف سے اباحت ہو تو یہ حقیقتاً معاطات کا معنی نہیں ہیں۔ البتہ پہلی دو صورتیں معاطات ہو سکتی ہیں۔

### آخری دو قسموں پر اشکال

سوال یہ ہے کہ تیسری اور چوتھی صورت میں اشکال کیوں واقع ہوتا ہے؟

فرماتے ہیں کہ ان میں اشکال کا منشاء دو چیزیں ہیں۔



(۱) کیا ممکن ہے کہ ایک شخص اپنا مال دوسرے شخص کیلئے مباح قرار دے دے۔ اور دوسرے شخص کو حق دے دیا جائے کہ اس مال میں اس طرح تصرف کرے جیسے ملکیت کا تصرف ہوتا ہے۔ آیا یہ ممکن ہے یا ممکن نہیں ہے؟ یعنی اباحت کی وجہ سے ملکیت والے تمام تصرفات کر سکتا ہے یا تمام تصرفات نہیں کر سکتا۔

(۲) ایک طرف سے اباحت ہے۔ اور دوسری طرف سے تملیک۔ یعنی آپ اپنے مال کو مباح قرار دے رہے ہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو مالک سمجھ رہے ہیں۔

جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے کہ آیا ممکن ہے کہ اباحت کی وجہ سے ملکیت والے تمام تصرفات اس پر جاتے ہوں۔

### کیا ما نحن فیہ اعتق عبدک عنی جیسا ہے؟

فرماتے ہیں کہ مثلاً فرض کریں آپ نے کسی کیساتھ معاملہ کیا ہے۔ اور اس نے اپنا مال آپ کے مباح قرار دیا ہے تو آیا اس مال کو خمس اور زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں نہیں دے سکتے۔ کیونکہ آپ کی ملکیت ہی نہیں۔

اسی طرح اس مال سے لونڈی خریدی ہے تو اس سے جماع بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مال آپ کی ملکیت نہیں تھا۔ لہذا وہ امور جن کا تعلق ملکیت کیساتھ ہے وہ تصرف میں نہیں لائے جاسکتے۔ الا ایک صورت ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ صورت یہاں نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میری طرف سے ایک گوسفند خرید کر لیں۔ اور خریدنے کے بعد میری طرف سے صدقہ دے دیں۔ یہ بالکل اس طرح اعتق عبدک عنی۔

سوال یہ ہے کہ گوسفند کے مالک آپ ہیں۔ غلام آپ کا ہے۔ تو میری طرف سے صدقہ دینا اور آزاد کرنا کیسا ہے؟



فرماتے ہیں جب کوئی کہتا ہے **صَدِيقَ غَنَمِكَ مَنِيَّ اسْكَ** مطلب یہ ہے کہ آپ میرے وکیل بن کر خریدیں۔ پھر میری طرف سے بیچیں۔ اور پھر میری طرف سے صدقہ دے دیں۔ اور پھر میرے پاس آ کر پیسے لے لیں۔ یہ یقیناً صحیح ہے۔

لیکن مانحن فیہ میں اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میں نے آپ کے لئے مباح قرار دیا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ میں نے تو مباح قرار دیا تھا۔ آپ اس مال کو میری طرف سے خرید کر لیں۔ اور خریدنے کے بعد ملکیت والے تمام تصرفات کریں۔ پھر آ کر مجھ سے پیسے لے لیں۔

فرماتے ہیں کہ مانحن فیہ میں یہ معاملہ نہیں ہے۔ چونکہ مال تو میں خود دے رہا ہوں۔ اور اباحت کا قصد کر رہا ہوں۔ پھر کس طرح ہوگا کہ میری طرف سے تم خرید لو۔ لہذا تمام تصرفات جو ملکیت میں ہوتے ہیں وہ ان دو صورتوں میں جائز نہیں ہیں۔



# انتیسواں درس

(۲) کیا ماخذ من ینفق علیہ، بیع واہب اور عتق جیسا ہے

جواب مصنف

قطب الدین اور شہید کا نظریہ







## اثنيسوااا درس

الثانى : أن يدلّ دليلٌ شرعىّ على حصول الملكيّة للمباح له بمجرد الاباحة ، فيكون كاشفاً عن ثبوت الملك له عند ارادة البيع آنأما ، فيقع البيع فى ملكه ، أو يدلّ دليلٌ شرعىّ على انتقال الثمن عن المبيع بلا فصل بعد البيع ، فيكون ذلك شبه دخول العمودين فى ملك الشخص آنأما لا يقبل غير العتق ، فأنه حينئذٍ يقل بالملك المقدر آنأما ؛ للجمع بين الأدلة-

و هذا الوجه مفقودٌ فيما نحن فيه اذ المفروض أنه لم يدلّ دليلٌ بالخصوص على صحّة هذه الاباحة العامّة - و اثبات صحّته بعموم مثل : ((الناس مسلّطون على اموالهم)) يتوقّف على عدم مخالفة مؤداها لقواعد أخر مثل : توقّف انتقال الثمن الى الشخص على كون المثلن مالاً له و توقّف صحه العتق على الملك ، و صحه الوطاء على التحليل بصيغةٍ خاصّة، لا بمجرد الاذن فى مطلق التصرف-

و لأجل ما ذكرنا صرّح المشهور بل قيل : لم يوجد خلافتٌ فى أنه لو دفع الى غيره مالاً و قال : ((اشتر به لنفسك طعاماً)) من غير قصد الاذن فى افتراض المال قبل الشراء أو افتراض الطعام أو استيفاء الدين منه بعد الشراء، كم يصح، كما صرّح به فى مواضع من القواعد، و علله فى بعضها بانه لا يعقل شراء شئ لنفسه بمال الغير - و هو كذلك ؛ فان مقتضى مفهوم المعاوضة و المبادلة دخول العوض فى ملك من خرج



المعوض عن ملكه، و إلا لم يكن عوضاً و بدلاً-

و لما ذكرنا حكم الشيخ و غيره : بأن الهبة الخالية عن الصيغة، تفيد اباحة التصرف، لكن لا يجوز و طء الجارية، مع أنّ الاباحة المتحققّة من الواهب يعمّ جميع التصرفات- و عرفت أيضاً: أنّ الشهيد في الحواشي لم يجوز اخراج المأخوذ بالمعاطاة في الخمس و الزكاة و ثمن الهدى، و لا و طء الجارية، مع أنّ مقصود المتعاطيين الاباحة المطلقة-

و دعوى: أن الملك التقديرى هنا أيضاً لا يتوقف على دلالة دليل خاص، بل تكفى الدلالة بمجرد الجمع بين عموم ((الناس مسلطون على أموالهم)) الدال على جواز هذه الإباحة المطلقة، و بين وأدلة توقف مثل العتق و البيع على الملك، نظير الجمع بين الأدلة في الملك التقديرى؛ مد فوعة: بأن عموم ((الناس مسلطون على أموالهم)) إنما يدل على تسلط الناس على أموالهم، لا على احكامهم، فمقتضاه: امضاء الشارع لاباحة المالك كل تصرف جائز شرعاً، فالاباحة و ان كانت مطلقةً الا لا يباح بتلك الاباحة المطلقة إلا ما هو جائز بذاته في الشرعية-

ومن المعلوم: ان بيع الإنسان مال غيره لنفسه غير جائز بمقتضى العقل و النقل الدالين على لزوم دخول العوض في ملك مالك المعوض، فلا يشمل العموم في ((الناس مسلطون على أموالهم)) حتى يثبت التنافى بينه و بين الأدلة الدالة على توقف البيع على الملك، فيجمع بينهما با لتزام الملك التقديرى آناً ما-

و با لجملة، دليل عدم جواز بيع ملك الغير أو عتقه لنفسه حاكم على عموم ((الناس مسلطون على أموالهم)) الدال على امضاء الاباحة المطلقة من المالك على



إطلاقها؛ نظير حكومة دليل عدم جواز عتق مال الغير على عموم وجوب الوفاء بالنذر والعهد إذا نذر عتق عبد غيره له أو لنفسه، فلا يتوهم الجمع بينهما با لملك القهرى للناذر. نعم لو كان هناك تعارض و تزاحم من الطرفين بحيث أمكن تخصيص كل منهما لأجل الآخر، أمكن الجمع بينهما با لقول بحصول الملك القهرى آناً ما، فتأمل. و أما حصول الملك فى الآن المتعقب با لبيع أو العتق فيما إذا باع الواهب عبده الموهب أو أعتقه، فليس ملكاً تقديرياً نظير الملك التقديرى فى الدية با لنسبة إلى الميت أو شراء العبد المعتقد عليه، بل هو ملك حقيقى حاصل قبل البيع من جهة كشف البيع عن الرجوع قبله فى الآن المتصل، بناءً على الاكتفاء بمثل هذا فى الرجوع؛ و ليس كذلك فيما نحن فيه.

و بالجملة، فيما نحن فيه لا ينطبق على التمليك الضمنى المذكور أو لا فى ((أعتق عبدك عنى))؛ لتوقفه على القصد، و لا على الملك المذكور ثانياً فى شراء من ينعقد عليه؛ لتوقفه على التنافى بين دليل التسلط و دليل توقف العتق على الملك، و عدم حكومة الثانى على الأول، و لا على التمليك الضمنى المذكور ثالثاً فى بيع الواهب و ذى الخيار؛ لعدم تحقق سبب الملك هنا سابقاً بحيث يكشف البيع عنه، فلم يبق الا الحكم ببطلان الإذن فى بيع ماله لغيره، سواء صرح بذلك كما لو قال: ((بيع مالى لنفسك)) أو ((اشتر بمالى لنفسك))، أم أدخله فى عموم قوله: ((أبحث لك كل تصرف))، فإذا باع المباح له على هذا الوجه وقع البيع للمالك إما لا زمياً، بناءً على أن قصد البائع البيع لنفسه غير مؤثر، أو موقوفاً على الإجازة، بناءً على عن المالك لم ينو تملك الثمن. هذا، و لكن الذى يظهر من جماعة منهم قطب الدين و الشهيد (رحمه



اللہ) فی باب بیع الغاصب: أن تسليط المشتري للبائع الغاصب على الثمن و الاذن في إتلافه، يوجب جواز شراء الغاصب به شيئاً، و أنه يملك الثمن بدفعه اليه، فليس للمالك إجازة هذا الشراء۔

و يظهر أيضاً من محكى المختلف، حيث استظهر من كلامه فيما لو اشترى جارية بعين مغصوبة: أن له و طء الجارية مع علم البائع بغصبية الثمن، فراجع، و مقتضى ذلك: أن يكون تسليط الشخص لغيره على ماله و إن لم يكن على وجه الملكية، و يوجب جواز التصرفات المتوقفة على الملك؛ فتأمل۔ و سيأتى تو ضيحه في مسألة الفضولي ان شاء الله۔

## ترجمہ

(ب) دلیل شرعی دلالت کرتی ہے کہ جس شخص کیلئے تصرف مباح ہوا ہے: مالک کے فقط مباح قرار دینے سے ملکیت حاصل ہو جائے گی۔ پس مذکورہ دلیل شرعی کا شرف ہے کہ جو نہی بیع کا ارادہ کیا گیا فوراً اس کے لیے آناً ملکیت حاصل ہوگی۔ لہذا بیع اس کے ملک میں واقع ہوئی ہے۔ یا دلیل شرعی دلالت کرتی ہے بیع کے بعد، بلا فاصلہ بیع سے ثمن منتقل ہو گیا ہے۔ یہ انتقال عمودین کے کسی شخص کہ ملک میں آناً (ایک لحظہ کیلئے) داخل ہونے کے مشابہ ہے کہ عتق کے علاوہ کسی اور انتفاع کے قابل نہیں ہے۔ پس اس قسم کے موارد میں ایک آن مقدر کیلئے ملک ہوگا۔ تاکہ اسکے ذریعے ادلہ میں جمع کی جائے۔

یہ وجہ ما نحن فیہ میں مفقود ہے۔ کیونکہ فرض یہ ہے کہ کوئی دلیل بھی بالخصوص اس اباحت کے



صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ اور الناس مسلطون علی اموالہم (۱) کے عموم سے اسکی صحت کا اثبات کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ اس کا موڈ اور مضمون دوسرے قواعد کے مخالف نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص کے پاس ثمن کا منتقل ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ ثمن اس کا مال ہو۔ اور عتق تب صحیح ہے جب ملک ہو۔ وطی تب صحیح ہے جب خاص صیغہ کیساتھ حلال ہوئی ہو۔ نہ کہ مطلق تصرف میں فقط اذن کافی ہے۔

ہمارے مذکورہ بیان کی وجہ سے مشہور نے تصریح فرمائی ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے (یعنی قبول کیا ہے) کہ اس میں ہمیں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا ہے۔ (۲) جب کوئی شخص دوسرے کو اپنا مال دیتے وقت یہ کہے۔ اس طعام کو اپنے لیے خرید کرو۔ جبکہ صاحب مال کا یہ قصد بھی نہ ہو کہ مذکورہ مال خریدنے سے پہلے یا (طعام) خرید کرنے کے بعد بعنوان قرض ہے۔ یا خریدنے کے بعد قرض ادا کر دے گا۔ تو یہ خرید و اشتراء صحیح نہیں ہے۔

جیسا کہ علامہ نے قواعد (۳) میں چند مقامات پر اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور ان میں سے بعض جگہ پر یہ علت (۴) قرار دی ہے کہ یہ غیر معقول ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے مال سے کوئی چیز اپنے لیے خرید کرے۔ (یعنی پیسے کسی کے لگیں اور مال یہ لے جائے۔) مطلب اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے فرمایا ہے۔ کیونکہ مفہوم معاوضہ اور مبادلہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عوض اسکی ملکیت میں داخل ہو جس کی ملکیت سے معوض نکلا ہے۔ وگرنہ یہ عوض و بدل شمار نہ ہوگا۔ جو کچھ ہم نے

(۱) عوالی الآلی: ۱: ۲۲۲ حدیث ۹۹

(۲) اس سے مراد صاحب جواہر ہیں۔ دیکھیں جواہر ۲۳: ۱۷۴

(۴) قواعد الکلام: ۱: ۱۶۶

(۳) قواعد الکلام: ۱: ۱۵۱



اوپر ذکر کیا ہے۔

اسی وجہ سے شیخ طوسی وغیرہ نے فرمایا ہے۔ صیغہ سے خالی ہبہ اباحت التصرف کا فائدہ دیتا ہے۔ لیکن اس سے جاریہ کیساتھ وطی جائز نہیں ہوتی۔ حالانکہ واہب کیلئے اباحت متحقق ہو چکی ہے جو تمام تصرفات کو شامل ہے۔

اور آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ شہید نے بعض حواشی میں (۱) معاطات سے حاصل کیئے ہوئے مال سے خمس، زکوٰۃ، حج کی قربانی، اور وطی جاریہ سے منع کیا ہے۔ حالانکہ معاطات کرنے والے طرفین کا مقصد اباحت مطلقہ تھا۔ ممکن ہے کہ یہاں (مالک نے دوسرے کیلئے تمام تصرفات مباح قرار دیئے ہیں)۔

یہ دعویٰ کیا جائے کہ ملک تقدیری کسی دلیل خاص کی دلالت پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ تقدیری ملکیت کی دلیل کے حوالے سے الناس مسلطون علی اموالہم (کہ جو اس اباحت مطلقہ کا بتاتی ہے) کے عموم اور ادلہ توقف (کہ عتق اور بیع ملکیت پر موقوف ہیں) کی جمع کی دلالت ہی کافی ہے۔ جیسے ملک تقدیری کی مختلف ادلہ کی جمع بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے۔

یہ دعویٰ مدفوع ہے کیونکہ الناس مسلطون علی اموالہم کا عموم فقط اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوگ اپنے اموال پر مسلط ہیں۔ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اپنے احکام پر بھی مسلط ہیں۔ لہذا حدیث الناس کا مقتضاء اسکے علاوہ کوئی نہیں ہے کہ شارع نے امضاء کیا ہے کہ شرعاً جو تصرف جائز ہے وہ مالک کیلئے مباح ہے۔

پس اباحت اگرچہ مطلق ہے، یہ اباحت مطلقہ فقط اس تصرف کو مباح قرار دیتی ہے جو



بذاتہ شریعت میں جائز ہو۔ اور یہ تو واضح ہے کہ کسی شخص کا غیر کے مال کو اپنے لیے بیچنا عقل و نقل کے اقتضاء کے مطابق جائز نہیں ہے۔ خواہ عقل و نقل مالک معوض کے ملک میں عوض کو داخل قرار دینا ضروری ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں۔ پس الناس مسلطون علی اموالہم کا عموم اسے شامل ہیں ہے کہ حدیث الناس اور ادلہ توقف (کہ بیع ملکیت پر موقوف ہے) کے درمیان تنافی پیدا ہو جائے۔ اور ہم حتماً ان کی جمع پر مجبور ہو جائیں اور ملکیت تقدیری آنا ما کے قائل ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو دلیل غیر کے ملک سے بیع کو جائز قرار نہ دیتی تھی یا غیر کے غلام کو اپنی طرف سے آزاد کرنے سے روک رہی تھی، وہ الناس مسلطون علی اموالہم (کہ جو مالک کیلئے اباحت مطلقہ کا امضاء کر رہی تھی) پر حاکم ہے۔ جیسے مال غیر سے عتق کے جائز نہ ہونے کی دلیل اس نذر اور عہد کے وجوب و فاء عموم پر حاکم ہے۔ جس میں اس نے نذر کی تھی کہ غیر کے غلام کو اسکی یا اپنی طرف سے آزاد کرونگا۔

یہ وہم بھی نہ ہو کہ وجوب و فاء نذر اور عدم جواز عتق مال غیر کے درمیان جمع کا تقاضا یہ ہے کہ نذر کرنے والے کیلئے ملکیت قہری (غیر اختیاری) کے قائل ہوں۔ البتہ اگر یہاں طرفین سے اس طرح کا تعارض و تراحم ہوتا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کی وجہ سے تخصیص دی جاسکتی تو ان دونوں کو جمع کرنا ممکن تھا کہ ملکیت قہری آنا ما کے حصول کے قائل ہو جائیں۔ فتائل۔

اور یہ صورت کہ ایک شخص نے کسی کو اپنا غلام ہبہ کر دیا تھا۔ اب وہ اسے بیچ دیتا ہے یا آزاد کر دیتا ہے تو بیچنے یا آزاد کرنے سے ایک لحظہ پہلے اسے ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہذا یہاں جو فرضی ملکیت آئی ہے یہ ایسی نہیں ہے جو دیت میں مرنے والے کی نسبت سے جو فرضی ملکیت آتی ہے یا اس غلام کی خریداری جو بلا فاصلہ آزاد ہو جاتا ہے؛ میں آتی ہے۔ بلکہ یہ تو ملکیت حقیقی ہے جو اسے بیع سے پہلے حاصل ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کے بیچنے سے کشف ہو رہا ہے کہ اس بیع سے ایک لحظہ پہلے، ہبہ



سے رجوع کر لیا ہے البتہ اس بناء پر کہ اس قسم کا رجوع کفایت کرتا ہے۔ لیکن محل بحث میں اس طرح نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موردِ بحث نہ تو اس تملیکِ ضمنی پر منطبق ہے جو پہلے اعتق عبدک عنی کی بحث میں مذکور ہو جا چکی ہے (چونکہ یہ قصد پر موقوف ہے) اور نہ اس ملکیت کے مطابق ہے جو بعد میں ذکر ہوتی ہے کہ اس غلام کی خریداری (باپ یا بیٹے کی طرح) جو فوراً آزاد ہو جاتا ہے۔ (کیونکہ یہ ملکیت بھی دلیل تسلط اور دلیل توقفِ عتق بر ملکیت کے منافی ہے اور دوسری دلیل کی پہلی دلیل پر حکومت بھی نہیں ہے) اور نہ وہ تملیکِ ضمنی مراد ہے جو تیسرے نمبر پر بیع واہب اور ذی الخیار میں بیان ہوئی ہے یہ بھی منطبق نہیں ہے کیونکہ ما نحن فیہ میں پہلے سے سببِ ملکیت متحقق ہی نہیں ہے کہ اس سے بیع کرنا کشف ہو۔

پس یہاں فقط ایک ہی حکم باقی رہ گیا ہے کہ جس کے متعلق کہیں کہ مالک کا اپنے مال کی فروخت کیلئے دوسروں سے کہنا باطل ہے۔ خواہ مالک نے صراحت کیساتھ کہا ہو کہ میرے مال کو اپنے لیے بیچو یا میرے مال کو اپنے لیے خریدو۔ یا صراحت کیساتھ نہ کہا ہو بلکہ اسے اباحتِ مطلقہ کے عموم سے قرار دیا ہو مثلاً کہا ہو کہ میں نے تمہارے لیے ہر تصرف کو مباح قرار دیا ہے۔ پس مباح لہ اس عنوان سے مال کو بیچے گا تو یہ بیع مالک کیلئے واقع ہوگی۔ یا تو یہ بیع لازم ہوگی (اس بناء پر کہ مباح لہ نے جو اپنے لیے بیع کا قصد کیا تھا وہ مؤثر نہیں ہے) یا یہ بیع اجازت پر موقوف ہوگی۔ (اس بناء پر کہ مالک (مباح کرنے والے) نے تملکِ ثمن کی نیت نہیں کی تھی۔)

البتہ باب بیعِ غاصب میں ایک جماعت (جس میں قطب الدین اور شہیدؒ بھی شامل ہیں) کے کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشتری کا غاصب بائع کو ثمن پر مسلط قرار دینا، اور اسکے تلف کی اجازت دینا۔ اس بات کا موجب بنے گا کہ غاصب اس سے کوئی چیز خریدنے پر مجاز ہے۔ اور ثمن



دینے کیلئے اس بیع کا مالک شمار ہوگا۔ لہذا غاصب کیلئے اس قسم کی خریداری کیلئے مالک کی اجازت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

یہی بات مختلف سے حکایت کی گئی عبارت سے بھی ظاہر ہے۔ جیسا کہ ان کی عبارت سے یہ سمجھا گیا ہے کہ ایک شخص نے غصبی مال لیکر کنیز کو فروخت کیا، اس لوٹڈی کیساتھ خریدار کا وطی کرنا جائز ہے اور بائع (مالک کنیز) کو ثمن کے غصبی ہونے کا علم بھی ہے۔ (پس وہاں رجوع کریں)۔ جو کچھ ذکر ہوا ہے اس کا مقتضاء یہ ہے کہ دوسروں کو اپنے مال پر مسلط قرار دینا (اگرچہ بعنوان ملکیت نہ بھی ہو) ان تصرفات کے جواز کا بھی موجب بنتا ہے جو ملکیت پر موقوف ہیں۔ فتا مل۔  
انشاء اللہ اس کی وضاحت مسئلہ فضولی میں آئے گی۔

## حل عبارات

قوله: عن ثبوت الملك له؛ له؛ کی ضمیر مباح لہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: عند ارادة البيع: سے مراد بیع و فروش متاع ہے شخص ثالث کو بواسطہ مباح لہ۔

قوله: فيقع البيع في ملكه: یعنی فی ملک مباح لہ۔

قوله: على انتقال الثمن عن المبيع: یعنی عن المبيع الى المباح لہ۔

قوله: فيكون ذلك شبه دخول الخ: مثلاً الیہ؛ ذلک؛ کل واحد من وقوع

البيع في ملك المباح لہ و انتقال الثمن عن المبيع الى المباح لہ ہے۔

قوله: فانه حينئذ يقال الخ:؛ فانه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے اور کلمہ؛ حينئذ؛ یعنی حین

دخول العمودين في ملك الشخص آناً ما و عدم قبوله لغير العتق۔



قولہ: للجميع بين الادلة:؛ ادلہ؛ سے مراد دلیل لا عتق الا فی ملک اور وہ دلیل جو کہ دلالت کرتا ہے اس پر کہ انسان عمودین کا مالک نہیں بنتا اور دلیل دال بر حصول عتق عمودین ہے۔

قولہ: اذ المفروض انه لم يدل الخ:؛ انه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔

قولہ: و اثبات صحته الخ:؛ صحته؛ کی ضمیر اباحہ عامہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: عدم مخالفة مؤداه: یعنی مؤدای الناس مسلطون۔

قولہ: و لاجل ما ذكرنا:؛ ما ذكرنا؛ سے مراد الناس مسلطون کا دوسرے قواعد کے ساتھ

مخالف نہ ہونا ہے۔

قولہ: لم يوجد خلاف في انه لو دفع الى غيره مالا:؛ انه؛ اور؛ غیرہ؛ کی ضمائر

مالک مال کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

قولہ: استيفاء الدين منه بعد:؛ منه؛ کی ضمیر قرض لینے والے کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: كما صرح به: یعنی بعدم الصحة۔

قولہ: و علاله في بعضها:؛ علله؛ میں ضمیر منصوبی عدم صحت کی طرف اور؛ بعضها؛ کی

ضمیر مواضع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بانهلا يعقل شراء شبي:؛ بانه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔

قولہ: و هو كذلك: اس عبارت سے مرحوم علامہ کی بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

قولہ: بان الهبة الخالية عن الصيغة: یعنی هبه معاطاتی۔

قولہ: فمقتضاه امضاء الشارع الخ:؛ مقتضاه؛ میں ضمیر مجروری عموم الناس مسلطون

کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: الا انه لا يباح الخ:؛ انه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔



قولہ: فلا يشملہ العموم فی الناس الخ:؛ يشملہ؛ میں ضمیر منصوبی بیع الانسان مال غیرہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بحيث امکن تخصیص کل منہما الخ: یعنی ان دو کے درمیان عموم و خصوص من وجہ ہے اور مادہ اجتماع میں ان دونوں میں تعرض و یا تراحم واقع ہوتا ہے۔

قولہ: عن الرجوع قبلہ:؛ قبلہ؛ کی ضمیر بیع کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بمثل هذا فی الرجوع: مثلاً الیہ؛ ہذا؛ بیع و اعتاق ہے۔

قولہ: و لیس كذلك فی ما نحن فیہ: یعنی بحث کے بارے میں ایسا نہیں ہے کہ بیع مباح لہ کاشف ہو حصول ملک حقیقی سے۔

قولہ: لتوقفہ علی القصد:؛ توقفہ؛ کی ضمیر تملیک ضمنی دراعتق عبدک عنی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لتوقفہ التنافی الخ:؛ توقفہ؛ کی ضمیر ملک مذکور در شرائء من ینتق علیہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و عدم حکومة الثانی علی الاول:؛ الثانی؛ سے مراد دلیل توقف عتق بر ملک اور؛ الاول؛ سے مراد دلیل تسلط ہے۔

قولہ: بحيث یکشف البیع عنہ:؛ عنہ؛ کی ضمیر سبب سابق کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: صرح بذلك: مثلاً الیہ؛ ذلک؛ اذن فی بیع مالہ لغیرہ ہے۔

قولہ: ام ادخلہ فی عموم الخ:؛ ادخلہ؛ میں ضمیر منصوبی اذن فی بیع مالہ لغیرہ کی طرف

لوٹ رہی ہے۔

قولہ: اما لازماً: یعنی اجازت کا محتاج نہ ہونا۔



قولہ: او موقوفاً علی الاجازة: یعنی اجازہ مالک۔  
 قولہ: جواز شراء الغاصب به:؛ بہ؛ کی ضمیر ثمن کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: و انه يملك الثمن بدفعه اليه:؛ انه؛ کی ضمیر غاصب کی طرف اور؛ بدفعہ؛ کی  
 ضمیر مشتری کی طرف اور؛ اليه؛ کی ضمیر غاصب کی طرف لوٹ رہی ہیں۔  
 قولہ: ان له وطى الجارية:؛ له؛ کی ضمیر مشتری کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: و مقتضى ذلك: مثلاً اليه؛ ذلك؛ کلام قطب الدین و شہید و علامہ ہے۔

## وضاحت

### آیا ما نحن فيه میں ینعتق، بیع واہب اور عتق جیسا ہے؟

فرماتے ہیں کہ آپ نے معاطات کے جو چار معانی کئے تھے، ان میں آخری دو معانی؛ یعنی  
 ایک طرف اباحت اور دوسری طرف تملیک یا دونوں طرف سے اباحت؛ صحیح نہیں ہیں۔ مگر یہ کہ دو  
 چیزیں مان لیں۔

(۱) اباحت موجب تصرفات ہے۔ حتی موقوف علی الملک ہو۔ اسکو ہم رد کر چکے ہیں۔  
 ہم یہ کہیں کہ اباحت کی وجہ سے ملکیت آگئی ہے۔ اور یہ کاشف ہے کہ جب وہ بیع کا ارادہ  
 کر رہا ہے تو آنا ما یہ اسکا مالک بن جائیگا۔ اور بیع اسکے ملک میں ہوگی۔ اور جب وہ آگے بیچے گا تو کہا  
 جائے گا کہ آنا ما یہ مالک بنا تھا۔ پھر اس نے آگے بیچا ہے۔

(۲) کوئی دلیل شرعی اس پر دلالت کرے کہ ثمن میبوح (یعنی اباحت کرنے والے) سے منتقل  
 ہو کر اس کی طرف چلی گئی ہے۔ اور یہ کوئی نئی چیز بھی نہیں ہے۔ کیونکہ بعض ایسے مسائل ہیں جن میں  
 ہم ملکیت آنا ما کا بھی قائل ہیں۔ اور بعض ایسے مسائل ہیں جن میں ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ ثمن کے



انتقال کے قائل ہوں۔ وہ مسائل درج ذیل ہیں۔ مثلاً

(۱) اعتق عبدک عنی میں ہم نے کہا تھا کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص کہہ رہا ہے کہ پہلے اس غلام کو میرے پاس بیچیں۔ میں مالک بن جاؤنگا۔ اور میری طرف سے وکیل بن آزاد کریں۔ یہ سب کچھ علماء نے خود کہا ہے۔

(۲) آپ نے ایک چیز کسی کو ہبہ کی ہے۔ اور وہی چیز بعد میں بیچ دی ہے۔ اسوقت یہ کہیں گے واہب نے پہلے پہل اس چیز کو اپنی ملکیت میں لیا ہے۔ یعنی ہبہ سے رجوع کر لیا ہے۔ اور پھر بیچا ہے۔

(۳) کسی کا ماں باپ غلام تھا۔ وہ اس ماں باپ کا مالک نہیں بن سکتا ہے۔ لہذا جو نہی خریدے گا یہ آزاد ہو جائیں گے۔ اسوقت کہا جائیگا کہ ایک لمحہ کیلئے اس کی ملکیت میں آئے تھے۔ پھر آزاد ہو گے۔ آیا ان مندرجہ بالا تین مثالوں کی طرح ما نحن فیہ کے مسائل کی تاویل ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک چیز آپ کیلئے مباح ہوگی ہے۔ آپ نے لے لی ہے۔ اب ایک طرف ہمارے پاس الناس مسلطون علی اموالہم ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ آپ اپنے مال پر مسلط ہیں۔ جب مسلط ہیں تو چاہیں بیچیں، یا اباحت کا تصور کریں۔ جیسے کریں آپکی مرضی ہے۔ لہذا چونکہ آپ اپنے مال کے مالک تھے۔ آپ نے اپنا مال مجھ پر مباح کیا ہے۔ میں مالک بن گیا ہوں۔ اور اسے آگے بیچ دیتا ہوں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اسے آزاد کرنا چاہیں تو روایت کہتی ہے۔ لا اعتق الا فی ملک اگر بیچنا چاہیں تو ملک کے بغیر آپ بیچ نہیں سکتے۔ اگر خمس و زکوٰۃ میں دینا چاہیں تو آپ مالک نہیں ہیں۔ اگر کسی اور کو دینا چاہیں تو روایت کہتی ہے وہ موہوب تھا آپ نہیں دے سکتے۔ ان تمام چیزوں کا کیا بنے گا؟ گویا اسوقت الناس مسلطون علی اموالہم اور ان روایات میں ٹکراؤ اور تعارض ہو جائے گا۔ آیا آپ کو جمع کرنے کا حق ہے؟



### جواب مصنف

یہاں مصنف یہ کہتے ہیں کہ جمع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ الناس مسلطون علی اموالہم ہے الناس مسلطون علی احکامہم نہیں ہے۔ اور یہ احکام ہیں۔ آپ اپنے مال پر مسلط ہیں۔ احکام پر نہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے جو حدود و قیود مقرر کی ہیں، انکو مد نظر رکھ کر مال میں تصرف کریں۔ لہذا بیع، شراء، اجارہ، رہن اور ہبہ وغیرہ سب ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ قصد تو اباحت کریں۔ اور بنا میں ملکیت۔ کیونکہ آپ اموال پر مسلط ہیں احکام پر نہیں۔ لہذا الناس مسلطون علی اموالہم اسوقت کام نہیں دے سکتا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ دوسری جگہ ہم تصرف کر سکتے ہیں۔ یہاں کیوں نہیں کر سکتے؟ فرماتے ہیں: جن جگہوں پر ہم نے تاویل کی ہے۔ وہاں واضح دلائل موجود ہیں۔ مثلاً اعتق عبدک عنی کے مقابل لا عتق الا فی ملک ہے۔ تو ہم نے اسکی واضح تاویل کی ہے۔ جہاں تک الناس مسلطون علی اموالہم ہے۔ یہ عام قاعدہ کلیہ ہے۔ اور یہ مخصصات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسوقت یہ کہا جائے گا کہ یہ قاعدہ کلیہ حاکم نہیں ہیں۔ اور لا عتق وغیرہ خاص ہیں۔ اور وہ الناس مسلطون پر حاکم ہیں۔

### قطب الدین اور شہید کا نظریہ

البتہ قطب الدین اور شہید وغیرہ نے بعض ایسی باتیں کی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اباحت و تملیک اور اباحت و اباحت کے قصد کے وقت بھی کام چل سکتا ہے۔ مثلاً عاصب نے مال بیچا ہے۔ اب وہ قیمت کا مالک بن گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مالک بھی چیز کا مالک بن سکتا ہے۔ جبکہ آپ کہتے ہیں کہ غیر مالک مالک نہیں بن سکتا۔ فرماتے ہیں کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ درست نہیں۔



# تیسواں درس

عوض کے بدلے میں مال کی اباحت پر اشکال

آیا یہ معاوضہ مستقلہ ہے؟

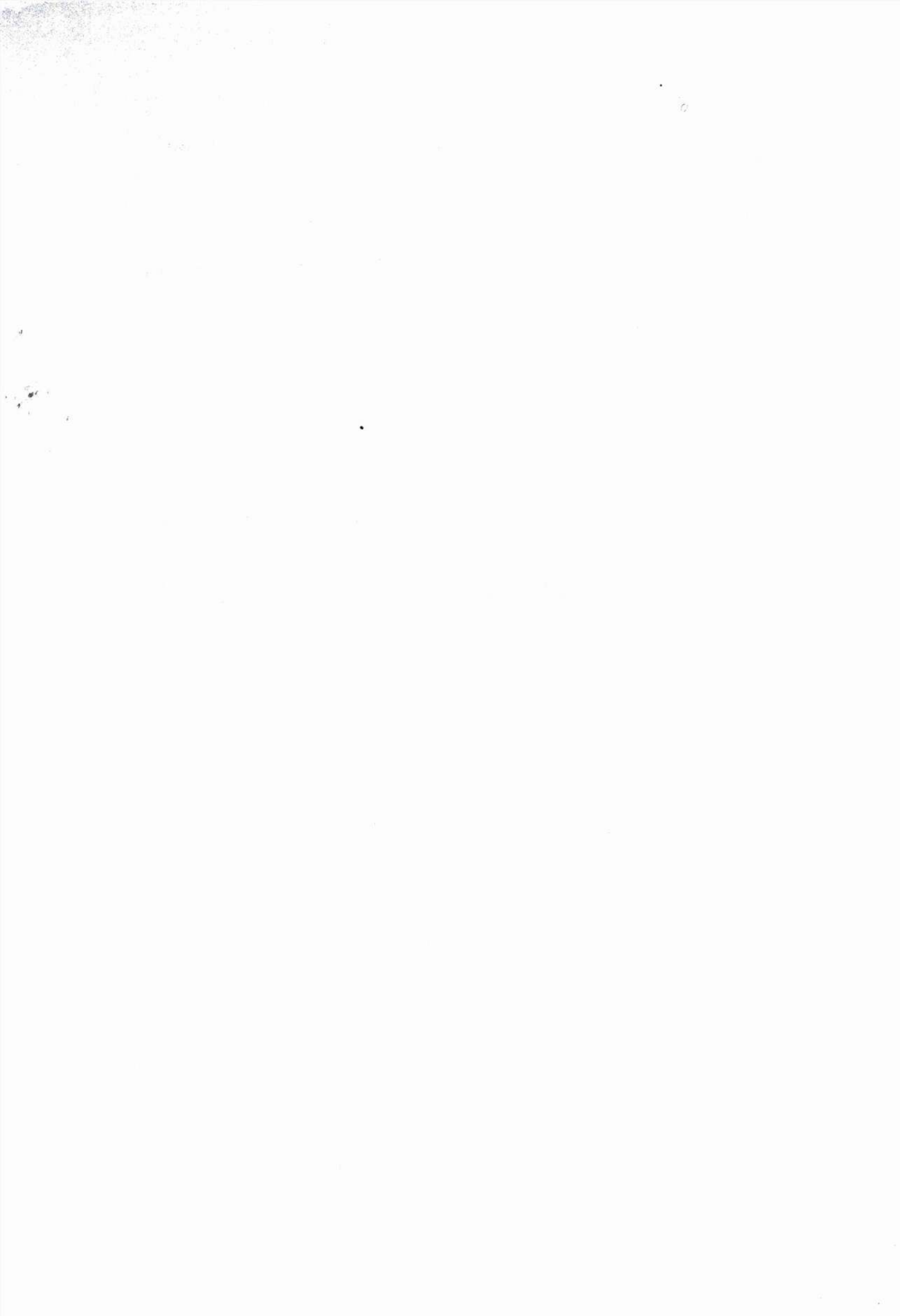
پانچویں تنبیہ

کیا بیع کے علاوہ دوسرے عقود میں معاطات جاری ہو سکتی ہے؟

آیا رهن میں معاطات کے جاری ہونے پر اشکال ہے؟

وقف میں معاطات جاری نہیں ہو سکتی







## تيسواا درس

و أما الكلام فى صحة الاباحة با لعوض ، سواء صححنا اباحة التصرفات المتوقفة على الملك أم خصصنا الاباحة بغيرها ، فمحصلة : أن هذا النحو من الاباحة المعوضة ليست معاوضة مالية ليدخل كل من العوضين فى ملك مالك العوض الأخر ، بل كلاهما ملك للمبيح إلا أن المباح له يستحق التصرف ؛ فيشكل الأمر فيه من جهة خروجه عن المعاوضات المهودة شرعاً و عرفاً ، مع التأمل فى صدق التجارة عليها ، فضلاً عن البيع ، إلا أن يكون نوعاً من الصلح ، لمناسبة له لغةً ، لأنه فى معنى التسالم على أمر ، بناءً على أنه لا يشترط فيه لفظ الصلح ، كما يستفاده من بعض الأخبار الدالة على صحته بقول المتصالحين : (( لك ما عندك ولى ما عندي )) ، و نحوه ما ورد فى مصالحة الزوجين ؛ و لو كانت معاملةً مستقلةً ، كفى فيها عموم (( الناس مسلطون على أموالهم )) و (( المئومنون عند شروطهم )) .-

و على تقدير الصحة ، ففى لزومها مطلقاً ، لعموم (( المئومنون عند شروطهم )) أو من طرف المباح له ، حيث أنه يخرج ماله عن ملكه دون المبيح ، حيث أن ماله باقٍ على ملكه ، فهو مسلطٌ عليه ؛ أو جوازها مطلقاً ، و جوه ، اقواها أولها ، ثم أوسطها .-

و أما حكم الاباحة بالاباحة ، فالاشكال فيه ايضاً يظهر ممّا ذكرنا فى سابقه ،



و الاقوى فيها أيضاً الصحة و اللزوم ؛ للعموم ، أو الجواز من الطرفين ؛ لاصالة التسلط-

الأمر الخامس : في حكم جريان المعاطاة في غير البيع من العقود و عدمه-

اعلم : أنه ذكر المحقق الثاني في جامع المقاصد على ما حكى عنه : أن في

كلام بعضهم ما يقتضى اعتبار المعاطاة في الاجارة ، و كذا في الهبة ؛ و ذلك لأنه اذا

امره بعمل على عوض معين فعمله استحق الأجرة و لو كانت هذه اجارة فاسدة لم

يجز له العمل و لم يستحق اجرة مع علمه بالفساد ، و ظاهرهم الجواز بذلك ؛ و كذا لو

وهب بغير عقد ، فإن ظاهرهم جواز الاتلاف ، و لو كانت هبة فاسدة لم يجز ، بل منع

من مطلق التصرف ، و هو ملحظ و جيه ، انتهى-

و فيه : أن معنى جريان امعاطاة في الاجارة على مذهب المحقق

الثاني : الحكم بملك المأمور الأجر المعين على الأمر ، و ملك الأمر العمل المعين على

المأمور به و لم نجد من صرح به في المعاطاة-

و أما قوله : (( لو كانت اجارة فاسدة لم يجز له العمل )) ، فموضع نظر ؛ لأن

فساد المعاملة لا يوجب منعه عن العمل ، سيما اذا لم يكن العمل تصرفاً في عين من

أموال المستأجر-

و قوله : (( لم يستحق اجرة مع علمه بالفساد )) ، ممنوع لأن الظاهر ثبوت

أجرة المثل ، لأنه لم يقصد التبرع و إنما قصد عوضاً لم يسلم له-

و أما مسألة الهبة ، فالحكم فيها بجواز اتلاف الموهوب لا يدل على جريان

المعاطاة فيها إلا اذا قلنا في المعاطاة بالاباحة ؛ فإن جماعة كالشيخ و الحلّي و العلامة

صرحوا : بأن اعطاء الهدية من دون الصيغة يفيد الاباحة دون الملك ؛ لكن المحقق



الثاني ممّن لا يرى كون المعاطاة عند القائلين بهما مفيداً للاباحة المجردة-  
و توقّف الملك في الهبة على الايجاب و القبول ، كاد أن يكون متّفقا عليه ،  
كما يظهر من المسالك- و ممّا ذكرنا يظهر المنع في قوله : بل مطلق التصرف-  
هذا ، ولكنّ الاظهر بناءً على جريان المعاطاة في البيع ، جريانها في غيره من  
الاجارة والهبة ؛ لكون الفعل مفيداً للتمليك فيهما- و ظاهر المحكّي عن التذكرة عدم  
القول بالفصل بين البيع و غيره ، حيث قال في باب الرهن : إنّ الخلاف في الاكتفاء  
فيه بالمعاطاة والاستيجاب عليه المذكور في البيع آتٍ هنا ؛ انتهى-  
لكن استشكله في محكّي جامع المقاصد : بأنّ البيع ثبت فيه حكم المعاطاة  
بالاجماع ، بخلاف ما هنا- و لعلّ وجه الاشكال : عدم تأتّي المعاطاة بالاجماع في  
الرهن على النحو الذي أجروها في البيع ، لأنّها هناك أمّا مفيدة للاباحة ، أو الملكيّة  
الجائزة- على الخلاف- ؛ و الأوّل غير متصوّر هنا ؛ و أمّا الجواز فكذلك ، لأنّه ينافي  
الوثوق الذي به قوام مفهوم الرهن ، خصوصاً بملاحظة أنّه لا يتصوّر هنا ما يوجب  
رجوعها الى اللزوم ، ليحصل به الوثيقة في بعض الأحيان ؛ و ان جعلناها مفيدةً للزوم ،  
كان مخالفاً لما أطبقوا عليه من توقّف العقود اللازمة على اللفظ ،- و كأنّ هذا الذي  
دعا المحقّق الثاني الى الجزم بجريان المعاطاة في مثل الاجارة و الهبة و القرض ، و  
الاستشكال في الرهن-

نعم من لا يبالى مخالفة ما هو المشهور بل المتفق عليه بينهم من توقّف  
العقود اللازمة على اللفظ أو حمل تلك العقود على اللازمة من الطرفين فلا يشمل  
الرهن- و لذا جوّز بعضهم الايجاب بلفظ الامر كخُذهُ ، و الجملة الخبريّة- أمكن أن



يقول بافادۃ المعاطاة فى الرهن اللزوم ؛ لاطلاق بعض أدلة الرهن ، و لم يقم هنا اجماع على عدم اللزوم كما قام فى المعاوضات۔ و لاجل ما ذكرنا فى الرهن ، يمنع من جريان المعاطاة فى الوقف بأن يكتفى فيه بالاقباض ؛ لأنّ القول فيه باللزوم منافٍ لما اشتهر بينهم من توقّف اللزوم على اللفظ و الجواز غير معروفٍ فى الوقف من الشارع ؛ فتأمل۔

نعم احتمال الاكتفاء بغير اللفظ فى باب وقف المساجد من الذكري ، تبعاً للشيخؒ۔ (رحمه الله) ثم إن الملزم للمعاطاة فيما تجرى فيه من العقود الاخر هو الملزم فى باب البيع، كما سننّب به بعد هذا الأمر۔

## ترجمہ

اور جہاں تک عوض کے بدلے میں اباحت کے صحیح ہونے کی بات ہے اس سلسلہ ہم مستقل بحث کرتے ہیں۔ خواہ ہم ملکیت پر موقوف تصرّفات کی اباحت کے صحیح ہونے کی بات کریں یا ان تصرّفات کے علاوہ کیساتھ اباحت کو مخصوص قرار دیں جو ملکیت پر موقوف نہیں ہیں۔

بہر حال اس سلسلے میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ اباحت معوضہ کی یہ قسم معاوضہ مالیہ نہیں ہے تاکہ دونوں عوضین ایک دوسرے کی ملکیت میں چلی جائیں بلکہ یہ دونوں مباح کرنے والے کا ہی ملک ہیں۔ فقط مباح کرنے والے نے اس پر تصرّفات کو مباح قرار دیا ہے۔ یہی امر موجب اشکال قرار پایا ہے اور اس نے اس قسم کے معاوضے کو شرعی اور متعارف معاوضوں سے خارج قرار دیا ہے۔ لہذا اس پر تجارت کا عنوان صادق آنا موجب تامل ہے۔ (مشکل ہے)۔ چہ جائیکہ اس



پر بیع کا عنوان صادق آئے۔ مگر یہ کہ معاطات کو صلح کی ہی ایک قسم قرار دی جائے کیونکہ لغت کے لحاظ سے معاطات، صلح کیساتھ مناسبت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس وقت معاطات تسالم اور توافق کے طور پر ہوگی (اور یہی صلح کا معنی ہے)۔ البتہ یہ بات تب ہوگی جب صلح کیلئے لفظ صلح کا ہونا شرط نہ ہو۔ جیسا کہ بعض روایات (۱) سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے (صلح میں لفظ صلح کا لانا شرط نہیں ہے)۔ جیسا کہ صلح کرنے والوں میں سے ایک کہے کہ جو تیرے پاس ہے وہ تیرا اور جو میرے پاس ہے وہ میرا، تو صلح صحیح ہوگی۔ اسی قسم کی روایات زوجین (میاں بیوی) کی مصالحت کے حوالہ سے بھی بیان ہوئی ہیں۔ (۲) پس اگر معاطات معاملہ مستقلہ ہوتا تو اسکی صحت کیلئے الناس مسلطون علی اموالہم (۳) اور المؤمنون عند شروطہم (۴) کا عموم ہی کافی تھا۔

اس فرض پر کہ اگر ایسی معاطات صحیح ہے تو یا المؤمنون عند شروطہم کے عموم کی وجہ سے مطلقاً (بیع یا مباح لہ دونوں کی طرف سے) لزوم کا کہیں گے یا مباح لہ کی طرف سے لازم اور بیع کی طرف سے جائز ہے۔ کیونکہ مباح لہ نے اپنا مال اپنی ملکیت سے خارج کیا ہے لہذا اس پر سلطنت نہیں رکھتا۔ جبکہ بیع کا مال اسکی ملکیت میں باقی ہے اور وہ ابھی تک اس پر مسلط ہے۔ یا مطلقاً عقد جائز ہے۔

بہر حال یہ تین وجوہ ہیں۔ جن میں پہلی اقویٰ ہے اور پھر دوسری۔ اور جہاں تک اس

(۱) وسائل ۱۳: ۱۶۵ باب ۵ حدیث ۱

(۲) وسائل ۱۵: ۹۰، ۹۱ باب ۱۱ حدیث ۱، ۲، ۳، ۴، ۵

(۳) عوالی اللآلی ۱: ۲۲۲

(۴) عوالی اللآلی ۱: ۲۱۸ حدیث ۸۴، الوافی ۱۲: ۱۲۷



صورت کا تعلق ہے کہ اباحت، عوض کے مباح ہونے کے بدلے میں ہو تو اس میں بھی ہمارے گذشتہ بیان سے اشکال ظاہر ہے۔ اس میں بھی روایات کے عموم کی وجہ سے اقویٰ صحت اور لزوم ہے۔ یا اصالت تسلط کی وجہ سے طرفین کیلئے جواز ہے۔

پانچواں امر:

بیع کے علاوہ دوسرے عقود میں بھی معاطات جاری ہے یا نہیں۔ جان لیں: کہ مرحوم محقق کرکی سے جامع المقاصد میں حکایت کیا گیا ہے کہ بعض علماء کرام کے کلام میں کچھ ایسی عبارتوں کا تذکرہ ہے جن کا مقتضی یہ ہے کہ اجارہ میں بھی معاطات معتبر ہے۔ اسی طرح ہبہ میں بھی۔

اجارہ میں اس طرح ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کو حکم دے کہ فلاں کام انجام دو۔ اس کے بدلے میں فلاں معین عوض دوں گا۔ تو اس کا یہ عمل اجرت کا مستحق ہے۔ اگر یہ اجارہ فاسد ہوتا تو اس کا عمل بھی درست نہ ہوتا اور فاسد ہونے کا علم رکھنے کی وجہ سے مستحق اجرت بھی نہ ہوتا۔ جبکہ علماء کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر کو عقد کے بغیر ہبہ کرے تو علماء کی عبارات سے ظاہر ہے موہوب لہ اسکو تلف کر سکتا ہے۔ اگر یہ ہبہ فاسد ہوتا تو تلف کرنا جائز نہ تھا۔ بلکہ اسے مطلق تصرف سے ہی منع کر دیا جاتا۔ یہ نظریہ عمدہ اور قابل قبول ہے۔ (۱) (اختتام کلام محقق کرکی)

اس میں یہ اشکال ہے کہ محقق ثانی کے مذہب کے مطابق اجارہ میں معاطات کے جاری ہونے کا یہ معنی بنتا ہے کہ ما مور (مزدور) آمر کے حکم کرنے کی وجہ سے اجرت معین کی ملکیت کا مالک ہے اور اسکے مطالبے کا حق رکھتا ہے اور آمر ما مور کے معین عمل کا مالک ہے۔ اور حق رکھتا ہے کہ ما مور سے اس عمل کو طلب کرے۔

(۱) جامع المقاصد ۴: ۵۹



جبکہ ہم نے معاطات میں کسی عالم کو نہیں دیکھا جو ایسے حکم کی تصریح کرے۔ اور جہاں تک ان کا یہ کہنا کہ اگر اجارہ فاسد ہوتا تو اس کا عمل بھی درست نہ تھا۔ یہ بھی موردِ اشکال ہے۔ کیونکہ فساد معاملہ اس کا موجب نہیں بنتا کہ عمل سے روک دیا جائے۔

خصوصاً وہاں جہاں عمل مستأجر کے اموال میں کسی عین میں تصرف کا موجب نہ ہو۔ اور جہاں تک ان کا یہ کہنا ہے کہ اگر اسے فاسد ہونے کا علم ہے تو اجرت کا مستحق نہیں ہے تو یہ بھی مورد اشکال ہے۔ کیونکہ ظاہراً اجرت مثل ثابت ہے کیونکہ اس نے مفت میں کام کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے تو فقط عوض کا قصد کیا تھا جو اسے نہیں ملا۔

اور جہاں مسئلہ ہبہ کا تعلق ہے تو اس میں موہوب کے تلف کرنے کے جواز کے حکم سے یہ دلالت نہیں کرے گا کہ ہبہ میں معاطات جاری ہو سکتی ہے۔ مگر یہ کہ ہم معاطات میں اباحت کے قائل ہو جائیں۔ جیسا کہ ایک گروہ (شیخ (۱)، ابن ادریس حلی (۲) اور علامہ (۳)) نے تصریح کی ہے کہ بغیر صیغہ کے کسی کو ہدیہ دینا؛ اباحت کا فائدہ دیتا ہے ملکیت کا نہیں۔ جبکہ محقق ثانی (۴) ان لوگوں میں سے نہیں ہیں، جو اس بات کے قائل ہیں کہ معاطات اباحتِ مجردہ کا فائدہ دیتی ہے۔ اور ہبہ میں ملکیت ایجاب و قبول پر موقوف ہے۔ قریب ہے کہ اسی پر تمام علماء کا اتفاق بھی ہو۔ جیسا کہ مسالک (۵) سے بھی یہی ظاہر ہے۔

(۱) المہبوط ۳: ۳۱۵

(۲) السرار ۳: ۱۷۷

(۳) القواعد ۱: ۲۷۴

(۴) جامع المقاصد ۴: ۵۸

(۵) المسالک الافہام ۶: ۱۰



جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے محقق کر کی کی اس بات پر بھی اشکال واضح اور ظاہر ہو جاتا ہے جو انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر مذکورہ ہبہ فاسد ہوتا تو موہوب لہ کسی قسم کا تصرف بھی نہ کر سکتا۔ بہر حال جو کچھ ذکر ہوا ہے اسے ذہن نشین رکھیں۔

ہمارے خیال میں اظہر اور بہتر یہی ہے کہ اگر بیع میں معاطات کو جاری سمجھتے ہیں تو یہ غیر بیع یعنی اجارہ اور ہبہ میں بھی جاری ہوگی۔ کیونکہ ان دونوں میں بھی بیع فعلی کی طرح، معاطات مفید ملک ہے۔ اور کتاب تذکرہ (۱) سے حکایت کیے گئے قول کا ظاہر بھی یہی ہے کہ کسی عالم دین نے بیع کو دوسرے عقود سے جدا تصور نہیں کیا۔ یعنی جو معاطات کو بیع میں جاری سمجھتا ہے دوسرے عقود میں بھی جاری سمجھتا ہے۔

بہر حال وہ باب رہن میں فرماتے ہیں کہ بیع میں جو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ بعض نے معاطات، استیجاب (درخواست ایجاب) اور ایجاب کو اس میں کافی سمجھا ہے۔ اور بعض نے اس پر اکتفاء نہیں کیا۔ یہی اختلاف رہن میں بھی آئے گا۔ (کہ بعض معاطات کو کافی سمجھتے ہیں اور بعض کافی نہیں سمجھتے)۔ لیکن محقق کر کی نے جامع المقاصد (۲) میں علامہ کے فرمان کو مورد اشکال قرار دیا ہے کہ بیع میں تو اجماع کے ذریعے حکم معاطات ثابت ہے۔ جبکہ رہن میں اس طرح نہیں ہے۔

شاید محقق ثانی کے اشکال کی وجہ یہ ہو کہ اجماع کیساتھ جو معاطات بیع میں جاری ہے اس طرح رہن میں جاری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ علماء کے اختلاف کی وجہ سے باب بیع میں معاطات یا تو مفید اباحت تھی یا مفید ملکیت جائزہ تھی۔ یہ دونوں صورتیں باب رہن میں نہیں ہیں۔ کیونکہ اباحت کا تو رہن میں تصور تک نہیں ہو سکتا۔ (کیونکہ رہن سے غرض یہ ہوتی ہے کہ مرہن کے پاس ایک وثیقہ

(۱) تذکرہ ۱۴:۲ (۲) جامع المقاصد ۵:۲۵



موجود ہو کہ اگر اسے حق نہ ملے تو اس وثیقہ کو بیچ کر اپنا حق حاصل کرے۔ اسکا لازمہ یہ ہے کہ راہن اور مرتہن اسمیں حق تصرف نہیں رکھتے۔ پس راہن مفید اباحت نہیں) اور اگر چہ راہن کو مفید لزوم قرار دینا بھی درست نہیں کیونکہ اس کا معنی یہ ہے پہلا مالک جب بھی چاہے اسے واپس لے سکتا ہے واضح یہ معنی وثیقہ ہونے (کہ مفہوم راہن کا اسی کیساتھ قوام ہے) کے منافی ہے۔ نیز وہ چیز جو اسکے لازم ہونے کی موجب ہے کہ جس کی وجہ سے بعض اوقات وثیقہ محقق ہوتا ہے، اُس چیز کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اور اگر معاطات کو راہن میں مفید لزوم قرار بھی دے دیں تو یہ علماء کرام کے اس اتفاق کے مخالف ہوگا کہ عقود لازمہ لفظ پر موقوف ہیں۔ گویا یہی وجہ تھی کہ محقق کرکی نے اجارہ، ہبہ اور قرض میں جزماً کہا ہے کہ معاطات جاری ہو سکتی ہے اور راہن میں تردید کیا ہے۔ (۱)

ہاں البتہ اگر کوئی مشہور کے اس متفقہ نظریے کی مخالفت کی پروا نہ کرے کہ عقود لازمہ الفاظ پر موقوف ہیں۔ یا ان کو ان عقود پر حمل کرے جو طرفین سے لازم ہوتے ہیں (مثل بیع و اجارہ) تو راہن ان عقود کو شامل نہیں ہوگا۔ لہذا اسی وجہ سے بعض علماء نے راہن میں لفظ امر جیسے خذہ یا جملہ خبریہ کیساتھ ایجاب کو قابل وقوع سمجھا ہے (۲) ممکن ہے کہ ہم یہ کہیں کہ راہن میں معاطات لزوم کا فائدہ دیتی ہے۔ کیونکہ بعض ادلہ راہن مطلق ہیں (۳)۔ نیز راہن میں معاطات کے عدم لزوم پر کوئی اجماع بھی قائم نہیں ہے۔ جبکہ معاوضات میں یہ اجماع قائم ہے۔ جو کچھ ہم نے راہن میں ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ وقف میں بھی معاطات کا جاری ہونا ممنوع ہے کہ ہم صیغہ جاری نہ کریں صرف اقباض پر اکتفاء کریں۔ کیونکہ وقف معاطاتی میں لزوم کا کہنا، مشہور کے منافی ہے کہ لزوم لفظ پر موقوف

(۱) جامع المقاصد ۵: ۲۰ (۲) جیسے شہید دروس کی کتاب راہن میں ہیں۔ دیکھیں دروس ۳: ۳۸۳

(۳) جیسے ”فِرْہَانُ مَقْبُوضَةٌ“ بقرہ: ۲۸۳۔ نیز روایت کیلئے وسائل ۱۳: ۱۲۱ کتاب راہن دیکھیں۔



ہے۔ اور شارع کی طرف سے جواز کا حکم غیر معروف ہے۔ فتاٰ مل۔

البتہ کتاب ذکرئی (۱) میں شیخ (۲) کی اتباع کرتے ہوئے مرحوم شہید کے کلام سے ظاہر ہوتا کہ مساجد کا وقف میں لفظ کے بغیر بھی کافی ہے۔ بہر حال اس امر کے بعد عنقریب تذکرہ ہوگا کہ جن عقود میں بیع معاطات جاری ہوتی ہے اور جو چیزیں بیع معاطاتی میں لزوم کا سبب بنتی ہیں وہی چیزیں باب بیع میں بھی لزوم لاتی ہیں۔

## حل عبارات

قولہ: بل کلاهما ملک للمبیح: ؛ کلاهما؛ کی ضمیر عوضین کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: من جهة خروجه عن المعاوضات المعهودة: اس کا معاوضات شرعی اور عرفی سے نکلنے کی وجہ یہ ہے کہ ان معاوضات میں سے کسی کو اس طرح نہیں دیکھا گیا کہ احد العوضین کسی دوسرے عوض کے بغیر طرفین کی ملکیت میں آئی ہوں۔

قولہ: لمناسبة له لغة: ؛ لہ؛ کی ضمیر صلح کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لانه في معنى التسالم الخ: ؛ لانه؛ کی ضمیر اباہ بعوض کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بناء على انه لا يشترط فيه: ؛ انه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے اور؛ فیہ؛ کی ضمیر صلح

کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بعض الاخبار الدالّ علی صحته: ان روایات میں سے ایک وہ حدیث ہے

(۱) الذکرئی: ۱۵۸

(۲) المبسوط: ۱۶۲



جیسے مرحوم صاحب وسائل نے ج (۱۳) ص (۱۶۵) میں ذکر کیا ہے۔  
 قولہ: ما ورد فی مصالحۃ الزوجین: اس روایت کی مثل روایت مرحوم صاحب  
 وسائل نے ج (۱۵) ص (۹۰) میں ذکر کی ہے۔

قولہ: حیث انه یخرج مالہ عن ملکہ:؛ انه؛ کی ضمیر مباح لہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: حیث ان مالہ باق علی ملکہ:؛ مالہ؛ کی ضمیر میبج کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فہو مسلط علیہ:؛ ہو؛ کی ضمیر میبج کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: اعلم انه ذکر المحقق الثانی:؛ انه؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔

قولہ: و ذلک لانه الخ: تقریر کیفیت تحقق معاطات دراجارہ ہے۔

قولہ: لانه اذا امرہ بعمل علی عوض:؛ لانه؛ کی ضمیر اور؛ امرہ؛ میں ضمیر فاعلی آمر

کی طرف اور اس کی ضمیر مفعولی ما مور کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فعملہ استحق الاجرة:؛ عملہ؛ میں ضمیر فاعلی ما مور کی طرف اور ضمیر مفعولی عمل کی

طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لم یجز لہ العمل:؛ لہ؛ کی ضمیر ما مور کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: مع علمہ بالفساد:؛ عملہ؛ کی ضمیر ما مور کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: الجواز بذلک: مقصود از؛ جواز؛ جواز اجارہ ہے۔ اور مشاڑ الیہ؛ ذلک؛ معاطات

ہے۔

اقولہ: جواز الاتلاف: یعنی جواز اتلاف موہوب لہ۔

قولہ: لا یوجب منعه عن العمل:؛ منعه؛ کی ضمیر عامل کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: من اموال المستاجر:؛ مستاجر؛ سے مراد طالب الاجیر ہے۔



قولہ: لانه لم يقصد التبرع:؛ لانه؛ کی ضمیر عامل کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: جریانہا فی غیرہ:؛ جریانہا؛ کی ضمیر معاطات کی طرف اور؛ غیرہ؛ کی ضمیر بیع کی

طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: للتملیک فیہما:؛ فیہما؛ کی ضمیر ہبہ اور اجارہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فی الاکتفاء فیہ بالمعاطاة:؛ فیہ؛ کی ضمیر رہن کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: آت ہنا: مشاڑ الیہ؛ ہنا؛ رہن ہے۔

قولہ: لکن استشکلہ فی محکّی جامع المقاصد:؛ استشکلہ؛ میں ضمیر منصوبی عدم

القول بالفصل کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بخلاف ما ہنا: مشاڑ الیہ؛ ہنا؛ رہن ہے۔

قولہ: لانہا ہناک الخ:؛ لانہا؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے اور مشاڑ الیہ

؛ ہناک؛ بیع ہے۔

قولہ: غیر متصور ہنا: مشاڑ الیہ؛ ہنا؛ رہن ہے۔

قولہ: و اما الجواز فکذلک: یعنی غیر متصور۔

اولہ: لانه ینافی الوثوق:؛ لانه؛ کی ضمیر جواز کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بملاحظہ انہ لا یتصور ہنا:؛ انہ؛ کی ضمیر بمعنای شأن ہے۔

قولہ: ما یوجب رجوعہا الی اللزوم:؛ رجوعہا؛ کی ضمیر ملکیت جائزہ کی طرف لوٹ

رہی ہے۔

قولہ: لیحصل بہا الوثیقة:؛ بہ؛ کی ضمیر لزوم کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و ان جعلناہا: ضمیر مؤنث معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔



قولہ: و کان هذا: مشاڑ الیہ؛ ہذا؛ ایراد و اشکال در جریان معاطات در رہن ہے۔

قولہ: و لم یقم هنا اجماع الخ: مشاڑ الیہ؛ هنا؛ باب رہن ہے۔

قولہ: بان یکتفی فیہ بالاقباض:؛ فیہ؛ کی ضمیر وقف کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لان القول فیہ باللزوم:؛ فیہ؛ کی ضمیر وقف کی طرف لوٹ رہی ہے۔

## وضاحت

عوض کے بدلے میں مال کی اباحت پر اشکال:

چوتھی تشبیہ میں معاطات کے چا معانی ذکر کئے تھے۔ ان میں سے آخری دو معانی کی بحث ہو رہی تھی، آیا یہ صحیح ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ دو معانی یہ تھے۔

(۱) صحت الاباحت بالعوض

(۲) صحت الاباحت بالاباحت۔

خواہ ہم اس کے قائل ہو جائیں کہ تمام تصرّفات مباح ہیں حتی موقوفہ علی الملک۔ یا ہم قائل ہو جائیں کہ وہ تصرّفات مباح ہیں جو موقوفہ علی الملک نہیں؟۔

فرماتے ہیں:

اباحت بالعوض اور اباحت بالاباحت والا کوئی معاوضہ مالیہ ہمارے سامنے نہیں آیا۔ نہ ہم اسکو بیع میں داخل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بیع میں دو طرفہ عوض و معوض ہوتا ہے۔ نہ ہم اسکو صلح میں داخل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ صلح کیلئے باقاعدہ الفاظ کی ضرورت ہے۔

البتہ اگر ہم یہ کہیں کہ صلح کیلئے کوئی خاص لفظ کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے کوئی آدمی کہے



لک ما عندک اور لی ما عندی تب بھی صلح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کے درمیان لفظ صلح نہ بھی ہو تب بھی صلح ہو جاتی ہے۔ اگر ہم اس کے قائل ہو جائیں تو معاطات کو مصالحت کہہ سکتے ہیں۔

### آیا یہ معاوضہ مستقلہ ہے؟

بہر حال لگتا ایسا ہے کہ یہ کوئی معاملہ مستقلہ ہے۔ جس کے ایک طرف سے اباحت ہے اور دوسری طرف سے عوض ہے۔ اور اگر یہ معاملہ مستقلہ بن جائے تو پھر آپ کیلئے دو دلیلیں سامنے آسکتی ہیں۔

(۱) الناس مسلطون علی اموالہم

(۲) الْمُؤْمِنُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ

اگر یہ معاوضہ مستقلہ بن جائے تو پھر ہمیں کیا کیا چاہیے آیا اس میں قائل ہو جانا چاہیں کہ

(۱) مطلقاً لازم ہے

(۲) یہ مباح نہ کیلئے لازم ہے، میج کیلئے نہیں۔ یعنی جسکے لیے مباح کیا گیا ہے اسکے لئے

یہ معاطات (اباحت و تملیک دونوں صورتوں میں) لازم ہے۔

(۳) مطلقاً یکطرفہ جواز کا کہتی ہے۔ لزوم کسی صورت میں بھی نہیں ہے۔

فرماتے ہیں: ان تینوں میں سے اتنی پہلی وجہ ہے۔ اور دوسری وجہ دوسرے نمبر پر ہے۔ یہ

تو معاملہ اباحت بالعوض کا تھا۔

جہاں تک اباحت بالا اباحت کا تعلق ہے۔ اسمیں بھی گزشتہ اشکالات لازم آتے ہیں۔ اور

وہی گزشتہ بحث ہوگی کہ صحت کے قائل ہو جائیں۔ یا لزوم کے قائل ہو جائیں۔

فرماتے ہیں: جس طرح اباحت بالعوض میں لزوم کے قائل تھے اس طرح اباحت

بالا اباحت میں بھی لزوم کا قائل ہونا چاہیے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ ان دو صورتوں میں اگر معاطات کی



جائے تو شیخنا العلامہ فرماتے ہیں کہ بعید نہیں کہ یہ صحیح بھی ہو۔ اور بعید نہیں کہ یہ لازم بھی ہو۔  
پانچویں تشبیہ: کیا بیع کے علاوہ دوسرے عقود بھی معاطات میں جاری ہو سکتے ہیں؟

جس طرح ہم بیع میں معاطاة جاری کر رہے ہیں۔ اسی طرح یہ معاطات اجارہ اور ہبہ میں جاری ہو سکتی ہے یا نہیں۔ مثلاً ایک آدمی کسی کو حکم دیتا ہے آپ کام کریں۔ اور آپکو عوض معین دیا جائے گا۔ اسکا عمل اجارہ کا مستحق ہے۔ علماء کرام کہتے ہیں کہ اگر یہ اجارہ فاسد ہو جائے تو نہ یہ اجرت کا مستحق ہوگا اور نہ ہی عمل اسکے لئے کافی ہوگا۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس طرح کا اجارہ جائز ہے۔  
اسی طرح اگر کوئی بغیر عقد کے آدمی ہبہ کرتا ہے تو علما کہتے ہیں کہ یہ ہبہ فاسد ہوگا۔  
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اجارہ معاطاتی ہو سکتا ہے۔ اگر ہبہ معاطاتی ہو جائے تو کیا حرج ہے؟

فرماتے ہیں: اگرچہ یہ نئی چیز ہے۔ آج تک کوئی بھی اجارہ معاطاتی اور ہبہ معاطاتی کا قائل نہیں ہوا ہے۔ پھر بھی اسکو تسلیم کر لیتے ہیں۔ کیونکہ اگر بیع معاطاتی ہو سکتی ہے تو اجارہ و ہبہ بھی معاطاتی ہو سکتے ہیں۔

### آیا رہن میں معاطات جاری ہو سکتی ہے یا نہیں؟

قائدہ تورہن میں جاری نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ معاطات زیادہ سے زیادہ جواز کو بتاتا ہے۔ جبکہ رہن میں معاملہ پختہ ہوتا ہے۔ یعنی رہن میں وثیقہ ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اجارہ و بیع دو طرفہ ہوتی ہے۔ اور رہن میں وثوق یک طرفہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو رہن معاطاتی نہیں ہونا چاہئے۔

فرماتے ہیں: جب اجارہ و ہبہ معاطاتی ہو سکتے ہیں تو رہن میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ معاطات ہر چیز پر لاگو ہو رہی ہے۔ لہذا اگر اجارہ اور ہبہ کے بعد اس پر (یعنی رہن پر) لاگو ہو



تو کوئی حرج نہیں ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ وقف میں معاطات جاری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وقف میں اقباض ہوتا

ہے۔ یعنی آپ نے قبضہ میں دیا ہے۔

فرماتے ہیں: بیع، اجارہ، ہبہ، قرض اور رہن کی طرح وقف میں بھی لزوم بھی ہے۔ اور

معاطات بھی جاری ہو سکتی ہے۔



# اقتیساواں درس

چھٹی تہیہ

ملکیت اور اباحت دونوں اقوال کی رو سے ملزماں معاطاں

لرؤم اور جواز میں اصل کیا ہے؟

تلف عووضین

عنین کے تلف کی صورتیں







# اكتيسواا درس

الأمر السادس: في ملزمات المعاطاة على كل من القول با لملك ق القول

بالاباحة-

إعلم: أن الأصل على القول با لملك اللزوم؛ لما عرفت من الوجوه الثمانية

المتقدمة-

و أما على القول با لاباحة فالأصل عدم اللزوم؛ لقاعدة تسلط الناس على

أموالهم، و أصالة سلطنة المالك الثابة قبل المعاطاة، و هى حاكمة على أصالة بقاء

الاباحة الثابة قبل رجوع المالك، لو سلم جرياً نها-

إذا عرفت هذا فاعلم أن تلف العوضين ملزم إجماعاً، على الظاهر المصرح به

فى بعض العبائر- أما على القول بالاحاة، فواضح؛ لأن تلفه من مال مالكة، ولم يحصل

ما يو جبضمان كل منها مال صاحبه-

و توهم جريان قاعدة الضمان با ليد هنا، مندفع بما سيجىء-

و أما على القول با لملك، فلما عرفت من أصالة اللزوم و المتيفن من مخالفتها

جواز تراد العينين، و حيث ارتفع مورد التراد امتنع؛ و لم يثبت قبل التلف جواز المعاملة

على نحو جواز البيع الخيارى حتى يستصحب بعد التلف، لأن ذلك الجواز من

عوارض العقد لا العوضين، فلو مانع من بقاءه، بل لا دليل على ارتفاعه بعد



تلفها، بخلاف ما نحن فيه، فإنّ الجواز فيه هنا بمعنى جواز الرجوع في العين، نظير جواز الرجوع في العين الموهوبة، فلا يبقى بعد التلف متعلق الجواز، بل الجواز هنا يتعلق بموضوع التراد، لا مطلق الرجوع الثابت في الهبة.

هذا، مع أن الشك في أن متعلق الجواز هل هو أصل المعاملة أو الرجوع في العين أو تراد العينين؟ يمنع من استصحابه، فإن المتيقن تعلقه بالتراد، إذ لا دليل في مقابلة أصالة اللزوم على ثبوت أزيد من جواز تراد العينين الذي لا يتحقق إلا مع بقا  
ثهما.

و منه يعلم حكم ما لو تلف احدى العينين أو بعضها على القول بالملك.  
و أمّا على القول بالاباحة، فقد استوجه بعض مشايخنا وفاقاً لبعض معاصريه تبعاً للمسالك: أصالة عدم اللزوم؛ لأصالة بقاء سلطنة مالك العين الموجودة و ملكه  
لها.

و فيه: انها معارضة بأصالة براءة ذمته عن مثل التالف عنده أو قيمته؛ و التمسك بعموم ((على اليد)) هنا في غير محله، بعد القطع بأن هذه اليد قبل تلف العين لم تكن يد ضمان بل ولا بعده إذا بنى مالك العين الموجودة على امضاء المعاوضة و لم يرد الرجوع، أمّا الكلام في الضمان إذا أراد الرجوع، و ليس هذا من مقتضى اليد قطعاً.

هذا و لكن يمكن أن يقال: إنّ أصالة بقاء السلطنة حاکمة على أصالة عدم الضمان بالمثل أو القيمة، مع أنّ ضمان التالف يبدله معلوم، إلا أنّ الكلام في أنّ البديل هو البديل الحقيقي، اعنى، المثل أو القيمة، أو البديل الجعلي، أعنى: العين الموجودة



فلا أصل۔

هذا، مضافاً الى ما قد يقال: من أنّ عموم ((الناس مسلطون على اموالهم)) يدلّ على السطنة على المال الموجود بأخذه و على المال التالف بأخذ بدله الحقيقي، وهو المثل أو القيمة، فتدبر۔

## ترجمہ

چھٹا امر:

قول بالملک اور قول بالاباحت کے حوالے سے ملزماتِ معاطات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اسے جان لیجئے کہ قول بالملک کی صورت میں اصل لزوم ہے۔ (جیسا کہ گذشتہ آٹھ وجوہات کے ذیل میں آپ جان چکے ہیں۔) اور قول بالاباحت کی صورت میں اصل عدم لزوم ہے۔ کیونکہ تسلط الناس على اموالهم کا قاعدہ یہی بتاتا ہے۔ اور معاطات سے پہلے مالک کیلئے اصالت سلطنت ثابت ہے۔ اور اگر تسلیم کر لیں کہ یہاں دوسرے مالک کیلئے اصالت اباحت جاری ہوگی تو تب بھی اصالت سلطنت اُس اصالت بقاء اباحت پر حاکم ہے جو مالک کے رجوع سے پہلے ثابت تھی۔

جب آپ اس مطلب کو جان چکے ہیں تو یہ بھی جان لیں کہ اس پر اجماع ہے کہ معاطات میں عوضوں کا تلف ہونا معاطات کیلئے لزوم لے آتا ہے۔ جیسا کہ بعض علماء کی عبارتوں (۱) سے بھی صراحت کیساتھ یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور جہاں تک قول بالاباحت کا تعلق ہے۔ یہ تو بالکل واضح ہے

(۱) حدائق الناضرہ، کتاب التجارة ص ۶۹، مفتاح الکرامہ، کتاب متاجر ص ۱۵۸



کیونکہ عوضوں کا تلف ہونا، مالک کے مال سے شمار ہوگا۔ اور کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہوئی جو ان دونوں کو ایک دوسرے کے مال کے مقابلے میں ضامن قرار دے۔ اور جیسا کہ عنقریب ذکر ہوگا کہ یہ وہم و خیال کرنا بھی درست نہیں ہے کہ یہاں ید کے سلسلے میں ضمانت والا قاعدہ جاری ہوگا۔

اور جہاں تک قول بالملک کا تعلق ہے۔ جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ اس میں اصل لزوم ملکیت ہے۔ اس اصل کی مخالفت کرنے میں قدر متیقن یہ ہے کہ دونوں عینیں موجود ہوں اور ان کا واپس پلٹانا ممکن ہو۔ لیکن اگر مورد تراد (و آپس لینا) ہی ممکن نہ ہو تو اصل کی مخالفت بھی ممنوع ہے۔ عوضوں کے تلف ہونے سے پہلے معاملہ اس طرح جائز ہی نہیں تھا۔ جیسے بیع خیاری میں جائز ہوتا ہے۔ تاکہ اسکا استحباب کر سکیں۔ اور تلف کے بعد بھی جائز کہیں۔ کیونکہ یہ جواز عوارض عقد سے ہے نہ کہ عوضوں سے۔ لہذا انہیں باقی رکھنے کا کوئی مانع موجود نہیں ہے۔ بلکہ عوضوں کے تلف کے بعد، خیار کے ختم ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ بخلاف ما نحن فیہ۔ معاطات میں جواز سے مراد یہ ہے کہ عین میں رجوع کرنا جائز ہے۔ یہ عین موہوبہ کے رجوع جواز کی مانند ہے۔ پس تلف کے بعد متعلق جواز ہی باقی نہیں ہے۔

بلکہ یہاں جواز کا موضوع تراد کیساتھ تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ مطلق رجوع کیساتھ۔ جیسا کہ ہبہ میں مطلق رجوع ثابت ہے۔ گذشتہ مطالب کے علاوہ فقط اتنا ہی کافی ہے کہ جب متعلق جواز میں شک ہے کہ آیا یہ اصل معاملہ ہے، عین کی طرف رجوع کرنا ہے یا عینوں کا واپس پلٹانا ہے۔ تو یہی استحباب کے جاری نہ ہونے کیلئے کافی ہے۔ کیونکہ رجوع کرنے میں قدر متیقن وہ مورد ہے جہاں دو عینوں کا واپس پلٹانا ممکن ہو۔ کیونکہ اصالت لزوم کے مقابل ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو جواز تراد عینین سے زیادہ کسی چیز کو ہمارے لیے ثابت کرے۔

بہر حال جواز تراد عینین فقط اسی صورت میں ممکن ہے جب دونوں عینیں باقی ہوں۔ اسی



سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ ملکیت کے قائلین کے نزدیک اگر ایک عین یا اس کا کوئی حصہ ضائع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور جہاں تک اباحت والے قول کا تعلق ہے۔ اس کے سلسلے میں ہمارے بعض مشائخ (۱) نے اپنے بعض معاصرین کے مطابق صاحب مسالک (۲) کی پیروی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسمیں اصالت؛ عدم لزوم ہے۔ کیونکہ موجودہ عین کے مالک کی اسی پر سلطنت باقی ہے اور اسکی ملکیت محفوظ ہے۔

اس استدلال پر یہ اشکال ہے کہ یہ اصالت، اصالت برائت ذمہ کے معارض ہے۔ کیونکہ اصالت برائت ذمہ تلف شدہ چیز کی مثل یا قیمت کا کہتی ہے۔ اور عموم ید سے تمسک کرنا بھی اس پر غیر محل ہوگا۔ خصوصاً جب یہ قطع ہو کہ عین کے تلف ہونے سے پہلے یہ ید، ید ضمان نہیں تھا۔ بلکہ تلف کے بعد بھی یہ ید ضمان نہیں ہے۔ کیونکہ عین موجودہ کے مالک کی بناء معاطات کا امضاء تھا اور وہ رجوع کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ اور ضمان کے متعلق تو وہاں گفتگو ہوگی جہاں رجوع کا ارادہ ہو۔ جبکہ قطعی طور پر مقتضی ید، یہ نہیں ہے۔

اس مطلب کو ذہن نشین رکھیں۔ لیکن ممکن ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اصالت بقاء سلطنت، اصالت عدم ضمان بالمثل یا بالقیمت پر حاکم ہے۔ نیز تالف کا اسکے بدل کا ضامن ہونا تو واضح ہے۔ فقط گفتگو اس میں ہے کہ آیا بدل سے مراد بدل حقیقی ہے یعنی مثل یا قیمت۔ یا بدل سے مراد بدل جعلی یعنی عین موجود ہے۔ لہذا اصالت عدم ضمان کی یہ جگہ ہی نہیں ہے۔ اس مطلب کو ذہن نشین رکھیں۔ اسکے علاوہ کہا گیا ہے کہ الناس مسلطون علی اموالہم (۳) کا عموم اس بات پر دلالت کرتا ہے

(۱) جواہر الکلام ۲۲: ۲۳۰، مناہل کی کتاب بیج ص ۶

(۲) مسالک ۱: ۱۷۰

(۳) عوالی اللالی ۱: ۲۲۲ حدیث ۹۹



کہ مالک کا موجودہ عین پر تسلط ہے جس کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر طرف مقابل سے لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ جیسا کہ مالک تالف بھی مال کا بدل حقیقی یعنی مثل با قیمت لے سکتا ہے۔ فتدبر۔

## حل عبارات

- قولہ: لو سلّم جریانہا:؛ جریانہا؛ کی ضمیر اصالتہ بقاء الاباحۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: لان هذا الجواز من عوارض العقد:؛ ہذا الجواز؛ سے مراد جواز بیع خیاری ہے۔
- قولہ: فلا مانع من بقائه: یعنی بقاء الجواز۔
- قولہ: بل لا دلیل علی ارتفاعہ: یعنی ارتفاع الجواز۔
- قولہ: بعد تلفہما: یعنی تلف العوضین۔
- قولہ: هل هو اصل المعاملۃ: جیسے بیع خیاری۔
- قولہ: او الرجوع فی العین: ہبہ کی مانند۔
- قولہ: او تراد العینین: چنانچہ معاطات کے بارے میں ہے۔
- قولہ: فان المتیقن تعلقہ بالتراد:؛ تعلقہ؛ کی ضمیر جواز کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: و منه يعلم حکم ما لو تلفت الخ:؛ منه؛ کی ضمیر حکم تلف عینین کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: بعموم علی الید ہنا: مشاڑ الیہ: ہنا؛ باب معاطات ہے۔

قولہ: و لیس هذا من مقتضی الید: مشاڑ الیہ: ہذا؛ ضمان در وقت ارادہ رجوع ہے۔

قولہ: اصالة بقاء السلطنة حاکمة علی اصالة عدم الضمان: چونکہ اصل اوّلی



اصل سببی اور دوسرا اصل مستببی ہے۔

قولہ: اعنى المثل او القيمة: یعنی مذکورہ مثال میں زید کو چاہئے کہ عمر کو قمیض یا اس کی قیمت عمر کو ادا کرے۔

قولہ: يد على السالطنة على المال الموجود: یعنی زید اپنے موجودہ مال [عباء] پر سلطنت رکھتا ہے۔

قولہ: وعلى المال التالف: یعنی عمر کو بھی اپنے تلف شدہ مال جو کہ قمیض تھی، پر سلطنت رکھتا ہے اور چونکہ یہ مال موجود نہیں، اس کا بدل یا اس کی قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

## وضاحت

چھٹی تشبیہ: ملکیت اور اباحت کی رو سے ملزمات معاطات

ملزمات معاطات کون کونسی چیزیں ہیں؟ یعنی ایسی چیزیں جنکی وجہ سے معاطات عقد لازم

بن جاتی ہے۔ معاطات میں دو قول تھے۔

(۱) مفید اباحت ہے۔

(۲) مفید ملک ہے۔

لزوم اور جواز میں اصل کیا ہے؟

ان دونوں کو مد نظر رکھتے ہوئے دیکھنا ہوگا کہ معاطات میں لزوم کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔

جہاں تک اصل کا تعلق ہے۔ اگر ہم ملک کے قائل ہوں تو معاطات میں اصل لزوم ہے۔ اسکی دلیل

وجوہ ثمانیہ متقدمہ ہیں۔ جنکا تذکرہ ہو چکا ہے۔ یعنی

(۱) اصل عقلائی: لوگ اس قسم کی خرید و فروخت کو جائز سمجھتے ہیں۔



(۲) استصحاب: یعنی اگر اعادہ کرنا چاہیں تو استصحاب کہے گا کہ بیچنے کے بعد فسخ کا اختیار نہیں۔

(۳) الناس مسلطون علیٰ اموالہم (۴) لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل

(۵) تجارة عن تراض (۶) لا یحل مال امرء

(۷) المؤمنون عند شروطہم (۸) یا ایہا الذین امنوا افوا بالعقود

(۹) البیعان بالخیار مالہم یفترقا۔

یہ سب دلیلیں مفید لزوم کا بتاتی ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر معاطات مفید اباحت ہو تو اصل عدم لزوم ہے۔ اسکی کئی وجوہات ہیں۔

(۱) الناس مسلطون علیٰ اموالہم بتاتا ہے کہ آپ تو مالک تھے۔ آپ نے اسکے لئے مباح قرار دیا تھا۔ اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ اسکے لئے لازم بن جائے۔

(۲) ہم شک کریں گے کہ آپ بطور اباحت کسی کو مال دیتے ہیں تو آپکی سلطنت (جبکہ آپ مالک تھے) ختم ہوئی یا نہیں۔ گویا اس سلطنت کا استصحاب ہوگا۔ ہم نے یہ چیز بطور اباحت دی تھی بطور ملک نہیں دی تھی کہ ملک ختم ہو جائے۔

معرض کہتا ہے کہ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ جیسے ہی کسی کے پاس ایک چیز چلی گئی ہے تو وہ مالک بن گیا۔ اب آپ واپس لینا چاہیں تو وہ مالک اپنے ملک کا استصحاب کریگا۔ فرماتے ہیں: مالک ثانی اپنے ملک کا استصحاب نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس نے اباحت کے عنوان سے دی تھی۔ لہذا اسکے لئے بیع لازم نہیں ہوئی ہے۔

### تلف عوضین

اب مسئلہ یہ ہے کہ تلف عوضین کی وجہ سے کیا معاملہ ہوگا؟ فرماتے ہیں: اگر عوضین تلف ہو جائیں تو معاطات لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ یا آپ معاطات کو مفید اباحت سمجھتے ہیں یا مفید ملک



سمجھتے ہیں۔ اگر مفید اباحت سمجھتے ہیں دونوں کیلئے مباح تھا۔ لہذا انکے پاس جو مال تھا وہ تلف ہوا ہے تو آپ کا تلف ہوا ہے۔ اسی طرح آپ کے پاس جو مال تلف ہوا ہے وہ اُسکا ہوا ہے۔ یعنی جب مال ہی تلف ہو گئے۔ اب لزوم بن جائے گا۔ اسوقت کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو ضمان کی موجب بنے۔ معترض کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے آپکو بطور اباحت مال دیا تھا تو قاعدہ علی الید ما اخذت حتی تؤدی دلالت کریگا کہ آپ اسکے ضامن ہو گئے۔ فرماتے ہیں: قاعدہ ید کام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ید، ید ضمانی نہیں تھا۔ یہاں فقط خرید و فروخت ہوئی ہے۔ اسکی تفصیل بعد میں آئے گی۔

اگر معاطات کو مفید ملک مانیں تو عقد، عقد لازم بن جائے گا۔ اور عقد لازم میں اگر واپس لینا چاہتے ہیں تو فقط ایک مخالفت کر سکتے ہیں کہ دونوں عنین موجود ہیں۔ اب اگر تراد (ایک دوسرے سے مال واپس لینا) جائز ہو تو یہ اسوقت ہو سکے گا۔ جب عنین موجود ہیں۔ اب جبکہ عنین موجود نہیں ہیں۔ لہذا اب مخالفت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مورد تراد ہی ختم ہو گیا ہے۔

کوئی شخص کہتا ہے۔ کیا اسکو بیع خیاری نہیں بنا سکتے؟ آپ نے اپنا مال اسکو عوض کے بدلے میں دیا ہے اور اس نے آپکو بعوض دیا ہے۔ اس کو خیار شرط یا خیار حیوان حاصل تھا۔ وہ خیار استعمال کرتا ہے۔ جب وہ خیار استعمال کرتا ہے تو اگر آپکے پاس عین مال ہے تو وہ لے لے گا۔ اگر عین نہیں ہے تو بدل لے گا۔ اگر بول بھی نہیں ہے تو اسکی قیمت لے گا۔ تو آیا مانحن فیہ میں بھی جب ایک عین تلف ہوگی ہے تو اس پر قیمت یا بدل آجائے؟

فرماتے ہیں: نہیں۔ کیونکہ ہم نے کہا تھا کہ یہ معاطات مفید ملک ہے۔ اور لازم ہے۔ لہذا واپسی کی ایک ہی صورت ہے کہ محل تراد واقع ہو۔ اور محل تراد تب واقع ہوگا، جب عنین موجود ہوں۔ جب عنین نہیں ہوں گے تو بیع خیاری والا سلسلہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بیع لازم ہو جائے گی۔ گویا مانحن



فیہ ہبہ کی بحث کیساتھ مربوط ہے۔ بیع خیاری کیساتھ مربوط نہیں۔

### عنین کے تلف کی صورتیں:

عنین کے تلف کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں

(۱) عنین تلف ہو جائیں۔ (۲) ایک عین تلف ہو جائے۔

(۳) ایک عین کا کچھ حصہ تلف ہو جائے۔ (۴) دونوں کا کچھ حصہ تلف ہو جائے۔

تراد کی اٹھائیس صورتیں ہو سکتی ہیں۔ شیخ صاحب کے علاوہ کسی نے ۲۸ صورتیں نہیں بتائیں۔ ان تمام میں بیع لازم ہو جاتی ہے۔ اور یہ اس وقت ہوگی جب ہم معاطات کو مفید ملک سمجھیں۔ اگر مفید اباحت سمجھیں تو اسکی بحث بعد میں ہوگی۔ یعنی مفید اباحت میں بھی یہی چار صورتیں جاری ہونگی۔ لیکن اصل عدم لزوم ہوگا۔ اس طرح آٹھ صورتیں بن گئیں۔

ان میں سے فقط آٹھ صورتوں میں سے چار اباحت والی۔ اور پہلی صورت ملک والی ہے۔ یعنی پہلی صورت کہ عنین باقی ہو تو رجوع جائز ہے۔ باقی تین ملک والی صورتوں میں رجوع جائز نہیں ہے۔ ان چار میں رجوع اسلئے جائز ہے کہ ایک شخص مالک تھا۔ معاطات کے بعد شک ہوا ہے تو پرانی سلطنت کا استصحاب کریں گے۔ اور الناس مسلطون علی اموالہم بھی یہی کہے گا۔

فرماتے ہیں: معاطات کے بعد جو مالک بنا ہے۔ وہ بھی تو استصحاب کر سکتا ہے کہ میں چند دن قبل مالک تھا۔ اب بھی مالک ہوں یا نہیں۔ استصحاب کریگا کہ میں مالک ہوں۔ لہذا مالک اول اور مالک ثانی کے استصحاب میں ٹکراؤ ہو جائے گا؟

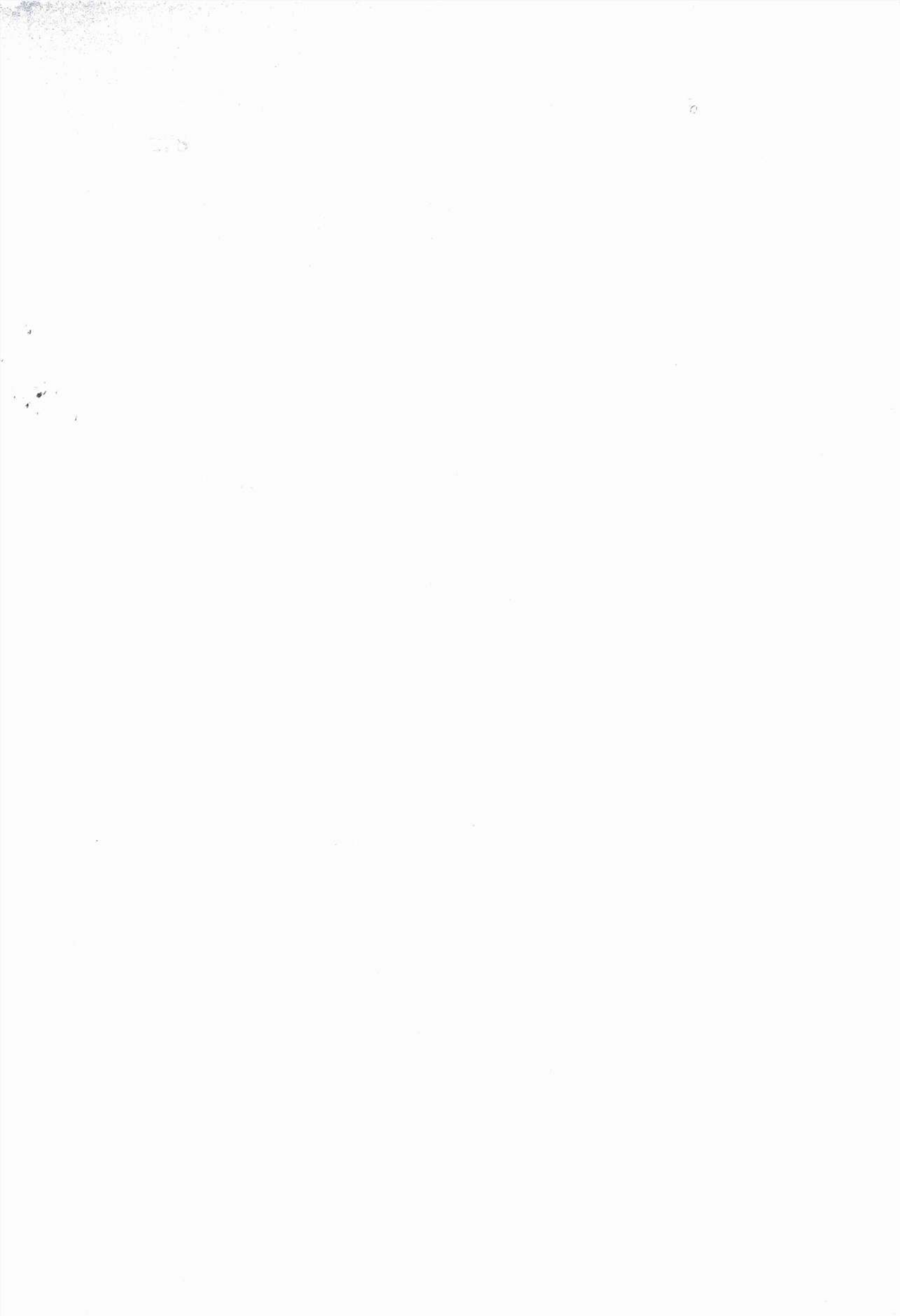
فرماتے ہیں: پہلے مالک نے مباح قرار دیا تھا۔ لہذا اس کا استصحاب دوسرے مالک کے استصحاب پر حاکم ہوگا۔ لہذا یہاں لزوم نہیں آیا۔ اور دوسرے مالک کو مال واپس کرنا ہوگا۔



# بتیسواں درس

آیا سقوط دین ملزم معاطات ہے؟  
دونوں یا کسی ایک عوض کا منتقل ہونا کیا حکم رکھتا ہے؟  
عقد فاسد ہونے کی صورت میں حکم  
کیا فسخ کے بعد عدم لزوم کا حکم ہوگا؟







## بتیسواں درس

و لو كان أحد العوضين ذيناً في ذمة أحد المتعاطيين ، فعلى القول بالملك يملكه من في ذمته، فيسقط عنه؛ و الظاهر أنه في حكم التلف ، لأن الساقط لا يعود ، و يحتمل العود، و هو ضعيفٌ ؛ و الظاهر أنّ الحكم كذلك على القول بالاباحة؛ فافهم-  
و لو نقل العينان أو إحداهما بعقدٍ لازم فهو كالتلف على القول بالملك:  
لامتناع التراد و كذا على القول بالاباحة إذا قلنا : باباحة التصرفات الناقلة- و لو عادت العين بفسخ ففي جواز الترادّ على القول بالملك لا مكانه فيستصحب ، و عدمه لأنّ المتيقّن من الترادّ هو المحقّق قبل خروج العين عن ملك مالكة ، و جهان ، أجودهما ذلك اذ لم يثبت في المقابلة أصالة اللزوم جواز الترادّ بقولٍ مطلق ، بل المتيقّن منه غير ذلك ، فالموضوع غير محرز في الاستصحاب - و كذا على القول بالاباحة؛ لأنّ التصرف الناقل يكشف عن سبق الملك للمتصرف ، فيرجع بالفسخ الى ملك الثاني ، فلا دليل على زواله ، بل الحكم هنا اولى منه على القول بالملك؛ لعدم تحقّق جواز الترادّ في السابق هنا حتى يستصحب ، بل المحقّق أصالة بقاء سلطنة المالك الأوّل المقطوع بانتفائها-

نعم لو قلنا: بأنّ الكاشف عن الملك هو العقد الناقل ، فاذا فرضنا ارتفاعه بالفسخ عاد الملك الى المالك الأوّل ، و ان كان مباحاً لغيره ما لم يسترّد عوضه كان



مقتضى قاعدة السلطنة جواز الترادّ لو فرض كون العوض الآخر باقياً على ملك مالكة الأول أو عائداً اليه بفسخ، و كذا لو قلنا: بؤناً البيع لا يتوقف على سبق المالك، بل يكفى فيه اباحة التصرف و الاتلاف، و يملك الثمن بالبيع، كما تقدّم استظهاره عن جماعة في الأمر الرابع. لكن الوجهين ضعيفان، بل الاقوى رجوعه بالفسخ الى البائع.

## ترجمہ

اگر عوض دونوں متعاطین میں سے کسی کے ذمہ میں قرض ہو تو ملکیت والے قول کے مطابق وہ مافی الذمہ کا مالک بن جائے گا اور قرض ساقط ہو جائے گا۔ ظاہراً یہ سقوط تلف کے حکم میں ہے۔ کیونکہ جو چیز ساقط ہو جاتی ہے وہ پلٹتی نہیں ہے۔ اور اسکے پلٹنے کا احتمال ضعیف ہے۔ ظاہراً اباحت والے قول کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔ فافہم۔

اور اگر عقد لازم کیساتھ دونوں عینیں یا ایک عین منتقل ہو جائے تو ملکیت والے قول کی رو سے یہ تلف ہے چونکہ اب پہلا مالک دوسرے سے نہیں لے سکتا (چونکہ سے تیسرے کے پاس بیچ چکا ہے) اور اگر ہم کہیں کہ تصرفات ناقلاً بھی مباح ہیں تو اباحت والے قول کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر عین، فسخ کی وجہ سے تیسرے مالک سے پلٹ آئے۔ تو قول بالملک کی صورت میں آیا پہلے مالک کیلئے تراد بھی جائز ہے۔ کیونکہ استصحاب ہو سکتا ہے۔ یا جائز نہیں ہے کیونکہ تراد میں قدر متیقن وہاں متحقق ہوتا ہے جب عین مالک کی ملکیت سے خارج نہ ہو۔ یہ دو وجہیں ہیں۔ جن میں دوسری وجہ بہتر ہے۔ کیونکہ یہ ثابت نہیں ہے کہ اصالت لزوم کے مقابلے میں تراد مطلق مراد ہے۔ بلکہ متیقن مطلق کے علاوہ ہے۔ پس استصحاب کا موضوع ہی محرز نہیں ہے۔ اسی طرح اباحت والے قول کی



صورت حال بھی یہی ہے۔ کیونکہ ناقل کے تصرف سے کشف ہو رہا ہے کہ متصرف کو ملکیت میں سبقت حاصل ہے۔ لہذا فسخ کیساتھ دوسرے مالک کی ملکیت کی طرف چیز لوٹ آئے گی۔ ملکیت کے زائل ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اباحت والے قول میں ملکیت کا حکم کرنا، ملکیت والے قول کی نسبت اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس (اباحت والی) صورت میں پہلے سے ہی تراذ ثابت نہیں تھا کہ اب اسکا استحباب کیا جائے۔ بلکہ پہلے مالک کی بقاء سلطنت جو متحقق تھی وہ قطعی طور پر ناقل کے تصرف کی وجہ سے ختم ہوگئی ہے۔ ہاں۔

البتہ اگر ہم یہ کہیں کہ اسکی ملکیت کا کشف وہی عقدِ ناقل تھا پس جب ہم نے فرض کر لیا ہے فسخ کی وجہ سے ملک ختم ہو گیا ہے تو ملک پھر سے پہلے مالک کی طرف لوٹ آیا ہے۔ اگرچہ جب تک مباح لہ چیز کو واپس نہیں لیتا اس وقت تک اسکا تصرف بھی جائز ہے۔ کیونکہ قاعدہ سلطنت کا مقتضاء بھی یہی ہے کہ تراذ جائز ہے۔ خواہ یہ فرض کیا جائے کہ دوسری عوض پہلے مالک کے ملک میں باقی ہے۔ یا فسخ کی وجہ سے لوٹ آئی ہے۔ اسی طرح اگر ہم یہ کہیں کہ بیع اس پر موقوف نہیں ہے کہ پہلے ملکیت حاصل ہو۔ بلکہ اس کے لیے اباحت التصرف اور تلف ہونا بھی کافی ہے۔ بیع کیساتھ یہ ثمن کا مالک ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ چوتھے امر میں بھی ایک جماعت نے اسی کا اظہار فرمایا تھا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ دونوں وجہیں ضعیف ہیں۔ بلکہ اقویٰ یہ ہے کہ فسخ کیساتھ یہ چیز بائع (دوسرے مالک) کی طرف لوٹ آئے گی۔

## حل عبارات

قولہ: و الظاهر انه في حكم:؛ انه؛ کی ضمیر سقوط مافی الذمۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: باباحة التصرفات الناقلۃ: یعنی ایسے تصرفات جو ناقل عین ہیں۔ جیسے بیع، ہبہ۔



قولہ: لا مکانہ: یعنی قبل اور پیش از نقل تراد کے لزوم کا امکان ہے۔

قولہ: و عدمہ: یعنی و عدم جواز التراد.

قولہ: قبل خروج العين عن ملک مالکہ: سے مراد قبل از نقل بعقد لازم ہے۔

قولہ: اجودھما ذلک: مثلاً الیہ: ذلک؛ عدم جواز تراد ہے۔

قولہ: بل المتیقن منہ:؛ منہ؛ کی ضمیر جواز التراد کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: غیر ذلک: یعنی غیر جواز التراد بقول مطلق۔

قولہ: فالמושوع غیر محرز فی الاستصحاب: یعنی جواز التراد کا استصحاب صحیح

نہیں ہے۔ کیونکہ استصحاب میں ضروری ہے کہ اس کا موضوع بالوجدان محرز ہو اور یہاں ایسا نہیں۔

قولہ: الی ملک الثانی:؛ ثانی؛ سے مراد مباح لہ ہے۔

قولہ: فلا دلیل علی زوالہ: یعنی زوال ملک ثانی.

قولہ: الحکم ہنا:؛ حکم؛ سے مراد عدم جواز تراد ہے اور مثلاً الیہ: ہنا؛ قول بہ اباحہ ہے۔

قولہ: اولی منہ:؛ منہ؛ کی ضمیر الحکم کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: هو العقد الناقل: سے مراد وہی عقد ہے جس کی وجہ سے نقل لازم انجام پا چکا ہے۔

قولہ: عاد الملک الی المالک الاول: سے مراد میج ہے نہ کہ مباح لہ

قولہ: و ان کان مباحاً لغيرہ: یعنی لغير مالک اول کہ اس سے مراد مباح لہ ہے۔

قولہ: مالم یسترّد روضہ: مثلاً زید نے عبا کے عوض قمیض کا عمرو سے استرداد نہ کیا ہو۔

قولہ: کان مقتضی قاعدة السلطنة: جواب ہے برائے؛ لو؛۔

قولہ: کان العوض الآخر: سے مراد قمیض کے جو کہ فعلاً عمرو کے پاس ہے۔

قولہ: او عائداً الیہ بفسخ:؛ الیہ؛ کی ضمیر مالک الاول کی طرف لوٹ رہی ہے۔



قوله: لكن الوجهين ضعيفان: وجهين سے مراد:

الف. لو قلنا ان الكاشف عن الملك هو العقد الناقل الخ.

ب. و كذا لو قلنا ان البيع لا يتوقف على سبق الملك الخ.

قوله: و لو كان الناقل عقداً جائزاً: مانندہبہ۔

قوله: و تحصيله غير واجب: و تحصيل تراد بھی واجب نہیں ہے۔

قوله: نعم لو كان غير معاوضه كالهبة:؛ كان: کی ضمیر نقل کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قوله: لا يكشف عن سبق الملك: یعنی سبق ملک برائے واہب۔

## وضاحت

### آیا سقوط دین ملزم معاطات ہے:

سوال یہ ہے کہ آیا سقوط دین ملزم معاطات ہے یا نہیں۔ یعنی ایک شخص نے کسی سے ایک من گندم لینی تھی۔ اب وہ اس طرح معاطاتی معاملہ کرتے ہیں کہ تم مجھے اس گندم کے بدلے میں ایک گوسفند دے دو۔ یہاں جو مافی الذمہ گندم کی صورت میں قرض تھا وہ ختم ہو جائے گا اور دوسرا گوسفند کا مالک بن جائے گا۔ لہذا ملکیت کے قول کی رو سے وہ مافی الذمہ کا مالک بن جائے گا۔ گویا ایک عین تلف ہوگی لہذا عقد لازم بن جائے گا۔ اور قول اباحت التصرف میں بھی اس طرح ہے۔

### دونوں یا کسی ایک عوض کا منتقل ہونا:

اسی طرح اگر بعد میں دونوں عینوں یا ایک عین کو عقد لازم کے ذریعے دے دیا جائے تو ملکیت والے قول کی رو سے چونکہ تراد ممکن نہیں ہے لہذا بمنز لہ تلف ہے اور عقد لازم ہو جائے گا اور اباحت التصرف میں بھی چیز کو نقل کرنے کیساتھ ملکیت آنا آگئی ہے لہذا عقد لازم بن گیا ہے۔



### عقد فاسد ہونے کی صورت میں حکم:

لیکن اب سوال یہ ہے کہ اگر عقد فاسد ہو جائے اور چیز دوبارہ معاطات والوں کے پاس لوٹ آئے تو اسکا کیا حکم ہے؟ فرماتے ہیں کہ بعض کے نزدیک ملکیت والے قول کی رو سے دوبارہ معاطات عقد جائز بن جائے گا چونکہ فسخ کے بعد دوبارہ تراد ممکن ہو گیا لہذا جو جواز تراد پہلے ثابت تھا، استحباب کے ذریعے پھر بھی ثابت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تراد نہیں ہو سکتا کیونکہ قدر متیقن یہ ہے کہ ملکیت سے خارج سے ہونے سے پہلے تراد تھا اب نہیں ہے۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں۔ ان دونوں اقوال میں دوسرا ٹھیک ہے کیونکہ اصل لزوم کے مقابل میں جواز تراد مطلق ثابت نہیں تھا بلکہ فقط اس وقت تراد تھا جب چیز اسکی ملکیت سے نہ نکلی تھی۔ اب چونکہ نقل گئی ہے۔ یہ درست ہے کہ فسخ کی وجہ سے دوبارہ ملکیت میں آگئی ہے لیکن چونکہ قدر متیقن تراد؛ قبل از خروج ملکیت تھا۔ لہذا اب تراد نہ ہو سکے گا۔ اور جہاں تک اباحت والے قول کا تعلق ہے چونکہ آنا ملکیت آگئی تھی اب بھی باقی ہے لہذا پہلا مالک رجوع کا حق نہیں رکھتا خواہ فسخ کے بعد دوبارہ چیز اسکے پاس پلٹ آئی ہے۔

### کیا فسخ کے بعد عدم لزوم کا حکم ہوگا؟

کوئی کہہ سکتا ہے اباحت والے قول کی صورت میں بھی جب تیسرے مالک نے فسخ کے بعد چیز واپس کر دی ہے تو اس پر عدم لزوم معاطات کا حکم آرہا ہے۔ کیونکہ: اولاً: اگر تو وہ تصرف کرتا تو عقد لازم ہوتا جب فسخ ہو گیا ہے لہذا ملکیت جو آئی تھی وہ بھی ختم ہوگی۔ لہذا پہلا مالک دوسرے سے حق رجوع رکھتا ہے چونکہ دوبارہ عقد جائز بن گیا ہے۔ نیز ثانیاً اگر یہ عقیدہ ہو کہ اسکے لئے تو صرف مباح تھا اور تمام تصرفات جائز تھے حتیٰ اسے بیچ بھی سکتا تھا۔ لیکن چونکہ عقد فاسخ ہو گیا ہے اس صورت میں بھی پہلی والی اباحت ہی باقی رہے گی اور پہلا مالک حق رجوع رکھتا ہے۔ مرحوم شیخ ارشاد فرماتے ہیں یہ دونوں وجہیں نادرست ہیں۔ لہذا فسخ کے بعد یہ چیز دوسرے مالک کی ملکیت میں آجائے گی۔



# تثنیسوال درس

اگر ناقل عقد جائز ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

اگر ناقل غیر معاوضہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

بیع فضولی میں کیا صورت ہے؟

اگر ایک یا دونوں عینیں باہم مخلوط ہو جائیں تو کیا عقد لازم ہو جائے گا؟

تصرف سے حالت بدل جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر طرفین میں سے کوئی مر جائے تو اس کا حکم ہے؟







## تنبيهات درس

و لو كان الناقل عقداً جائزاً ، لم يكن للمالك العين الباقية الزام الناقل بالرجوع فيه ، و لا رجوعه بنفسه الى عينه ، فالتراد غير متحقق ، و تحصيله غير واجب -  
و كذا على القول بالاباحة ؛ لكون المعاوضة كاشفةً عن سبق الملك -  
نعم لو كان غير المعاوضة كالهبة ، و قلنا : بأن التصرف في مثله لا يكشف عن سبق الملك — اذ لا عوض فيه حتى لا يعقل كون العوض مالاً لأحد و انتقال المعوض الى الآخر ، بل الهبة ناقلة للملك عن ملك المالك الى المتهب فيتحقق حكم جواز الرجوع بالنسبة الى المالك لا الواهب - ، اتجه الحكم بجواز التراد مع بقاء العين الاخرى ، أو عودها الى مالكيها بهذا النحو من العود؛ اذ لو عادت بوجه آخر كان حكمه حكم التلف -

و لو باع العين ثالثاً فضولاً فأجاز المالك الأول - على القول بالملك لم يبعد كون اجازته رجوعاً كبيعته و سائر تصرفاته الناقلة ؛ و لو أجاز المالك الثاني ، نفذ بغير اشكال ؛ و ينعكس الحكم اشكالياً و وضوحاً على القول بالاباحة و لكل منهما رده قبل اجازة الآخر -

و لو رجع الأول فأجاز الثاني ، فان جعلنا الاجازة كاشفةً لغى الرجوع ؛ و يحتمل عدمه ، لأنه رجوع قبل تصرف الآخر فينفذ و تلغو الاجازة ؛ و ان جعلناها ناقلة



لغت الاجازة قطعاً۔

و لو امتزجت العينان أو احدهما ، سقط الرجوع على القول بالملك ، لامتناع الترادد ؛ و يحتمل الشركة ، و هو ضعيفٌ ؛ أمّا على القول بالاباحة ، فالأصل بقاء التسلّط على ماله الممتزج بمال الغير فيصير المالك شريكاً مع المالك الممتزج به نعم لو كان لمزج ملحقاً له بالاتلاف جرى عليه حكم التلف۔

و لو تصرف في العين تصرفاً مغيراً للصورة كطحن الحنطة و فصل الثوب ، فاللزوم على القول بالاباحة ، و على القول بالملك ففي اللزوم و جهان مبنیان على جریان استصحاب جواز الترادد ، و منشاء الاشكال : أنّ الموضوع في الاستصحاب عرفيٌّ أو حقيقيٌّ۔ ثمّ انّك قد عرفت ممّا ذكرنا : ليس جواز الرجوع في مسألة المعاطاة نظير الفسخ في العقود اللازمة حتّى يورث بالموت و يُسقط بالاسقاط ابتداءً أو في ضمن معاملة ، بل هو على القول بالملك نظير الرجوع في الهبة ، و على القول بالاباحة نظير الرجوع في اباحة الطعام بحيث ينافي الحكم فيه بالرّضا الباطني ، بحيث لو علم كراهة المالك باطناً لم يجوز له التصرف۔

فلومات أحد المالکین ، لم يجوز لوارثه الرجوع على القول بالملك للأصل ؛ لأنّ من له و اليه الرجوع هو المالك الأصلي ، و لا يجري الاستصحاب۔ و لو جنّ أحدهما ، فالظاهر قيام وليّه مقامه في الرجوع على القولين۔

## ترجمہ

اور اگر تیسرے شخص کی طرف منتقل ہونے کا سبب عقد جائز ہے تو پہلے مالک کیلئے عین ہی



باقی نہیں رہی کہ دوسرے مالک (ناقل) پر رجوع کو لازمی قرار دے۔ اور نہ ہی وہ خود تیسرے مالک کے پاس جا کر عین واپس لے سکتا ہے۔

پس تراد متحقق ہی نہیں ہے۔ اور اسکا حصول ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اباحت والے قول کے تحت بھی یہی حکم ہے کیونکہ معاوضہ اسکی پہلی ملکیت کا بتاتا ہے۔ البتہ اگر ہبہ کی طرح معاوضہ ہو۔ اور ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس میں تصرف کرنے سے سابقہ ملکیت کشف نہیں ہوتی۔ (کیونکہ ہبہ میں عوض ہی نہیں ہوتا کہ یہ معقول ہو کہ ایک شخص کیلئے عوض مال ہو اور معوض دوسرے کی طرف منتقل ہو۔ بلکہ ہبہ مالک کے ملک کا، موہوب کے ملک کی طرف منتقل ہونا ہے۔ پس جواز رجوع کا حکم پہلے مالک کی نسبت سے محقق ہے واہب (ہدیہ کنندہ) کی نسبت سے نہیں۔) لہذا دوسری عین کے بقاء کی صورت میں تراد کا حکم لگایا جائے گا۔ یا یہ اس کی ملکیت سے نکلنے کے بعد دوبارہ اسکی ملکیت میں واپس آجائے گا؟ لیکن اگر کسی اور کسی طریقے سے واپس لوٹا تو اسکا حکم تلف والا ہوگا۔

اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو بیع فضولی کے عنوان سے عین بیچ دیتا ہے اور پہلا مالک اجازت دیتا ہے تو ملکیت والے قول کی رو سے پہلے مالک کا اجازہ ہی رجوع ہوگا جیسا کہ اسکا بیع اور دوسرے تمام منتقل ہونے والے تصرفات کرنا رجوع کہلاتا ہے۔ اور اگر مالک ثانی نے اجازت دی ہے تو بلا اشکال نافذ ہے۔ اور اشکال اور وضاحت دونوں صورتوں میں اباحت والے قول کی رو سے معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ دوسرے کی اجازت سے پہلے دونوں کو رد کرنے کا حق ہے۔

اور اگر پہلا رجوع کرے اور دوسرا اجازت دے تو اگر ہم نے اجازہ کو کاشف سمجھا تو رجوع لغو ہو جائے گا۔ البتہ لغو نہ ہونے کا احتمال بھی ہے۔ کیونکہ وہ دوسرے کے تصرف کرنے سے پہلے رجوع کر رہا ہے۔



پس رجوع نافذ ہوگا اور اجازہ لغو ہو جائے گا۔ اور اگر ہم نے اجازہ کوناقلہ سمجھا تو اجازہ قطعاً

لغو ہو جائے گا۔

اور اگر دونوں عینیں یا ان میں سے کوئی ایک کسی تیسرے شخص کے مال کیساتھ مخلوط ہو

جائیں۔ قول بالملک کی صورت میں رجوع ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ تراد نہیں ہو سکتا۔ اور شرکت کا

احتمال ضعیف ہے۔ اور قول بالاباحت کی صورت میں دوسرے کے مال سے مخلوط شدہ مال پر اصل بقاء

تسلط ہے۔ لہذا اسکا مالک مخلوط شدہ مال کے مالک کا شریک بن جائے گا۔ البتہ اگر اس طرح مخلوط ہوا

ہے کہ گویا مال تلف ہو گیا ہے تو اس پر تلف کا حکم جاری ہوگا۔

اور اگر عین میں اس طرح کا تصرف ہوا ہے کہ اس کی صورت ہی بدل گئی ہے (جیسے گندم کا

آٹا اور کپاس کا کپڑا بن جانا) تو اباحت والے قول کی رو سے لزوم نہیں آئے گا جبکہ ملکیت والے قول

کی رو سے لزوم آجائے گا۔

یہ دو وجہیں ہیں ان کا مبنی یہ ہے کہ اگر استصحاب جاری ہو تو تراد جائز ہے۔ اور منشاء اشکال

یہ ہے کہ آیا موضوع استصحاب عرفی ہے یا حقیقی؟

جو کچھ ہم نے ذکر کیا اسے آپ جان چکے ہیں کہ مسألہ معاطات میں جواز رجوع، عقود

لازمہ میں فسخ کی طرح نہیں ہے۔ حتی موت کی وجہ سے وراثت میں جائے۔ یا ابتداء یا ضمن معاملہ

میں ساقط کرنے سے ساقط ہو جائے۔ بلکہ ملکیت والے قول کے مطابق رجوع کرنا۔ بہہ میں رجوع

کرنے کی مانند ہے۔

اور اباحت والے قول کے مطابق رجوع کے جواز کا حکم مالک کی باطنی رضایت پر منوط

ہے۔ اگر اس کی عدم رضایت باطنی معلوم ہو تو غذا میں تصرف جائز نہ ہوگا۔

پس اگر دونوں مالکوں میں سے ایک مر جائے تو ملکیت والے قول کی رو سے وارث کیلئے



رجوع جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اصل استصحاب کا یہی تقاضا ہے۔ کیونکہ رجوع اس کے لیے تھا جو مالک اصلی تھا۔ لہذا استصحاب جاری نہ ہوگا۔

اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مجنون ہو جائے تو دونوں قولوں (اباحت اور ملکیت) کی صورت میں رجوع کے حوالے سے ولی ان کا قائم مقام ہوگا۔

## حل عبارات

قولہ: ناقلة للملك عن ملك المالك الى: مالک؛ سے مراد میچ ہے۔

قولہ: اتجه الحكم بجواز التراد: لوکان؛ کیلئے جواب ہے۔

قولہ: مع بقاء العين الاخرى: مثلاً قمیض جو کہ عبا کا عوض تھی باقی تھی اور عمر و نے اسے کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں کیا ہے۔

قولہ: لم يبعد اجازته رجوعاً: یعنی اس اجازہ میں ہمیں اشکال ہے البتہ بعید نہیں کہ اسے معاطات میں رجوع کہیں۔

قولہ: و ينعكس الحكم: حکم؛ سے مراد نفوذ و عدم نفوذ اجازہ ہے۔

قولہ: و لكل منهما: یعنی من المتعاطين.

قولہ: ردّة: یعنی عقد فضولی کو رد کرے۔

قولہ: و لو رجع الاول: یعنی رجوع فی المعاطات.

قولہ: فاجاز الثانی: یعنی فاجاز الثانی العقد الفضولی.

قولہ: و يحتمل عدمه: یعنی عدم لغویة الرجوع.



قولہ: و ان جعلناھا ناقلة:؛ جعلناھا؛ میں ضمیر مفعولی اجازہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: جرى عليه حکم التلف:؛ عليه؛ کی ضمیر مزج کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: انه ليس جواز الرجوع الخ:؛ انه؛ کی ضمیر، ضمیر شأن ہے۔

قولہ: نظير الرجوع في الهبة: یعنی حکم شرعی ہے کہ نہ حق برائے مستحق۔

قولہ: يناط الحکم فيه:؛ فيه؛ کی ضمیر اباحہ طعام کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: للاصل: یعنی اصل عدم جواز رجوع وارث ہے۔

## وضاحت

### اگر ناقل عقد جائز ہو تو اسکا کیا حکم ہے؟

سوال یہ ہے کہ عقد جائز کیساتھ کسی تیسرے شخص کے پاس عین منتقل ہو جاتی ہے اسوقت ترا د ممکن ہے یا نہیں؟

فرماتے ہیں جہاں تک ملکیت والے قول کا تعلق ہے تو پہلے مالک کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے مالک سے یہ مطالبہ کرے کہ تم عقد کو فسخ کر دو اور آگے چیز نہ دو۔ حتیٰ کہ اس عنوان سے بھی نہیں کہہ سکتا کہ معاطات بھی عقد جائز تھی اور میں اس عقد جائز کو ختم کرتا ہوں۔ گویا عین تیسرے شخص کے پاس جانے کی وجہ سے تلف ہو چکی ہے اور ترا د ممکن نہیں ہے عقد لازم ہو چکا ہے اور اباحت والے قول کے مطابق میں بھی منتقل ہونے کیساتھ ایک لحظہ کیلئے ملکیت آگئی ہے۔ عقد لازم ہو گیا ہے۔

### اگر ناقل غیر معاوضہ ہو تو اسکا کیا حکم ہے؟

البتہ اگر عقد جائز معاوضات سے شمار نہ ہوتا ہو۔ مثلاً اس نے ہبہ کر دی ہے۔ اور ہبہ ملکیت



پر موقوف نہیں ہوتا ہے۔ لہذا اسے لحظہ کیلئے ملکیت حاصل ہی نہیں ہوئی اس صورت میں اگر مقابل کی عین باقی ہے۔ تو پہلا مالک ترا د کا حق رکھتا ہے۔

### بیع فضولی میں کیا صورت ہے؟

ان دو عینوں یا کسی ایک کو جب تیسرے شخص کے ذریعے بیع فضولی کیساتھ فروخت کر دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

فرماتے ہیں اسمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ بیع فضولی کا کس نے کہا ہے۔ آیا پہلے مالک نے کہا ہے یا دوسرے نے۔ بہر حال ملکیت والے قول کی رو سے پہلے مالک کا اجازہ، بیع معاطات کو فسخ کرنے اور رجوع کرنے کے مترادف ہے جبکہ دوسرے مالک (جو کہ بالفعل بھی مالک ہے) کا اجازہ نافذ اور موثر ہوگا۔ البتہ اباحت والے قول کی رو سے معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ پہلے مالک کا اجازہ تو نافذ ہوگا جبکہ دوسرے مالک کے اجازہ میں تردد ہے کہ آیا نافذ اور موثر ہے یا نہیں۔

### اگر ایک یا دو عینیں باہم مخلوط ہو جائیں تو کیا عقد لازم ہو جائے گا؟

اگر دونوں یا ایک عوض تیسرے شخص کے مال کیساتھ مخلوط ہو گئے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے۔ فرماتے ہیں۔ ملکیت والے قول کی رو سے پہلے مالک کیلئے حق رجوع ثابت نہیں ہوگا اور ترا د ممنوع ہے اور شرکت کا احتمال ضعیف ہے البتہ اباحت والے قول کی رو سے اصل یہ ہے کہ اس کا مال پر تسلط باقی ہے۔ لہذا یہ تیسرے مالک کیساتھ اسکے مال میں شریک کہلائے گا۔ البتہ اگر اس طرح مخلوط ہوئی ہے کہ عین کی ختم ہو گئی ہے تو اس کا حکم تلف عین والا ہوگا۔

### تصرف سے حالت بدل جائے تو کیا حکم ہے؟

نیز اگر عین میں ایسا تصرف ہو کہ اسکی شکل تبدیل ہو جائے گندم آٹا بن جائے۔ تو اباحت کی



صورت میں لزوم نہیں آئے گا ملکیت کی صورت میں لزوم ہوگا۔ کیونکہ یہاں استصحاب جاری ہو سکے گا کیونکہ موضوع استصحاب تبدیل ہو گیا ہے۔ لہذا قابل انتقال و اسقاط نہیں؛ جبکہ منشا اشکال یہ ہے کہ موضوع استصحاب عرفی ہے یا حقیقی۔

بہر حال خلاصہ یہ ہوا کہ مسئلہ معاطات میں جواز رجوع، عقود لازمہ میں فسخ کی طرح نہیں ہے کیونکہ پہلا حکم ہے اور دوسرا حق۔ لہذا قابل اسقاط و انتقال ہے، جیسے ارث۔ لہذا ملکیت والے قول کی رو سے جواز رجوع ہبہ کی مانند جائز ہے اور اباحت میں میزبان کی طرف سے کھانے سے رجوع کی مانند ہے۔

**اگر طرفین میں سے کوئی مرجائے تو اسکا کیا حکم ہے؟**

بہر حال معاطات کرنے والوں میں کوئی مرجائے تو وارث اول حق رجوع نہیں رکھتا۔ کیونکہ جواز رجوع کا موضوع مالک اصلی ہے۔ اسکے مرنے سے موضوع منقہ ہو جائے گا لہذا استصحاب بھی جاری نہ ہوگا۔ اور لیکن اگر طرفین میں سے ایک دیوانہ ہو جائے تو ان دونوں اقوال کی صورت میں (ملکیت یا اباحت) ولی اسکا جانشین بنے گا۔



# چونتیسواں درس

ساتویں تہیہ

آیاتلف کے بعد معاطات بیع ہے یا معاوضہ مستقلہ؟

شہید ثانی کا کلام

شمرہ بحث

معاطات میں خیار حیوان کب شروع ہوگا؟

ملکیت والے قول کی صورت میں معاطات بیع ہے یا معاوضہ مستقلہ؟

معاوضہ مستقلہ کب ہے؟







## چوتیسواں درس

الامر السابع: أنّ الشهيد الثاني ذكر في المسالك وجهين في صيرورة المعاوضة بيعاً بعد التلف أو معاوضة مستقلة، قال: يحتمل الأول؛ لأنّ المعاوضات محصورة، وليست احداها، وكونها معاوضة برأسها يحتاج الى دليل - ويحتمل الثاني؛ لاطباقهم على أنّها ليست بيعاً حال وقوعها فكيف تصير بيعاً بعد التلف؟

و تظهر الفائدة في ترتب الأحكام المختصة بالبيع عليها، كخيار الحيوان، لو كان التالف الثمن أو بعضه؛ و على تقدير ثبوته، فهل الثلاثة من حين المعاوضة أو من حين اللزوم؟ كلُّ محتمل - ويشكل الأول بقولهم: (( أنّها ليست بيعاً ))، و ا لثاني: بأنّ التصرف ليس معاوضة بنفسها - اللهمّ إلا أن تجعل المعاوضة جزء السبب، و التلف تمامه - و الاقوى: عدم ثبوت خيار الحيوان هنا بناءً على أنّها ليست لازمة، و إنّما يتمّ على قول المفيد و من تبعه - و أمّا خيار العيب و الغبن فيثبتان على تقديرين، كما أنّ خيار المجلس منتفٍ؛ انتهى

والظاهر أنّ هذا تفرّيع على القول بالاباحة في المعاوضة؛ و أمّا على القول بكونها مفيدة للملك المتزلزل، فينبغي الكلام في كونها معاوضة مستقلة أو بيعاً متزلزلاً قبل اللزوم حتّى يتبعه حكمها بعد اللزوم، و الظاهر أنّه عند القائلين بالملك المتزلزل بيعٌ بلا اشكالٍ في ذلك عندهم على ما تقدّم من المحقق الثاني، فاذا لزم صار بيعاً لازماً، فيلحقه أحكام البيع عدا ما استفيد من دليله ثبوته للبيع العقدي الذي مبناه



على اللزوم لو لا الخيار، و قد تقدّم أنّ الجواز هنا لا يراد به ثبوت الخيار۔  
و كيف كان، فالأقوى أنها على القول بالاباحة بيعٌ عرفيٌّ يصحّحه الشارع  
و لم يمضه إلا بعد تلف احدى العينين أو ما في حكمه و بعد التلف يترتب عليه أحكام  
البيع، عدا ما اختصّ دليله بالبيع الواقع صحيحاً من أوّل الأمر۔  
و المحكى من حواشي الشهيد: أنّ المعاوضة معاوضة، مستقلة، جائزة أو  
لازمة۔ و الظاهر أنه أراد التفريع على مذهبه من الاباحة، و كونها معاوضة قبل اللزوم  
من جهة كون كل من العينين مباحاً عوضاً عن الأخرى، لكن لزوم هذه المعاوضة لا  
يقتضى حدوث الملك كما لا يخفى، فلا بد أن يقول بالاباحة اللازمة؛ فافهم۔

## ترجمہ

ساتواں امر:

آیا معاظات تلف کے بعد بیع ہو جاتی ہے یا معاظات معاوضہ مستقلہ ہے۔  
شہید ثانی نے مسالک میں دونوں وجہیں بیان کی ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ پہلا احتمال بھی  
ہے۔ کیونکہ معاوضات گنے چنے ہیں۔ اور معاظات ان میں سے نہیں ہے۔ اور معاظات کا جداگانہ  
معاوضہ ہونا محتاج دلیل ہے۔ اور دوسرا احتمال بھی ہے کہ علماء متفق ہیں کہ یہ بیع نہیں ہے۔ حالانکہ بیع  
واقع ہوتی ہے لہذا اگر معاوضہ مستقل نہ مانیں تو تلف کے بعد یہ بیع کیسے بن جائے گی؟  
اس کا فائدہ وہاں ظاہر ہے کہ اگر بیع کہیں تو بیع کے احکام مخصوصہ اس پر جاری ہونگے جیسے  
خيار حیوان ہے۔ خصوصاً تلف شدہ چیز ثمن یا اس کا بعض حصہ ہو تو اس پر بیع کے احکام آئیں گے۔ اور



اگر خیار حیوان ثابت ہو تو کیا تین دن کا خیار حیوان معاطات کیساتھ ہی شروع ہو جائے گا یا لزوم عقد کے بعد شروع ہوگا؟ دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔ البتہ پہلے احتمال پر علماء کے اس فرمان کہ معاطات بیع نہیں ہے کہہ کر اشکال کیا گیا ہے اور دوسرے میں اشکال کیا گیا ہے کہ تصرف معاوضہ نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ہم کہیں کہ معاطات بیع کیلئے ایک خبر ہے اور تلف سے بیع تمام وکامل ہو جائے گی تو معاوضہ بن سکتی ہے۔ بہر حال اقویٰ یہ ہے معاطات میں خیار حیوان ثابت نہیں ہے۔ اس بناء پر کہ معاطات بیع نہیں ہے۔ البتہ شیخ مفید اور انکی اتباع کرنے والوں کے نزدیک خیار حیوان جاری ہو سکے گا۔ البتہ خیار غبن اور خیار عیب چونکہ بیع کیساتھ مختص نہیں ہیں۔ تمام معاوضات میں جاری ہو سکتے ہیں۔ لہذا دونوں نظریوں کے مطابق جاری ہیں اور خیار مجلس دونوں نظریوں کے مطابق منثقی ہے۔ اختتام کلام شہید (۱)

ظاہر ہے ساری بحث معاطات میں اباحت والے قول کی بناء پر تھی۔ البتہ اس قول کے مطابق کہ معاطات مفید ملک متزلزل ہے تو یہاں بھی یہ گفتگو ہونی چاہئے کہ معاطات معاوضہ مستقلہ ہے یا لزوم سے پہلے بیع متزلزل ہے۔ اور بیع کا حکم لزوم کے بعد ہی کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ متزلزل کے قائلین کے نزدیک بلا اشکال بیع ہے (جیسا کہ پہلے محقق ثانی کے قول کے حوالے سے گزر چکا ہے) جب معاطات لازم ہو جائے تو بیع لازم بن جائے گی۔ احکام بیع بھی اسکے ساتھ ملحق ہو جائیں گے۔ مگر چند خاص احکام (مثل خیار مجلس) کہ جن کی دلیل بیع عقدی کیساتھ مختص کرتی ہے اور کہتی ہے کہ بدون خیار بھی یہ عقد لازم ہے۔ پہلے کہہ چکے ہیں کہ معاطات کے جواز سے خیار ثابت نہیں ہوتا۔ بہر حال جو صورت بھی ہو اباحت والے قول کی رو سے اقویٰ یہ



ہے کہ معاطات بیع عرفی ہے اور شارع نے اسکی تصحیح نہیں فرمائی۔ اور امضاء بھی نہیں کیا۔ مگر یہ کہ ایک عین تلف ہو جائے یا تلف کے حکم میں ہو۔ تلف کے بعد اس پر بیع کے احکام مترتب ہونگے۔ البتہ وہ احکام مترتب نہ ہونگے جو اس بیع کیساتھ مختص ہوں جو ابتداءً صحیح ہو اور مورد امضاء شارع ہو۔

شہید کے حواشی سے حکایت کی گئی ہے (۱) کہ خواہ جائزہ ہو یا لازمہ؛ معاطات معاوضہ ہے کیونکہ دونوں عینین دوسری کے مقابل میں مباح اور عوض ہیں۔

لیکن جیسا کہ مخفی نہیں ہے کہ اس معاوضے کا لزوم حدوث ملک کا تقاضا نہیں کرتا۔ لہذا ضروری ہے کہ شہید اباحت لازمہ کہیں۔ فافہم۔

## حل عبارات

قولہ: بیعاً بعد التّلف: یعنی بعد از تلف عینین یا احد العینین.

قولہ: و لیست احدیہا:؛ لیت؛ کی ضمیر معاطاة کی طرف اور؛ احدیہا؛ کی ضمیر معاوضات کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و کونہا معاوضۃ برأسہا:؛ کونہا؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لا طباقہم: یعنی لا تفاقہم.

قولہ: علی انہا لیست بیعاً حال:؛ انہا؛ کی ضمیر معاطاة کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: و تظہر الفائدة: یعنی فائدہ اسکے مابین کہ معاطات بیع ہے یا معاوضہ مستقلہ ہے؟

قولہ: او بعضہ: یعنی بعض الثمن.

(۱) حکایت کرنے والے سید عالمی ہیں۔ دیکھیں مفتاح الکرامۃ ۴: ۱۵۸



- قولہ: و علی تقدیر ثبوته: یعنی ثبوت خیار حیوان.
- قولہ: فهل الثلاثة: یعنی وہ تین دن کا خیار جو کہ حیوان میں ثابت ہیں۔
- قولہ: من حین المعاطاة: یعنی حین وقوع معاطاة.
- قولہ: او حین اللزوم: یعنی جب سے تلف حاصل ہوا ہے اور معاطات لازم ہوئی ہے۔
- قولہ: و یشکل الاوّل:؛ الاوّل: سے مراد احتمال اول یعنی صیرور تہابیعاً ہے۔
- قولہ: و الثانی: یعنی ویشکل الثانی۔ یعنی احتمال ثانی ہے کہ معاطات معاوضہ مستقلہ ہے۔
- قولہ: بان التصرف: یعنی وہ تصرف جو کہ موجب تلف عوضین ہو۔
- قولہ: و التلف تمامہ: کلمہ: تمامہ: یعنی متمم۔
- قولہ: عدم ثبوت خیار حیوان هنا: مشاڑ الیہ: ہنا؛ معاطات بعد از لزوم ہے۔
- قولہ: بناءً علی انها لیست لازمة:؛ انہا؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: و انما یتّم علی قول:؛ یتّم؛ کی ضمیر ثبوت خیار حیوان کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: کما انّ خیار المجلس منتف: یعنی منتف علی التقديرین.
- قولہ: و الظاهر ان هذا الخ: مشاڑ الیہ: ہذا؛ دو احتمال کا ذکر اور بیان ظہور ثمرہ ہے۔
- قولہ: حتی یتبعہ حکمہا:؛ یتبعہ؛ میں ضمیر مفعولی بیع کی طرف اور؛ حکمہا؛ میں ضمیر مجروری معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے تاکہ حکم معاطات بیع کے تابع ہو۔
- قولہ: اذ الظاهر انه عند القائلین:؛ انه؛ کی ضمیر معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قولہ: بلا اشکال فی ذلک عندہم: مشاڑ الیہ: ذلک؛ معاطات کا بیع ہونا ہے۔
- قولہ: فاذا لزم: یعنی لزم بالتلف.
- قولہ: فتلحقہ احکام البیع:؛ تلحقہ؛ میں ضمیر منصوبی معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔



قولہ: ان الجواز هنا: یعنی جواز رجوع در معاطات۔

قولہ: او ما فی حکمہ: یعنی مافی حکم التلف۔

قولہ: بالبيع الواقع صحيحاً من اول الامر: نہ کہ معاطات کی طرح کہ یہ بیع واقع

نہیں ہوا تھا اور تلف کے بعد ہم نے اسکے بیع ہونے کا حکم کر دیا۔

قولہ: والظاهر انه اراد:؛ انه؛ اور؛ اراد؛ کی ضمائر شہید اول کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

قولہ: فافهم: شاید مراد یہ ہو کہ اباحہ لازمہ ہی ملک ہے کیونکہ عدم حدوث ملک کے فرض

کے ساتھ یہ بات معنی نہیں رکھتی کہ مالک اپنے ملک کی طرف رجوع نہ کر سکتا ہو۔

## وضاحت

ساتویں تشبیہ: آیا تلف کے بعد معاطات بیع ہے یا معاوضہ مستقلہ ہے؟

آیا معاطات ایک یا دونوں عینوں کے تلف کے بعد بیع بن جائے گی یا معاطات مستقلاً

معاوضہ ہے؟ اس سلسلے میں شہید اور ملکیت کے قائل الگ الگ جواب پیش کرتے ہیں۔

### شہید ثانی کا کلام:

اما شہید ثانی فرماتے ہیں کہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اما الاول: معاطات کا تلف کے بعد بیع ہو جانے کی دلیل یہ ہے کہ شریعت مقدسہ میں

معاوضات گنے چنے ہیں اور معاطات ان معاوضات میں سے نہیں ہے۔ کہ اسے معاوضہ مستقل سمجھتے

ہوئے دیگر معاوضات کے ہم پلہ شمار کیا جائے۔ کیونکہ کسی چیز کا معاوضہ مستقل ہونا محتاج دلیل ہے۔

اور معاطات کیلئے ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ لہذا معاطات کو کسی معاوضے کے مثل اور

مانند ہی سمجھا جائے گا۔ اور معاطات کیلئے مناسب ترین بیع ہے۔ لہذا تلف کے بعد اسے بھی بیع ہی



کہیں گے۔

اما الثانی: تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ معاطات بیع نہیں ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جب یہ بیع نہیں ہے تو تلف کے بعد خود بخود بیع میں کیسے تبدیل ہو جاتی ہے۔ جبکہ قاعدہ ہے ”الشی لا یتقلب عما وقع علیہ“ لہذا ایک طرف یہ بیع نہیں ہے اور دوسری طرف اسکی صحت پر علماء کا اجماع ہے لہذا اسے معاوضہ مستقل ہی شمار کرنا ہوگا۔

### ثمرہ بحث

سوال یہ ہے کہ لزوم کے بعد بیع یا معاوضہ مستقلہ میں معاطات کو شمار کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ فرماتے ہیں کہ بیع کے حوالے سے شارع مقدس کی طرف سے چند خاص احکام ہیں۔ اگر ہم اسے بیع کہیں گے تو وہ احکام بھی ساتھ آئیں گے۔ مثلاً خیار حیوان وغیرہ۔

### معاطات میں خیار حیوان کب شروع ہوگا؟

اب سوال یہ ہے کہ اگر معاطات میں خیار حیوان جاری ہو سکتا ہے تو یہ شروع کب ہوگا۔ آیا عقد معاطات کیساتھ ہی خیار شروع ہو جائے گا یا ایک عین کے تلف ہونے بعد شروع ہوگا یعنی جب بیع لازم ہوگی۔ فرماتے ہیں دونوں احتمالات ہو سکتے ہیں۔ لیکن اکثر علماء اسے بیع شمار نہیں کرتے اور بیع تب ہوگی جب تلف ہوگی۔ لہذا اس صورت میں خیار حیوان کا معاطات کیلئے ثابت ہونا مشکل ہے۔ اسی طرح دوسرا احتمال بھی باطل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تلف سے پہلے یہ بیع نہ تھی۔ اور تلف معاوضہ نہیں ہوا کرتا۔ لہذا ازمان تلف سے حکم خیار حیوان جاری ہونا مشکل ہے۔

لیکن شہید فرماتے ہیں کہ اگرچہ معاطات بیع نہیں ہے لیکن بیع کے اسباب میں سے ایک سبب ضرور ہے اور اسکا دوسرا سبب چیز کا تلف ہونا ہے۔ اس وقت بطور کامل بیع ہوگی چونکہ اس میں دونوں اسباب پائے جاتے ہیں۔ لہذا بیع سے مختص تمام خیارات یہاں بھی جاری ہونگے۔ لیکن اسکے



باوجود اتوی یہ ہے کہ معاطات میں خیار حیوان دونوں صورتوں میں جاری نہ ہوگا۔ یہ سب بحث اس صورت میں تھی جب ہم اباحت التصرف کے قائل ہوں۔

### ملکیت والے قول کی صورت میں معاطات بیع ہے یا معاوضہ مستقلہ؟

اما بناءً پر قول ملکیت آیا معاطات بیع ہے یا معاوضہ مستقل۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جو معاطات کو ملک متزلزل سمجھتے ہیں وہ بلا اختلاف اسے بیع سمجھتے ہیں اور بیع کے تمام احکام کو اس پر جاری سمجھتے ہیں۔ لیکن قواعد میں شہید اول فرماتے ہیں خواہ اسکو معاملہ جائز سمجھیں یا لازم دونوں صورتوں میں معاطات معاوضہ مستقلہ ہے۔

### معاوضہ مستقلہ کب ہے؟

آیا اباحت التصرف کے وقت معاطات معاوضہ مستقلہ ہے یا ملکیت کی صورت میں؟ شیخ فرماتے ہیں چونکہ یہ اباحت کے قائل ہیں لہذا اباحت کی صورت میں معاوضہ مستقلہ شمار کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اباحت کی صورت میں معاوضہ مستقلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لزوم سے پہلے فقط تصرف جائز تھا اسکے علاوہ کوئی چیز جائز نہیں ہے لہذا یہ معاوضہ نہیں بن سکتا۔ فرماتے ہیں جب ایک چیز میں تصرف ہو سکتا ہے تو دوسری میں بھی ہو سکتا ہے اور دو اباحتوں کے درمیان معاوضہ آ سکتا ہے۔

فافہم سے مرحوم شیخ اشارہ فرماتے ہیں کہ اباحت التصرف کی صورت میں لزوم کہنا درست نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی اس صورت میں لزوم کا قائل نہیں ہے۔ لہذا خصوصاً شہید کا یہ کہنا کہ عقد لازم ہو یا جائز۔ اس سے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ وہ اباحت التصرف کے قائل ہیں اور لزوم کے قائل نہیں ہیں۔



# پینتیسواں درس

آٹھویں تنبیہ

عقد غیر جامع اشراط لزوم، معاطات ہے یا نہیں؟

مشائخ معاصرین کے نزدیک معاطات ہے

محقق اور علامہ کے نزدیک معاطات نہیں ہے

دونوں اقوال کی جمع

جمع پر اشکال

آیا تراضی جدید سے معاطات حاصل ہو جائے گی؟







## پینتیسواں درس

الأمر الثامن : لا اشكال في تحقق المعاظة المصلحة التي هي معركة الآراء بين الخاصة و العامة بما اذا تحقق انشاء التمليك أو الاباحة بالفعل ، و هو قبض العينين- أمّا اذا حصل بالقول الغير الجامع لشرائط اللزوم ، فان قلنا بعدم اشتراط اللزوم بشئ زائد على الانشاء اللفظي - ، كما قوينا سابقاً ، بناءً على التخلص بذلك عن اتفاقهم على توقف العقود اللازمة على اللفظ - فلا اشكال في صيرورة المعاملة بذلك عقداً لازماً- و ان قلنا بمقابلة المشهور من اعتبار أمور زائدة على اللفظ ، فهل يرجع ذلك الانشاء القولي الى حكم المعاظة مطلقاً أو بشرط تحقق قبض العين معه أو لا يتحقق به مطلقاً؟

نعم اذا حصل انشاء آخر بالقبض المتحقق بعده ، تحقق المعاظة ، فالانشاء القولي السابق كالعدم ، لا عبرة به و لا بوقوع القبض بعده خالياً عن قصد الانشاء بل بانياً على كونه حقاً لازماً لكونه من آثار الانشاء القولي السابق ، نظير القبض في العقد الجامع للشرائط- ظاهر كلام غير واحدٍ من مشائخنا المعاصرين : الأول ، تبعاً لما يستفاد من ظاهر كلام المحقق و الشهيد الثانيين- قال المحقق في صيغ عقوده على ما حكى عنه ، بعد ذكره الشروط المعتبرة في الصيغة: انه لو وقع البيع بغير ما قلناه و علم التراضي منهما ، كان المعاظة ، انتهى- و في روضة في مقام عدم كفاية الاشارة



مع القدرة على النطق : أنها مفيد المعاطاة مع الافهام الصريح ؛ انتهى - و ظاهر الكلامين : صورة وقوع الانشاء بغير القبض ، بل يكون القبض من آثاره -

و ظاهر تصريح جماعة منهم المحقق و العلامة بأنه لو قبض ما اتباعه بالعقد الفاسد لم يملك و كان مضموناً عليه هو الوجه الاخير ؛ لأن مرادهم بالعقد الفاسد اما خصوص ما كان فساده من جهة مجرد اختلال شروط الصيغة - كما ربما يشهد به ذكر هذا الكلام بعد شروط الصيغة ، و قبل شروط العوضين و المتعاقدين - و اما ما يشمل هذا و غيره كما هو الظاهر ؛ و كيف كان فالصورة الاولى داخله قطعاً ، و لا يخفى أن الحكم فيها بالضمان منافٍ لجريان حكم المعاطاة -

و ربما يجمع بين هذا الكلام و ما تقدم من المحقق و الشهيد الثانيين ، فيقال : ان موضوع المسألة في عدم جواز التصرف بالعقد الفاسد ما اذا علم عدم الرضا الا بزعم صحة المعاملة ، فاذا انتفت الصحة انتفى الاذن ؛ لترتبته على زعم الصحة ، فكان التصرف تصرفاً بغير اذن و اكلاً للمال بالباطل ؛ لانحصار وجه الحل في كون المعاملة بيعاً ، أو تجارة عن تراض ، أو هبة ، أو نحوها من وجوه الرضا بأكل المال من غير عوض - و الاولان قد انتفيا بمقتضى الفرض ، و كذا البواقي ؛ للقطع من جهة زعمها صحة المعاملة بعدم الرضا بالتصرف مع عدم بذل شئ في المقابل ، فالرضا المقدم كالعدم - فان تراضيا بالعوضين بعد العلم بالفساد و استمر رضا هما ، فلا كلام في صحة المعاملة و رجعت الى المعاطاة ، كما اذا علم الرضا من أول الأمر بابا حتهما التصرف بأي وجه اتفق سواء صحّت المعاملة أو فسدت ؛ فان ذلك ليس من البيع الفاسد في شئ -



أقول: المفروض أنّ الصيغة الفاقدة لبعض الشرائط لا تتضمّن إلاّ إنشاءً واحداً هو التملك ، و من المعلوم أنّ هذا المقدار لا يوجب بقاء الاذن الحاصل في ضمن التملك بعد فرض انتفاء التملك و الموجود بعده ان كان إنشاءً آخر في ضمن التقابض خرج عن محل الكلام ؛ لأنّ المعاطاة حينئذٍ إنّما تحصل به لا بالعقد الفاقد للشرائط ، مع أنّك عرفت أنّ ظاهر كلام الشهيد و المحقّق الثانيين حصول المعاوضة و المراضاة بنفس الاشارة المفهومة بقصد البيع و نفس الصيغة الخالية عن الشرائط ، لا بالتقابض الحاصل بعدهما-

و منه يُعلم فساد ما ذكره من حصول المعاواة بتراضٍ جديدٍ بعد العقد غير مبنيّ على صحّة العقد- ثمّ إنّ ما ذكره من التراضى الجديد بعد العلم بالفساد مع اختصاصه بما علما بالفساد دون غيره من الصور مع أنّ كلام الجميع مطلقٌ ، يرد عليه : أنّ هذا التراضى ان كان تراضياً آخر حادثاً بعد العقد ، فان كان لا على وجه المعاواة بل كلّ منهما رضى بتصرّف الآخر في ماله من دون ملاحظة رضا صاحبه بتصرّفه في ماله ، فهذا ليس من المعاواة بل هى اباحة مجّانية من الطرفين تبقى ما دام العلم بالرضا ، و لا يكفى فيه عدم العلم بالرجوع ؛ لأنّه كما لاذن الحاصل من شاهد الحال ، و لا يترتب عليه أثر المعاواة من اللزوم بتلف احدى العينين أو جواز التصرف الى حين العلم بالرجوع-

و ان كان على وجه المعاواة ، فهذا ليس إلاّ التراضى السابق على ملكيّة كلّ منهما لمالك الآخر ، و ليس تراضياً جديداً ؛ بناءً على أنّ المقصود بالمعاواة التملك ، كما عرفت من كلام المشهور خصوصاً المحقّق الثانى ، فلا يجوز له أن يريد بقوله



المتقدم عن صيغ العقد : ((ان الصيغة الفاقدة للشرائط مع التراضي ، تدخل في المعاطاة)) التراضي الجديد الحاصل بعد العقد ، لا على وجه المعاوضة۔

## ترجمہ

آٹھواں امر:

خاصہ اور عامہ کے درمیان جب انشاء تملیک یا اباحت فعلی یعنی قبض و قباض متحقق ہو جائیں تو معرکہ الاراء اصطلاحی معاطات کے متحقق ہونے میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے۔

البتہ اگر معاطات ان الفاظ کے ذریعے حاصل ہو جن میں لزوم کی تمام شرائط نہیں پائی جاتیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ انشاء لفظی کے علاوہ لزوم کیلئے کوئی اور شرط نہیں ہے۔ (جیسا کہ پہلے اس قول کو تقویت دے چکے ہیں اور علماء کے اس اتفاق سے جان چھڑا بیٹھے ہیں کہ عقد لازمہ کیلئے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔) تو اس صورت میں معاملے کے عقد لازم ہونے میں کسی قسم کا اشکال نہیں ہے۔

لیکن اگر ہم مشہور کے فرمان کے مطابق اس بات کے قائل ہوں کہ الفاظ کے علاوہ باقی امور بھی معتبر ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ یہ انشاء لفظی (جسمیں لفظ کے علاوہ باقی شرائط نہیں ہیں۔) مطلقاً معاطات کا حکم رکھتا ہے۔ یا اس کے ساتھ تحقق قبض عین کی بھی شرط ہے۔ یا مطلقاً معاطات متحقق نہ ہوگی؟

البتہ اگر معاطات کرنے کے بعد ایک اور انشاء قبض کے متحقق ہونے پر حاصل ہو جائے تو معاطات متحقق ہو جائے گی۔ اور گذشتہ انشاء قولی کا عدم ہو جائے گا۔ اور معتبر نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر انشاء لفظی مذکور، قصد انشاء کے بغیر ہو، اور صرف یہ اعتقاد ہو کہ چیز کا دریافت کرنا چونکہ انشاء لفظی کے آثار میں سے ہے اور اس بناء پر کہ یہ حق لازم ہے (کیونکہ یہ گذشتہ انشاء قولی کے آثار میں سے ہے



جیسے عقد جامع الشرائط میں قبض، اسی کی مانند ہے) یہ بھی معتبر نہیں ہے۔

ہمارے بعض معاصر مشائخ (۱) کے کلام سے پہلا قول ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے ظاہر کلام محقق کر کی اور شہید ثانی سے استفادہ کرتے ہوئے، ان کی اتباع میں پہلے قول کو اختیار کیا ہے۔

محقق کر کی اپنی کتاب صیغ عقود میں، شروط معتبر کے تذکرے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔  
اگر بیع ان شرائط کے بغیر واقع ہو (جن کا میں نے تذکرہ کیا ہے) اور دونوں کی رضایت کا پتہ ہو تو یہ معاطات ہو جائے گی۔ (اختتام کلام محقق کر کی در کتاب صیغ عقود)

شرح لمعہ (۳) میں شہید ثانی فرماتے ہیں: نطق پر قادر ہونے کے بعد بیع کیلئے اشارہ کافی نہیں ہے۔ اگر اشارہ افہام صریح ہو تو یہ معاطات کا فائدہ دے گی۔ (اختتام کلام شہید ثانی در کتاب شرح لمعہ) ان دونوں بزرگوں کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ قبض کے بغیر انشاء واقع ہو رہا ہے۔ بلکہ قبض تو انشاء کے آثار میں سے ہے۔

ایک جماعت جس میں محقق (۴) اور علامہ (۵) بھی شامل نہیں ان کی کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ تیسرا احتمال (عدم تحقق معاطات) درست ہے کیونکہ انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ جو کچھ اس نے عقد فاسد کے ذریعے خریدا ہے۔ اگر اسے اپنے قبضہ میں لے بھی لے تو اس کا مالک نہ ہوگا۔ اور اس مال کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ عقد فاسد سے ان کی مراد یا تو ایسا عقد ہے جس کا بطلان خاص طور پر صیغہ

(۱) ان میں سید مجاہد (مناہل ص ۲۷۰)، فاضل زرقی (مستند ۲: ۳۶۱-۳۶۲)، شیخ حسن (جواہر الکلام ۲۲:

۲۵۶-۲۵۷)

(۳) روضۃ البیہیۃ ۳: ۲۲۵

(۲) رسالہ محقق کر کی ۱: ۱۷۸

(۵) قواعد ۱: ۱۲۳

(۴) شرائع ۲: ۱۳



کی بعض شرائط کا نہ پایا جانا ہے۔ (اس کا شاہد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا کلام کا ذکر شرط صیغہ کے بعد اور شرائط عوضین اور متعاقدین سے پہلے ہوتا ہے) یا عام معنی مراد ہے جو اسے بھی شامل ہو اور اسکے غیر کو بھی شامل ہے (جیسا کہ ظاہر بھی یہی ہے۔)

بہر حال جو صورت حال بھی ہو۔ پہلی صورت، (فقدان شرائط صیغہ کی وجہ سے عقد باطل ہے) حتماً انکی عبارت (لو قبض ما ابتاعه بالعقد الفاسد) میں داخل ہے۔ البتہ یہ بھی مخفی نہ رہے کہ ضمان کا حکم لگانا، جریان معاطات کے منافی ہے۔

بسا اوقات اس کلام اور محقق و شہید ثانی کی بیان کردہ گذشتہ کلام میں جمع کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس مسئلہ کا موضوع کہ عقد فاسد کی صورت میں، تصرف جائز نہیں۔ وہاں ہے جہاں علم ہو کہ طرفین، معاملے کے صحیح ہونے کے گمان سے رضایت کے قائل ہیں۔ لیکن اگر صحت عقد منثی ہو تو طرفین کا اذن و رضایت بھی منثی ہو جائے گا۔ کیونکہ صحت کا گمان تھا تو رضایت بھی تھی۔

لہذا جہاں عقد صحیح نہ ہوگا تو تصرف بغیر اذن اور اکل مال باطل ہوگا۔ کیونکہ حلیت تو فقط اسی میں منحصر ہے کہ معاملہ بیع ہو۔ یا تجارت عن تراض ہو (ایسی تجارت جس پر دونوں گروہ راضی ہوں۔) یا ہبہ ہو۔ یا ان جیسی کوئی اور چیز ہو جہاں رضایت کیساتھ اکل مال ہو رہا ہو۔

پہلی دوا دلہ (بیع اور تجارت) بناء پر فرض مسئلہ منثی ہیں۔ اسی طرح باقی بھی۔ کیونکہ طرفین نے معاملہ کے صحیح سمجھتے ہوئے رضایت کا اظہار کیا ہے۔ لیکن جب حقیقت میں معاملہ صحیح نہ ہو تو قطعی طور پر صاحب مال راضی نہیں ہے کہ کہ دوسرا اسکے مال میں تصرف کرے۔ نیز مقابل کی طرف سے اسے کوئی چیز بھی نہیں ملی ہے۔ لہذا پہلی رضایت کا عدم ہو جائے گی۔ لیکن عقد کے فاسد ہونے کا علم رکھنے کے بعد طرفین دونوں عوضوں پر راضی ہوں۔ اور رضایت بھی استمرار رکھتی ہو تو معاملہ کی صحت میں بھی کوئی کلام نہیں ہے۔ اور ان کا یہ لین دین معاطات ہی ہے۔ جیسا کہ ابتداء ہی سے اباحت



التصرف کیساتھ اسکی رضایت کا علم ہو۔ چاہے عقد جیسا بھی ہو۔ معاملہ صحیح ہو یا فاسد۔ دونوں راضی ہیں تو اسے بیع فاسد کہنے کا کوئی تگ اور معنی نہیں ہے۔ (۱)

مرحوم شیخ فرماتے ہیں کہ فرض یہ ہے کہ صیغہ میں بعض شرائط مفقود ہیں تو یہ فقط انشاء واحد یعنی تملیک کو ہی متضمن ہے۔ واضح ہے کہ اتنی مقدار موجب نہیں بنتی کہ انتفاء تملیک کے بعد وہ اذن جو تملیک کے ضمن میں حاصل ہوا تھا، وہ باقی ہے۔

اور اگر تقابض کے ضمن میں کسی دوسرے انشاء کے ساتھ ساتھ رضایت موجود ہے تو یہ محل کلام ہے سے خارج ہے۔ کیونکہ اس وقت معاطات اسی رضایت سے حاصل ہے، جو فاقد شرائط عقد سے نہیں ہے۔ مزید یہ کہ آپ جان چکے ہیں کہ شہید اور محقق کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ معاوضہ اور طرفین کی رضایت خود اس اشارے سے جو قصد بیع یا خود اس صیغے سے (جو شرائط سے خالی ہے) سے سمجھا جا رہا ہے۔ نہ یہ ہے کہ ان دونوں (اشارہ مفہمہ اور شرائط سے خالی صیغہ) کے بغیر تقابض حاصل ہو۔ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے واضح ہو جائے گا کہ یہ قول بھی درست نہیں ہے کہ عقد فاسد کے بعد تراضی جدید (نئی رضامندی) کیساتھ معاطات حاصل ہو جائے گی۔

مزید علماء کا یہ ذکر کرنا کہ فساد عقد کے علم کے بعد جدید تراضی کیساتھ معاطات ہوگی ہے اور خصوصاً اس کیساتھ مختص ہے کہ دونوں جانتے تھے کہ عقد فاسد ہو گیا ہے، اسکے علاوہ دیگر صورتوں کے ساتھ اسکا کوئی تعلق نہیں ہے (حالانکہ تمام علماء نے اسے مطلق لیا ہے، اور کہا ہے کہ اسکا تعلق تمام صورتوں سے ہے) لہذا یہ مورد اشکال ہے۔ یہ تراضی، اگرچہ ایک دوسری تراضی ہے جو عقد کے بعد حادث ہوئی ہے: اور اگرچہ یہ معاطات کے عنوان سے بھی نہیں ہے بلکہ طرفین ایک دوسرے کے



مال میں تصرف کرنے پر راضی ہیں۔ اس کا لحاظ نہیں کیا کہ دوسرا بھی اسکے مال میں تصرف پر راضی ہے۔ پس یہ معاطات نہیں ہے بلکہ یہ طرفین کی طرف سے اباحت مجانی (مفت میں) ہے اور یہ اس وقت تک باقی رہے گی جب تک رضایت کا علم ہے۔ اس میں رجوع کا علم نہ ہونا کافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شاید حال سے حاصل ہونے والے اذن کی مانند ہے۔ اس پر معاطات کا اثر بھی مترتب نہ ہوگا۔ کہ ایک عین کے تلف سے لزوم آجائے۔ یا یہ کہ تصرف جائز ہو یہاں تک کہ رجوع کا علم حاصل ہو۔ اور اگرچہ یہ معاطات کی طرح ہے۔

پس یہ بھی اسی سابقہ تراضی جیسی رضایت ہے جو طرفین کو ملکیت کی وجہ سے حاصل تھی۔ کوئی نئی تراضی نہیں ہے۔ اس بناء پر کہ معاطات سے مقصود تملیک ہے۔ جیسا کہ آپ کلام مشہور اور خصوصاً محقق ثانی کے کلام میں بھی یہ مطلب جان چکے ہیں۔ محقق کرکی کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے جو انہوں نے اپنی کتاب صیغ العقود میں بیان فرمایا ہے۔ (کہ فاقد شرائط صیغہ سے کی گئی بیع۔ طرفین کے توافق اور رضایت کے بعد معاطات شمار ہوگی۔) بلکہ محقق ثانی اسے تراض جدید شمار کریں کہ جو عقد کے بعد حاصل ہوئی ہے، معاوضہ کے عنوان سے حاصل نہیں ہوئی ہے۔

## حل عبارات

قولہ: و هو قبض العین:؛ ہو؛ کی ضمیر فعل کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: غیر الجامع الشرائط اللزوم: شرائط لزوم یعنی عربی، ماضی، ایجاب و قبول میں

مطابقت وغیرہ ہیں۔

قولہ: التخلّص بذلک: مثلاً الیہ؛ ذلک؛ انشاء لفظی میں لزوم کا کسی زائد چیز سے مشروط

نہ ہونا ہے۔



- قوله: صيرورة المعاملة بذلك: مثلاً اليه؛ ذلك؛ لفظ غير جامع الشروط لزوم ہے۔
- قوله: من اعتبار امور زائدة على اللفظ: مثلاً عربى هونا، ماضى هونا وغيره۔
- قوله: الى حكم المعاطاة مطلقاً: خواه قبض عين متحقق ہوایا نہیں۔
- قوله: بشرط تحقق قبض العين معه:؛ معه؛ کی ضمیر انشاء قولی کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قوله: او لا يتحقق به مطلقاً:؛ به؛ کی ضمیر انشاء قولی کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قوله: اذا حصل انشاء آخر: لفظ غير جامع شرائط کے علاوہ انشاء۔
- قوله: المتحقق بعده:؛ بعده؛ کی ضمیر انشاء باللفظ غير جامع شرائط کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قوله: فالانشاء القولى السابق: انشاء سے مراد انشاء لفظ غير جامع شرائط ہے۔
- قوله: القبض به:؛ به؛ کی ضمیر غير جامع شرائط کیساتھ انشاء کرنے کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قوله: ظاهر كلام غير واحد من مشايخنا المعاصرين الاول: یعنی احتمال اول۔
- قوله: انه لو وقع البيع الخ:؛ انه؛ کی ضمیر ضمیر؛ شأن ہے۔
- قوله: انها تفيد المعاطاة الخ:؛ انها؛ کی ضمیر اشارہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قوله: هو الوجه الاخير: یعنی احتمال سوم۔
- قوله: و لا يخفى ان الحكم فيها: یعنی فی الصورة الاولى۔
- قوله: و ربما يجمع بين هذا الكلام:؛ هذا الكلام؛ سے مراد کلام مرحوم محقق و علامہ ہیں
- قوله: لترتبه على زعم الصّحة:؛ ترتبه؛ کی ضمیر اذن کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قوله: و الاولان قد انتفيا: یعنی بیع و تجارة عن تراض
- قوله: من جهة زعمهما: یعنی زعم المتعالمين۔
- قوله: مع عدم بذل شئ في المقابل: یعنی بذل شئی وصل الى صاحب المال۔



قولہ: فان ذلك ليس من : مثلاً اليه؛ ذلك؛ تراضی بعوضین اور اسکا استمرار ہے۔  
 قولہ: الموجود بعده:؛ بعده؛ کی ضمیر تملیک کے ضمن میں حاصل ہونے والے اذن کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: لان المعاطاة حينئذ: یعنی حين يكون الاذن انشاءً آخر.  
 قولہ: انما تحصل به:؛ به؛ کی ضمیر انشاء آخر کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: و لا يكفي فيه عدم العلم:؛ فيه؛ کی ضمیر اباحہ مجانیہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: لانه كالاذن الحاصل من شاهد:؛ لانه؛ کی ضمیر رضا کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: فلا يجوز له ان يريد:؛ له؛ کی ضمیر محقق ثانی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

## وضاحت

### آٹھویں تشبیہ:

اصطلاحی معاطات میں اگر عامہ اور خاصہ کے درمیان شدید اختلاف ہے لیکن اگر انشاء تملیک ہو یا عنین کے قبض کیساتھ اباحت فعلی ہو تو اس معاطات میں کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں ہے۔

### آیا عقد غیر جامع الشرائط لزوم معاطات ہے یا نہیں؟

بحث یہ ہے کہ اگر معاطات لزوم کے جامع الشرائط الفاظ کے بغیر انجام پاتی ہے تو اسکی کیا صورت ہے؟ فرماتے ہیں: کہ اگر ہم یہ کہیں کہ انشاء لفظی کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے تو اس معاملے کے عقد لازم ہونے میں کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم کہیں لفظ کے علاوہ دیگر امور کی بھی ضرورت ہے تو پھر آیا خواہ مورد نظر چیز کا تبادلہ ہو یا نہ ہو مطلقاً معاطات ہوگی۔ یا اگر تبادلہ ہوا ہے تو معاطات ہے وگرنہ نہیں یا مطلقاً کسی صورت میں (خواہ تبادلہ ہو یا نہ ہو) معاطات نہ



ہوگی۔

### مشائخ معاصرین کے نزدیک معاطات ہے۔

مرحوم محقق کرکی اور شہید ثانی نے فرمایا ہے کہ مطلقاً معاطات ہو جائے گی۔ مثلاً محقق کرکی فرماتے ہیں کہ اگر طرفین لفظ جامع الشرائط کے بغیر بیع کرتے ہیں اور راضی ہیں تو یہ معاطات ہوگی۔ شہید ثانی اس طرح فرماتے ہیں۔ اگر کوئی بات کرنے پر قادر ہے اسکے لیے تو اشارہ کافی نہیں ہے۔ البتہ اگر اشارہ واضح ہو اور اس سے مقصود کا پتہ چل رہا ہو تو معاطات محقق ہو جائے گی۔

### محقق اور علامہ کے نزدیک معاطات نہیں ہے

جہاں تک محقق حلی اور علامہ کا تعلق ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ مطلقاً بیع نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے صراحت کیساتھ فرمایا ہے کہ اگر عقد باطل کے تحت اشیاء دوسرے کی تحویل میں بھی چلی جائیں تو وہ اسکا مالک بھی نہ بنے گا اور ضامن بھی ہوگا۔

### دونوں اقوال کی جمع

اب سوال یہ ہے کہ ان دو متضاد اقوال کے باہم جمع ہونے کا امکان ہے یا نہیں۔ فرماتے ہیں ان کے درمیان اس طرح جمع ہو سکتی ہے کہ محقق اور علامہ نے اس عقد کی بات کی ہے جہاں طرفین عقد کو صحیح سمجھ کر راضی تھے۔ لیکن جب عقد ہی صحیح نہیں رہا لہذا رضایت بھی نہیں رہی۔ لہذا بغیر اجازت مال میں تصرف اکل مال بالباطل شمار ہوگا۔ اگر اس جہت سے دیکھا جائے تو کوئی بھی یہاں معاطات کے جاری ہونے کا قائل نہیں ہے جیسا کہ محقق اور علامہ بھی قائل نہیں ہیں۔ جبکہ دوسری طرف محقق کرکی اور شہید ثانی نے اس عنوان سے معاطات کے جریان کا کہا ہے کہ طرفین اباحت تصرف پر راضی ہیں حتیٰ اگر عقد باطل ہو یا صحیح ہو ہمہ راضی ہیں۔ اور جب عقد باطل ہو گیا تو بھی وہ



راضی تھے لہذا معاملہ بھی صحیح ہوگا اور معاطات بھی ہو جائے گی۔ لہذا دونوں اقوال میں موضوع سخن جدا جدا ہے۔ اگر ایک ہوتا تو مشکل تھی اب دونوں رضایت کی صورت میں ایک ہی بات کے قائل ہیں کہ تصرف ہو سکتا ہے۔

### جمع پر اشکال:

شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ جمع درست نہیں ہے کیونکہ اسی عقد میں انشاء تملیک پائی جاتی ہے اور اس انشاء تملیک کے ضمن میں ہر ایک نے دوسرے کو تصرف کی اجازت بھی دے رکھی ہے۔ اب جب عقد کی ختم ہو گیا ہے تو اجازت کیسے رہے گی؟! لہذا طرفین کی رضایت کا کہنا مشکل ہے؟

### آیا تراضی جدید سے معاطات حاصل ہو جائے گی؟

معارض کہتا ہے کہ رضایت کا تصور تو ہو سکتا ہے؟

فرماتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انشاء تملیک کی صورت میں تصرف صحیح اور معاطات محقق ہو جائے گی۔ یہ مورد محل بحث سے خارج ہے کیونکہ یہ صورت حال تو قبض قباض کی وجہ سے ہوئی ہے نہ کہ عقد باطل کی وجہ سے۔ ثانیاً بطلان عقد کے بعد تراضی ہو جانا نیا توافق ہے لہذا یہ فقط اسی صورت کو شامل ہوگا دیگر صورتوں کو شامل نہ ہوگا۔ نیز یہ نیا توافق دو حال سے خالی نہیں:

(۱) معاطات کی شکل میں نیا معاوضہ ہو رہا ہے۔ (۲) قالب معاوضہ جدا نہیں ہے۔

ہر کوئی دوسرے کے اذن اور موافقت کو مد نظر رکھے بغیر اپنی رضایت کا کہہ رہا ہے۔ پہلی صورت میں یہ توافق نیا نہیں ہے کیونکہ اجرائے عقد کے وقت ایک دوسرے کیلئے مال کی ملکیت کا قصد موجود تھا۔ اور ہر ایک دوسرے کی تصرف پر راضی تھا۔ جبکہ دوسری صورت میں معاطات نہیں ہے بلکہ فقط کسی عوض کے بغیر دوسرے کیلئے اپنے مال کو مباح قرار دینا ہے۔ بہر حال اسے توافق جدید نہیں کہا جاسکتا۔



# چھتیسواں درس

صورِ مسئلہ میں تفصیلی گفتگو

(۱) دونوں کی رضایت کے بغیر تصرف

(۲) رضایت ملکیت سے سمجھی جا رہی ہو

(۳) بطلان عقد کے بعد رضایت حاصل ہو

(۴) بطلان عقد کے بعد ایک دوسرے کو مالک سمجھتے ہیں

اس کے معاطات ہونے کی دو شرطیں ہیں







## چھٹی سواں درس

و تفصیل الکلام : أنّ المتعاملین بالعقد الفاقدين لبعض الشرائط ، أمّا أن يقع تقابضهما بغير رضا من كلّ منهما في تصرف الآخر بل حصل قهراً عليهما أو على أحدهما و اجباراً على العمل بمقتضى العقد ، فلا اشكال في حرمة التصرف في المقبوض على هذا الوجه - و كذا ان وقع على وجه الرضا الناشئ عن بناء كلّ منهما على ملكية الآخر اعتقاداً أو تشريعاً - كما في كلّ قبضٍ وقع على هذا الوجه - لأنّ حيثية كون القابض مالكاً مستحقاً لما يقبضه ، جهة تقييدية مأخوذة في الرضا ينتفى بانتفائها في الواقع ، كما في نظائره - و هذان الوجهان ممّا لا اشكال فيه في حرمة التصرف في العوضين ، كما أنّه لا اشكال في الجواز اذا أضرنا عن أثر العقد و تقابضاً بقصد انشاء التملك ليكون معاطاة صحيحة عقيب عقدٍ فاسدٍ - و أمّا ان وقع الرضا بالتصرف بعد العقد من دون ابتناؤه على استحقاقه بالعقد السابق ، و لا قصدٍ لانشاء التملك ، بل وقع مقارناً لاعتقاد الملكية لحاصلة بحيث لو لاها كان الرضا أيضاً موجوداً ، و كان المقصود الأصلي من المعاملة التصرف و أوقعا العقد الفاسد وسيلة له - و يكشف عنه انه لو سئل كل منهما عن رضاه بتصرف صاحبه على تقدير عدم التملك أو بعد تنبيهه على عدم حصول الملك ، كان راضياً - فادخال هذا في المعاطاة يتوقف على أمرين :



الأول : كفاية هذا الرضا المركوز في النفس ، بل الرضا الشأني ؛ لأنّ الموجود بالفعل هو رضاه من حيث كونه مالكا في نظره و قد صرح بعض من قارب عصرنا بكفاية ذلك و لا يبعد رجوع الكلام المتقدم ذكره الى هذا ؛ و لعله لصدق طيب النفس على هذا الأمر المركوز في النفس-الثاني أنه لا يشترط في المعاطاة انشاء الاباحة أو التمليك بالقبض ، بل و لا بمطلق الفعل ، بل يكفي وصول كل من العوضين الى المالك الآخر و الرضا بالتصرف قبله أو بعده على الوجه المذكور- و فيه اشكال : من أنّ ظاهر محلّ النزاع بين العامة و الخاصة هو العقد الفعلي ، كما ينبىء عنه قول العلامة في ردّ كفاية المعاطاة في البيع : انّ الأفعال قاصرة عن افادة المقاصد؛ و كذا استدلال المحقق الثاني على عدم لزومها: بان الافعال ليست كالأقوال في صراحة الدلالة؛ و كذا ما تقدّم من الشهيد في قواعده : من أنّ الفعل في المعاطاة لا يقوم مقام القول و انما يفيد الاباحة ؛ الى غير ذلك من كلماتهم الظاهرة في أنّ محلّ الكلام هو الانشاء الحاصل بالتقابض - و كذا كلمات العامة فقد ذكر بعضهم: أنّ البيع ينعقد بالايجاب و القبول و بالتعاطى- و من أنّ الظاهر أنّ عنوان التعاطى في كلماتهم لمجرد الدلالة على الرضا ، و أنّ عمدة الدليل على ذلك هي السيرة - و لذا تعدّو الى ما اذا لم يحصل الا قبض أحد العوضين - ، و السيرة موجودة في المقام ؛ فانّ بناء الناس على أخذ الماء و البقل و غير ذلك من الجزئيات من دكاكين أربابها مع عدم حضورهم و وضعهم الفلوس في موضع المعدّ له ، و على دخول الحمام مع عدم حضور صاحبه و وضع الفلوس في كوز الحمامي - فالمعيار في المعاطاة : وصول المالكين أو أحدهما مع التراضي بالتصرف ، و هذا ليس ببعيد على القول بالاباحة-



## ترجمہ

تفصیل کلام اس طرح ہے کہ ایسا عقد جسمیں بعض شرائط نہیں پائی جاتیں؛ طرفین ایک دوسرے کے تصرف پر راضی ہوئے بغیر تقابض کرتے ہیں۔ بلکہ قہراً قبض و اقباض حاصل ہوتا ہے۔ یا مقتضائے عقد کی وجہ ایک دوسرے کو عقد پر عمل کرنے پر مجبور کرتا ہے تو اس وجہ میں قبضے میں لی گئی چیز کے تصرف کے حرام ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اسی طرح ان دونوں کا تقابض اس رضایت کی بناء پر ہوا ہے کہ طرفین ایک دوسرے کی ملکیت کے قائل ہیں۔ خواہ ملکیت کا قائل ہونا ان کے اعتقاد کی وجہ سے ہے یا شریعاً ہے۔ اس صورت میں بھی تصرف حتماً حرام ہے اور جو قبض بھی اسی طرح واقع ہوا ہے اسکا حکم بھی یہی ہے۔ کیونکہ قابض کی یہ حیثیت کہ وہ مالک ہے اور قبضے میں لی ہوئی چیز کا مستحق ہے؛ یہ تقدیری جہت سے ہے (یعنی قبض پر رضایت اس بات کیساتھ مقید ہے کہ اس نے طرف مقابل کو مالک تصور کیا ہے) اور رضا میں مأخوذ ہے۔ اس کے منٹھی ہونے سے رضایت بھی منٹھی ہو جائے گی۔ جیسا کہ اس رضایت سے مشابہ مورد میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

ان دونوں وجوہات کی صورت میں عوضین میں تصرف کرنا بلا اشکال حرام ہے۔ جیسا کہ اسکا جواز بھی اسوقت بلا اشکال ہے جب اس میں اثر عقد ہو اور انشاء تملیک کے قصد سے قبضے میں لیا ہو۔ کیونکہ یہ عقد فاسد کے بعد صحیح معاطات ہے۔ اور اگر تصرف کرنے کی رضایت عقد کی بعد واقع ہوئی ہو (البتہ اس کی بناء اس پر نہ ہو کہ گذشتہ عقد کی وجہ سے وہ استحقاق رکھتا ہے۔ اور انشاء تملیک کا قصد بھی نہ ہو) بلکہ اسکا وقوع حاصل شدہ ملکیت کے مقارن اور ہمزمان ہو اس طرح کہ اگر ملکیت حاصل نہ بھی ہو تب بھی رضا موجود ہو۔ اور معاملہ کا اصلی ہدف تصرف ہو اور عقد فاسد کو اسکے لیے وسیلہ قرار دیا گیا ہو۔ اس معنی سے یہ کشف ہوتا ہے کہ اگر دونوں سے؛ ایک دوسرے کے مال میں تصرف کرنے



کے حوالے سے (عدم حصول ملکیت کے فرض کیساتھ) سوال کیا جائے کہ تم راضی ہو تو وہ کہیں گے جی ہاں ہم راضی ہیں۔ حتیٰ اگر انہیں تنبیہ بھی کی جائے کہ ملکیت حاصل نہیں ہوئی تب بھی وہ کہیں گے جی ہاں ہم راضی ہیں۔ اس قسم کو معاطات میں داخل کرنا دو امور پر موقوف ہے:

(الف) یہ رضایت قلبی کافی ہے۔ بلکہ رضایت ثانی ہی کافی ہے کیونکہ بالفعل یہی رضایت موجود ہے کہ وہ اس کی نظر میں مالک ہے۔ ہمارے زمانے کے قریب کے چند معاصرین نے بھی یہی صراحت کیساتھ فرمایا ہے کہ ایسی رضایت کافی ہے۔ (۱) بعید نہیں ہے کہ محقق ثانی کا جو کلام ہم نے پہلے ذکر کیا ہے (۲) وہ بھی اس معنی کی طرف لوٹ رہا ہو، شاید یہی وجہ سے قلباً اسی پر طیب نفس (رضایت) بھی صادق ہے۔

(ب) معاطات میں انشاء بالا باحت یا تملیک بالقبض کی کوئی شرط نہیں ہے۔ بلکہ مطلق فعل کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ بلکہ یہی کافی ہے کہ طرفین کے پاس عوض پہنچ جائے اور قبض سے پہلے یا قبض کے بعد تصرف کرنے کی رضایت معلوم ہو جائے۔ اس میں اشکال ہے کیونکہ ظاہراً عامہ اور خاصہ کے نزدیک محل نزاع عقد فعلی ہے۔ جیسا کہ اسی کے متعلق (چار شواہد) خبر دے رہے کہ محل نزاع عقد فعلی ہے۔ قول علامہ (جہاں انہوں نے رد کیا ہے کہ بیع میں معاطات کفایت نہیں کرتی) کہ افعال، افادہ مقصود کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ اسی طرح محقق ثانی (۳) نے عدم لزوم پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ صراحت کیساتھ دلالت کرنے میں افعال، اقوال کی طرح نہیں ہیں۔ اسی طرح قواعد (۴) میں شہید کا فرمان بھی گزر چکا ہے کہ معاطات میں فعل، قول کے قائم مقام نہیں

(۱) ظاہراً ان سے مراد محقق تستری ہیں۔ دیکھیں مقابلس الانوار ص ۱۲۸ (۲) مفتاح الکرامۃ ۴: ۱۶۸

(۳) قواعد ۱: ۸۷۸ قاعدہ نمبر ۴

(۴) جامع المقاصد ۴: ۵۸



ہے فقط یہ اباحت کا فائدہ دیتا ہے۔ اسکے علاوہ علماء کے کلمات کا ظاہر بھی یہی بتاتا ہے کہ محل کلام وہ انشاء ہے جو تقابض کے ذریعے حاصل ہو۔ اسی طرح عامہ کے علماء کے کلمات بھی یہی کہتے ہیں۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے کہ بیع ایجاب و قبول اور تعاطی کیساتھ منعقد ہو جاتی ہے۔ ظاہراً ان کے کلمات میں تعاطی کا عنوان فقط رضایت پر دلالت کرتا ہے۔ اس سلسلے میں عمدہ دلیل سیرت ہے۔ (اسی وجہ سے علماء اعلام نے معاطات کو وہاں بھی وسعت دی ہے جہاں قبض صرف ایک ہی عوض کیساتھ حاصل ہو جاتا ہے) مانحن فیہ میں سیرہ موجود ہے۔ کیونکہ لوگ پانی، سبزی یا اس قسم کی جزی چیزیں لیتے وقت اگر مالک دوکان نہ ہو بھی ہو تو معین جگہ پر پیسے رکھ دیتے ہیں اور چیز لے لیتے ہیں۔ اسی طرح حمام میں اگر مالک نہ ہوتا تو حمام والے کے گلے میں پیسے رکھ کر نہالیا کرتے ہیں۔ پس معاطات میں معیار و مناط یہ ہے کہ تصرف کرنے میں رضایت کیساتھ ایک یا دو مالوں کا پہنچ جانا ہی کافی ہے۔ اور یہ بات اباحت والے قول کی صورت میں بعید نہیں ہے۔

## حل عبارات

قولہ: بل حصل قهراً علیہما؛ حصل؛ کی ضمیر تقابض اور؛ علیہما؛ کی ضمیر متعاطیلین کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

قولہ: ان وقع علی وجه الرضا؛ وقع؛ کی ضمیر تقابض کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: وقع علی هذا الوجه؛ هذا الوجه؛ سے مراد اعتقاد آیا تشریحاً ہے۔

قولہ: ينتفی بانتفائها؛ ضمیر ینتفی؛ رضا و انتفائها؛ کی ضمیر تقید یہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

قولہ: فی نظائرہ؛ یعنی اس قید کی طرح (کون القابض مالکاً مستحقاً لما یقبضہ)۔

قولہ: کما انه لا اشکال فی الوجود؛ لانه؛ کی ضمیر، ضمیر شأن ہے۔



- قوله: عن اثر العقد:؛ عقد؛ سے مراد عقد فاسد ہے۔
- قوله: ليكون معاطاةً صحيحةً:؛ ليكون؛ کی ضمیر تقابض کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قوله: من دون ابتناؤه:؛ ابتناؤه؛ کی ضمیر رضاء کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قوله: على استحقاقه: یعنی استحقاق التصرف۔
- قوله: بالعقد السابق: یعنی عقد فاسد سابق۔
- قوله: بل وقع: یعنی وقع الرضاء۔
- قوله: بحيث لولاها: یعنی لولا الملكية۔
- قوله: و اوقعا العقد الفاسد: ضمیر تشنیہ متعالمین کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قوله: وسيلة له:؛ له؛ کی ضمیر تصرف کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قوله: يكشف عنه:؛ عنه؛ کی ضمیر کون المقصود الاصلی التصرف کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- قوله: انه لو سئل كل منهما:؛ انه؛ کی ضمیر، ضمیر شأن ہے۔
- قوله: فادخال هذا الخ:؛ واما ان وقع الخ؛ کیلئے جواب ہے۔
- قوله: لان الموجود بالفعل الخ: نفس میں رضایت کے مذکور ہونے کی علت ہے اور رضایت شائی؛ سے مراد ایسی رضایت ہے جو فعلاً نفس میں مذکور نہ ہو لیکن اس کی قابلیت رکھتی ہو۔
- قوله: قد صرح بعض من قارب عصرنا:؛ بعض؛ سے مراد شیخ اسد اللہ تسترکی ہیں۔
- قوله: بكفاية ذلك: مشاراً اليه؛ ذلك؛ رضایت مرکوز فی النفس ہے۔
- قوله: رجوع الكلام المتقدم ذكره: یعنی جامع المقاصد میں کلام مرحوم محقق ثانی۔
- قوله: انه لا يشترط في المعاطاة:؛ انه؛ کی ضمیر، ضمیر شأن ہے۔
- قوله: بالتصرف قابله: یعنی قبل القبض۔



- قولہ: و فیہ اشکال:؛ فیہ: کی ضمیر دخول فرض مذکور در معاطات کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: من انّ ظاهر محلّ النزاع الخ: وجہ احتمال عدم دخول ہے۔  
 قولہ: کما ینبئ عنہ:؛ عنہ: کی ضمیر کون محلّ النزاع العقد الفعلی کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: علی عدم لزومها: یعنی لزوم معاطات۔  
 قولہ: و انّ عمدة الدلیل علی ذلک: مثلاً الیہ: ذلک؛ مجرّ دالّ لالۃ علی الرضا ہے۔  
 قولہ: المعدّ له:؛ له: کی ضمیر وضع فلوس کی طرف لوٹ رہی ہے۔  
 قولہ: و هذا لیس ببعید: مثلاً الیہ: ہذا؛ احتمال دوّم ہے۔

## وضاحت

### صور مسئلہ میں تفصیلی گفتگو

شیخ صاحب کے خیال میں عقد باطل کے بعد لین دین چار صورتوں میں ممکن ہے:  
 دونوں کی رضایت کے بغیر تصرف:

(۱) عقد باطل کے بعد، دونوں یا ایک اپنی چیز کو دوسرے سے واپس لینے پر زور دیتا ہے تو اس وقت رضایت ثابت نہ ہوگی اور تصرف بھی حرام ہوگا۔ اور عدم رضایت بھی واضح ہوگی۔  
 ملکیت سے رضایت سمجھی جا رہی ہو:

(۲) طرفین میں سے دونوں، ملکیت کا تصور کرتے ہوئے ایک دوسرے کو چیز دیتے ہیں۔ اور رضایت اسی ملکیت کے تصور میں مقید تھی۔ لہذا اب اگر عقد باطل ہو گیا ہے تو جیسے ملکیت ختم ہوئی ہے ویسے رضایت بھی منثقی ہو گئی ہے لہذا اس صورت میں بھی کسی قسم کا تصرف کرنا حرام ہے۔

عقد کے بعد رضایت حاصل ہو:



(۳) طرفین نے عقد کے باطل ہونے کو جاننے کے بعد، اس کی پروا نہیں کی اور پھر معاطات کے ذریعے نیا انشاء کر لیا ہے تو اس صورت میں بلا شک و تردید تصرف جائز ہے اور معاطات اصطلاحی بھی محقق ہے۔ اور رضایت بھی ثابت ہے۔

### بطلان عقد کے بعد ایک دوسرے کو مالک سمجھنا:

(۴) طرفین بطلان عقد کے پتہ چل جانے کے باوجود ایک دوسرے کو مالک سمجھتے ہیں اشیاء کے ایک دوسرے کے پاس موجود رہنے پر راضی ہیں۔ اور معاطات کے باقی رہنے کا عزم رکھتے ہیں۔ اس صورت میں معاطات کا محقق ہونا دو چیزوں پر موقوف ہے۔

### اسکے معاطات ہونے کی دو شرطیں ہیں:

(۱) رضایت قلبی شانی بھی کافی ہے، رضایت فعلی کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) وجود انشاء اباحہ یا تملیک کا معاطات میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ صرف رضایت کیساتھ عوض و معوض کا طرفین کے ہاتھوں میں چلا جانا ہی کافی ہے۔ البتہ اسے قبول کر لینا کافی مشکل ہے۔ کیونکہ شیعہ اور سنی کے درمیان محل نزاع یہی ہے کہ معاطات فعل کے وسیلے سے انجام پذیر ہو۔ الفاظ کی ضرورت نہ ہو۔ لہذا معاطات کے تحقق کے بغیر فقط عوض و معوض کا ایک دوسرے کے پاس آ جانا اور طرفین کا راضی ہو جانا عقد فعلی نہ ہوگا۔ دوسری طرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاطات کے حوالے سے علماء کی کلام میں جو تعاطی کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ موضوعیت نہیں رکھتا۔ رضایت کو بیان کرنے والی تنہا چیز اموال کا تبادلہ ہے۔ اس بناء پر رضایت کیساتھ عوضوں کا منتقل ہونا بھی بتا رہا ہے کہ راضی تھے تبھی تو عوضیں منتقل کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ معاطات کے حوالے سے ایک اہم دلیل سیرہ تھی رضایت کیساتھ عوضوں کا وصول کرنے پر سیرہ بھی دلالت کر رہا ہے۔

التماس دعا: سید محمد نجفی ابن حضرت آیت اللہ حافظ سید ریاض حسین نجفی دام ظلہ، ۵ رجب المرجب ۱۴۲۵



## مؤلف کی دیگر تالیفات اور تراجم

کتاب	زبان اصلی	مؤلف / مترجم	محتوی و مضمون
(۱) عدالت اجتماعی ۲ جلد	فارسی	آیت اللہ ہاشمی رفسنجانی دام ظلہ	خطبات جمعہ
(۲) عقاید امامیہ	عربی	شیخ محمد رضا مظفر	شیعہ عقاید مع حواشی
(۳) علی صراط مستقیم	عربی	آقای ضیاء جواہری دام ظلہ	حضرت علی کی سیرت
(۴) تلاش حق	عربی	علامہ شرف الدین موسوی	مناظرہ
(۵) نسیم بہشت (ثواب الاعمال)	عربی	شیخ صدوق	اعمال کی سزا و جزا
(۶) چشمہ اشک	اردو	سید محمد نجفی	حضرت زہراء کی مظلومیت
(۷) دروس مکاسب	اردو	سید محمد نجفی	دروس آیۃ اللہ حافظ سید ریاض حسین نجفی دام ظلہ
(۸) تفسیر انوار الحجّت	اردو	سید محمد نجفی مع گروہ	الحمد تا آیت ۳۹ سورہ بقرہ
(۹) تفسیر خمسہ	اردو	سید محمد نجفی و سید علی نقوی	چار قل اور الحمد کی تفسیر
(۱۰) اوضح المسائل	عربی	آیت اللہ حافظ بشیر حسین نجفی دام ظلہ	مسائل حج
(۱۱) خلاصۃ الرسائل (زیر طبع)	اردو	سید محمد نجفی	شیخ مرتضیٰ انصاری کی رسائل کا خلاصہ
(۱۲) دروس کفایہ (زیر طبع)	اردو	سید محمد نجفی	دروس آیۃ اللہ حافظ سید ریاض حسین نجفی دام ظلہ
(۱۳) ترجمۃ الاصول (زیر طبع)	اردو	سید محمد نجفی	شیخ محمد رضا مظفر کی اصول کا ترجمہ و خلاصہ
(۱۴) جرعہ کوثر (زیر طبع)	اردو	سید محمد نجفی	اسماء، فضائل، خواص اور موضوعات سور
(۱۵) امام علیؑ (زیر طبع)	فارسی	آیت اللہ ہاشمی رفسنجانی دام ظلہ	سیرت امیر المؤمنین
(۱۶) توضیح البدایہ (زیر طبع)	اردو	سید محمد نجفی	دروس آیۃ اللہ حافظ سید ریاض حسین نجفی دام ظلہ
(۱۷) کتاب سلیم (زیر طبع)	عربی	سلیم بن قیس ہلالی	صدر اسلام میں لکھی جانے والی پہلی کتاب
(۱۸) علل الشرائع (زیر طبع)	عربی	شیخ صدوق	فلسفہ احکام

مؤسسہ امام المنتظر خیابان چہار مردان کوچہ ۱۷

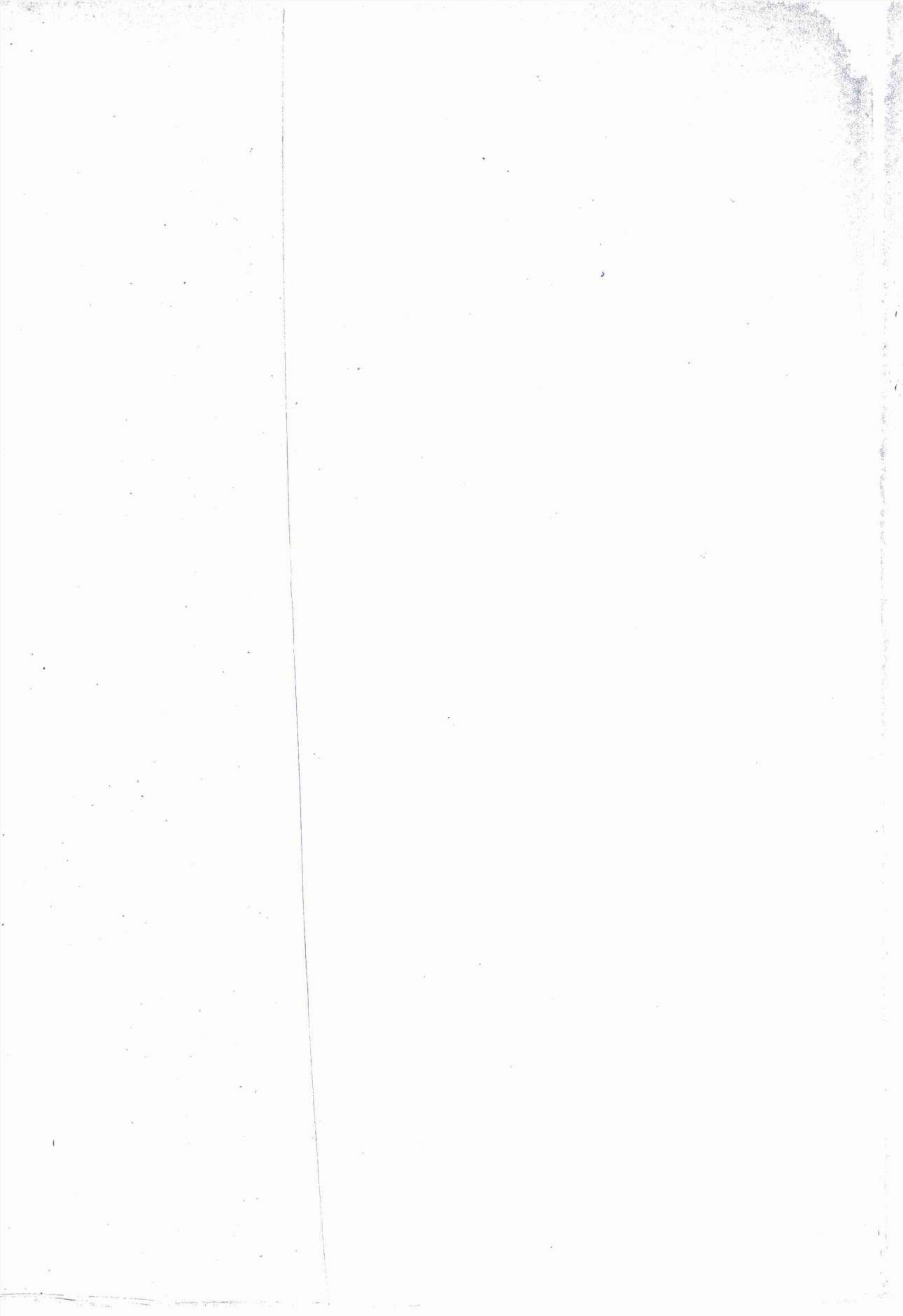
مقابل مسجد گذر قلعه قم۔ ایران

فون: ۰۰۹۸-۲۵۱: ۷۷۳۶۷۶۰ موبائل: ۰۰۹۸-۱۱۲-۱۱۲۰۹۳۵ فیکس: ۰۰۹۸-۲۵۱-۷۷۳۶۷۶۰



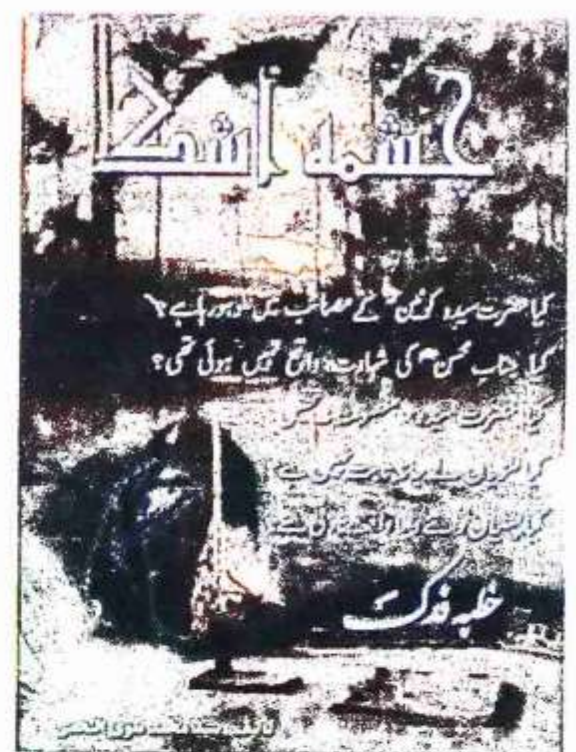
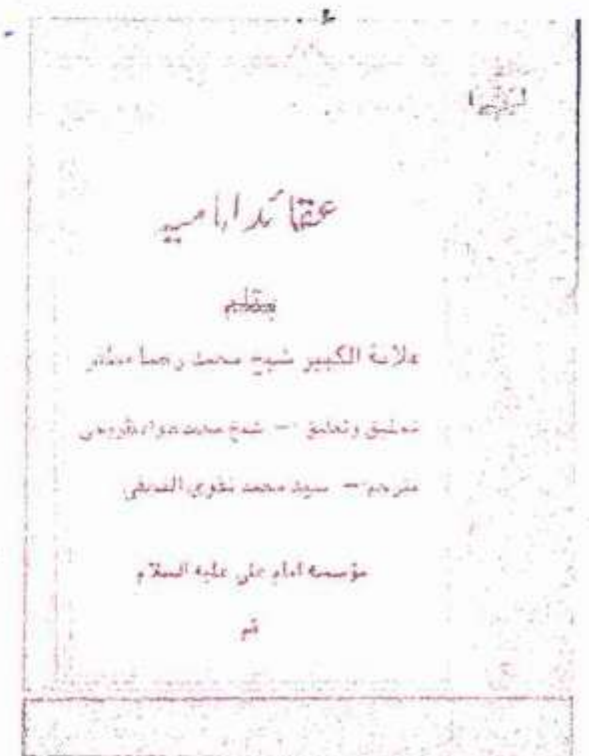
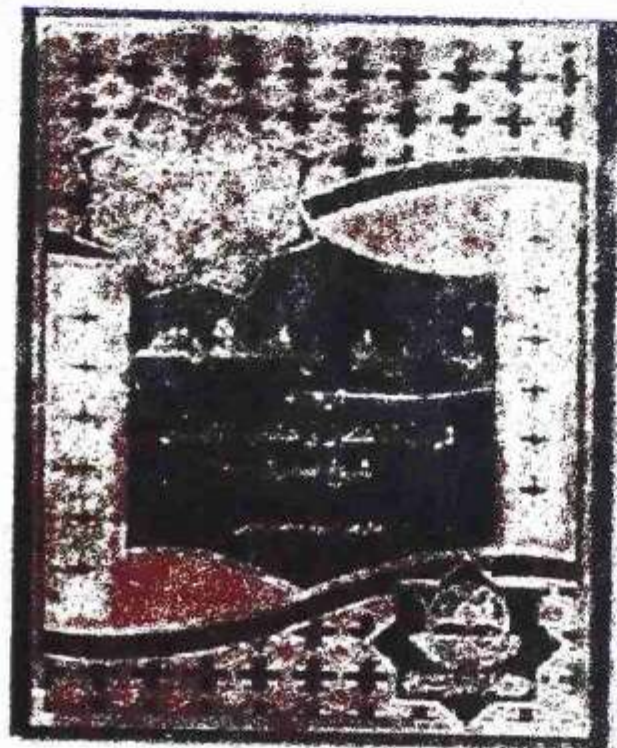
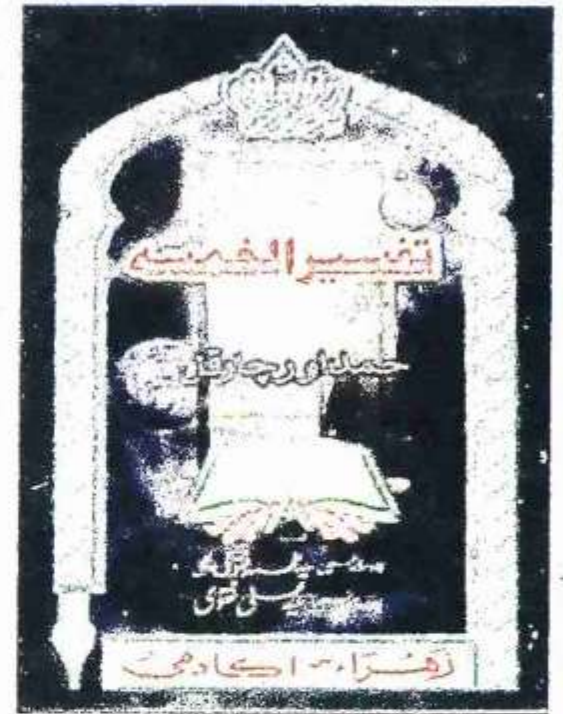
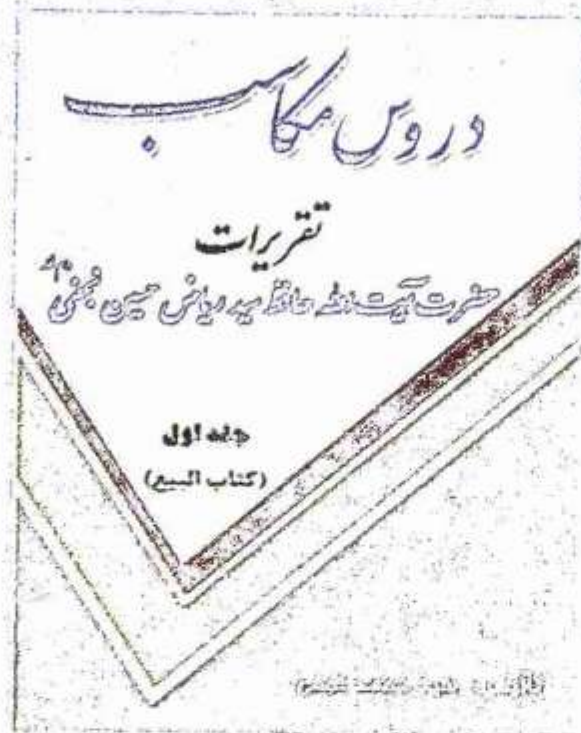
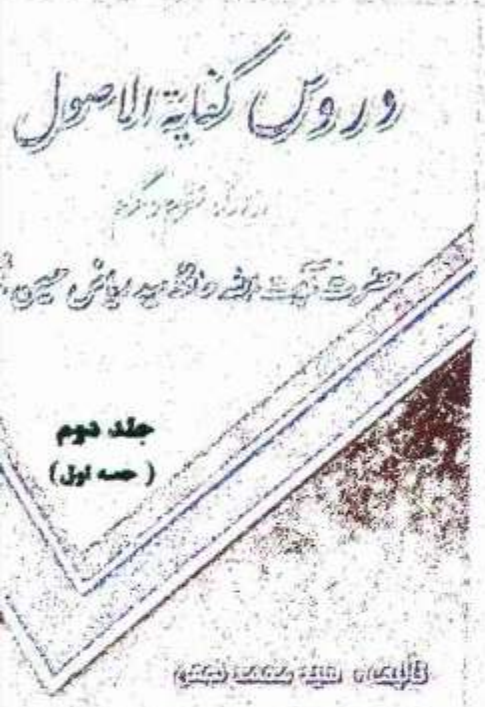








# مؤلفوں و مہترتاً لیفات اور تراجم



مؤسسہ امام المنتظر <sup>(عج)</sup> خیابان چہار مردان کوچہ ۱۷

مقابل مسجد گذر قلعه قم - ایران

فون: ۰۰۹۸ - ۲۵۱ - ۷۷۳۶۷۶

[mnajfi2003@yahoo.com](mailto:mnajfi2003@yahoo.com)

[mnajfi@hotmail.com](mailto:mnajfi@hotmail.com)